www.iqbalkalmati.blogspot.com

جرمنی اور سوئیزر لینڈ میں پاکستانی
خفیہ ایجنٹوں کے کارنامے

رضوان علی گھمن

چانسلر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چانسلر

اسلام کے لئے جان دینے والے ہی ہمیشہ
اسلام کے دشمنوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں

چانسلر ناول مکمل طور پر فکشن ناول ہے۔اس کے تمام واقعات اور کردار فرضی ہیں۔ پاکستانی اور انڈین انٹیلی جنس کی تمام انفارمیشن محض مصنف کا ذاتی تخیل ہے۔اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔انڈیا، افغانستان، جرمنی اور سوئیزرلینڈ کا کتاب میں کافی ذکر ہے لیکن کسی بھی ادارے اور ملک کی تذلیل نہیں کی گئی ہے۔

یہ کتاب صرف اور صرف دہشت گردی کے خلاف لکھی گئی ہے۔اس کا کسی بھی ملک، مذہب یا فرقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔جرمنی اور سوئیزرلینڈ دونوں ہمارے دوست ممالک ہیں۔ان ممالک کی مسلمان مہاجرین کے لئے کی جانے والی خدمات قابل تحسین ہیں۔

رضوان علی گھمن

Whatsapp# 0049-152-11229099

Facebook: *Rizwan Ali Ghuman*

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : **www.iqbalkalmati.blogspot.com**

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیش لفظ

چانسلر ناول میں نے ایک سال پہلے جرمنی کے ایک مہاجر کیمپ میں بیٹھ کر لکھا تھا لیکن بعد میں حالات کافی خراب ہو گئے۔ میں نے جرمنی میں سیاسی پناہ کی درخوست دی ہوئی تھی۔ میرا کیس عدالت میں لگا اور پہلی سنوائی میں ہی میری درخواست مسترد ہو گئی۔ مجھے ایک مہینے کے اندر اندر جرمنی چھوڑ دینے کا آرڈر مل گیا۔ جرمنی میں رہتے ہوئے ایک اچھے مستقبل کی امید بن گئی تھی لیکن جرمنی اور یورپ میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات نے یورپین لوگوں کے دلوں سے ہمدردی اور محبت کے جذبات کو کافی ٹھنڈا کر دیا تھا۔

یورپین لوگ مہاجرین سے ڈرنے لگے تھے۔ میرا سیاسی پناہ کا کیس بھی جلدی میں سنا گیا اور مجھے مسترد کر دیا گیا۔ میرے پاس یورپ کے کسی بھی ملک میں رہنے کا قانونی اجازت نامہ نہیں تھا اس لئے جرمنی سے بھاگا اور چوری چھپے اٹلی میں داخل ہو گیا۔ چانسلر کہانی کا مسودہ جرمنی کے مہاجر کیمپ میں ہی چھوٹ گیا۔ اٹلی میں دو مہینے تک سڑکوں پارکوں اور ویران پلوں کے نیچے سوتے سوتے آخر کار قسمت مہربانی ہو گئی اور مجھے میلان کے ایک مہاجر کیمپ میں جگہ مل گئی۔

دو مہینے تک میں نے میلان کی سبھی مسجدوں، چرچ اور گوردواروں کا کھانا کھایا ہے۔ چانسلر کہانی کی قسمت اچھی تھی شاید اسی لئے مجھے دو مہینے کی محنت کے بعد اٹلی کے مہاجر کیمپ میں جگہ ملی تو میں نے جرمنی میں اپنے ایک دوست سے رابطہ کر کے اسے ناول کا مسودہ تلاش کرنے کا کہا۔ جرمنی چھوڑنے کے بعد میرا سامان کارل سروہے شہر کے مرکزی بلدیہ کے آفس میں چلا گیا۔ تھا۔ چانسلر ناول نے پبلش ہونا تھا اس لئے خدا نے اسے محفوظ رکھا۔ میرے دوست کو ناول کا مسودہ بالکل ٹھیک حالت میں بلدیہ کے ایک گودام سے مل گیا۔

ناول کی کہانی کافی حد تک ایکشن اور تھرلر سے بڑھ کر خوفناک ہو جاتی ہے۔ شاید کچھ پیراگراف سے قارئین متفق نہ ہوں تو ایک مہاجر لکھاری سمجھ کر معاف کر دیں۔ ناول ساس بہو کے گھریلو جھگڑے اور محبت کی روایتی کہانیوں سے تھوڑا ہٹ کر لکھا گیا ہے۔ ناول کی کہانی ایک ہی مرکزی کردار کے گرد

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گھومنے کی بجائے تین مختلف اطراف سے آگے بڑھتی ہے۔ چانسلر کہانی کیسی ہے یہ تو قارئین پڑھنے کے بعد ہی فیصلہ کریں گے۔

اگر ناول پسند آئے تو پلیز اپنے دوستوں وار چاہنے والوں سے ضرور شیئر کیجئے۔ اگر ناول اچھا لگا ہو تو اسے آگے ضرور پھیلائیں اور مجھے میسج کر کے میری حوصلہ افزائی بھی ضرور کریں۔

رضوان علی گھمن

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لڑکے کا نام حمید تھا اور اُس کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔ موٹی موٹی آنکھیں اور کشادہ پیشانی لڑکے کی ذہانت کا پتہ دے رہی تھی۔ وہ راولپنڈی کی تحصیل گوجر خان کا رہنے والا تھا۔ چھوٹا سا گھرانا تھا دو بھائی اور تین بہنیں۔ والد کی گوجر خان شہر میں کپڑے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ وہ لوگ زیادہ امیر تو نہیں تھے لیکن غریب بھی نہیں تھے۔ گزارا اچھا ہو رہا تھا۔

حمید نے ایف-اے کرنے کے بعد دو سال تک نوکری کی تلاش کی لیکن ناکام رہا۔ ملک میں بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے بے روزگاری بہت بڑھ گئی تھی۔ ہر سال لاکھوں نوجوان اپنی تعلیم مکمل کر رہے تھے۔ ملک میں بجلی کی بڑھتی ہوئی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے کارخانے اور فیکٹریاں بند ہو رہے تھے۔ نوجوان طبقہ کا ایک سیلاب تھا جو بے روزگار گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔

حمید بھی انہی لاکھوں نوجوانوں میں سے ایک تھا۔ ان دنوں اٹلی اور جرمنی بہت سے لڑکے جا رہے تھے

جرمنی میں بہت کام تھا۔ وہاں لوگ مہاجرین کی مدد بھی بہت کر رہے تھے۔ جرمنی پہنچتے ہی ایک مہینے میں رجسٹریشن مکمل ہو جاتی تھی اور تین مہینے بعد کام کی اجازت بھی مل جاتی تھی۔

جرمنی میں کام زیادہ تھا اور مزدور کام تھے۔ اس لیے کام بہت آسانی سے مل جاتا تھا۔ اسی وجہ سے وسطی اور بالائی پنجاب کے تقریباً سبھی دیہات سے کوئی نہ کوئی لڑکا ضرور جرمنی کا رخ کر رہا تھا۔ (ابھی جرمنی میں حالات بہت مختلف ہیں جرمنی کسی بھی پاکستانی لڑکے کو نہ ہی سیاسی پناہ دیتا ہے اور نہ ہی کام کی اجازت اٹلی میں البتہ ابھی تک پاکستانیوں کو سیاسی پناہ مل رہی ہے)

حمید کے والد کا گوجر خان شہر سے باہر ایک پانچ مرلے کا پلاٹ تھا۔ حمید نے اپنے گھر والوں پر زور دیا کہ وہ اسے جرمنی بھیج دیں۔ پہلے پہل تو اس کے گھر والے منع کرتے رہے لیکن پھر مان گئے۔ حمید کے والد نے پلاٹ بیچا اور اس کی رقم ایجنٹ کے ہاتھ میں دے دی۔ ایجنٹ نے اگلے ہی دن حمید کو کراچی بھیج دیا وہاں سے اس نے آگے تربت کی طرف سفر کرنا تھا۔ تربت سے آگے وہ ایران میں داخل ہو جاتا ایران سے آگے ترکی اور ترکی سے آگے یورپ شروع ہو جاتا تھا۔ حمید اپنا مستقبل جرمنی کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوبصورت فضاؤں میں دیکھ رہا تھا۔

حمید نے اپنے گھر سے شام کو بس پکڑی اور مندرہ آ گیا۔ مندرہ راولپنڈی کی تحصیل گوجر خان کا ایک ٹاؤن ہے یہ ملتان سے راولپنڈی جانے والی ریلوے لاین کے اوپر واقع ہے۔ راولپنڈی سے چلنے والی ٹرین یہاں سے گزرتی ہوئی ملتان اور پھر آگے بہاولپور تک جاتی ہے۔ بہاولپور کا سمہ سٹہ جنکشن پاکستان کے مین جنکشن میں سے ایک ہے یہاں سے کراچی کوئٹہ اور لاہور کے لیے ٹرین نکلتی ہے۔ یہاں سے چھوٹی اور بڑی سبھی ٹرینیں نکلتی ہیں۔ گوجر خان سے بھی ٹرین نکلتی تھی لیکن وہ جہلم اور گجرات کی طرف سے ہوتی ہوئی لاہور پہنچتی ہے اور پھر وہاں سے بہاولپور کی طرف آتی ہے یہ بہت لمبا راستہ ہے۔

مندرہ گوجر خان سے صرف 15 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ وہ مندرہ آ گیا یہاں سے اس نے بہاولپور کی ٹرین پکڑی اور پھر بہاولپور سے آگے کراچی والی ٹرین لے لی۔ وہ شام کو اپنے گھر سے چلا تھا اور پوری رات کا سفر کر کے دوسرے دن 12 بجے کراچی پہنچ گیا۔ ایجنٹ کا ایک آدمی اسٹیشن کے باہر ہی اُس کا انتظار کر رہا تھا وہ اسے اور اس کے ساتھ مزید دو اور لڑکوں کو لے کر ایک گھر میں آ گیا یہ دو مرلے کا چھوٹا سا گھر تھا۔

سامنے گلی بھی بہت پتلی تھی جس میں بمشکل ایک موٹر سائیکل ہی گزر سکتی تھی گاڑی وغیرہ اس گلی میں نہیں آسکتی تھی۔ مکان بھی ایک کمرے ایک باتھ روم اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے کیچن پر مشتمل تھا یہاں پر پہلے سے تین اور لڑکے بھی رہ رہے تھے۔ حمید اور اس کے ساتھ آئے ہوئے دو مزید لڑکوں سے اب وہ چھ ہو گئے تھے ایجنٹ نے حمید کو بھی ان لڑکوں کے ساتھ بٹھایا اور خود باہر چلا گیا شام کو وہ مزید چار اور لڑکوں کو لے کر آ گیا۔

اب اس گھر میں وہ ٹوٹل دس لڑکے ہو گئے تھے باقی لڑکے بھی بالائی پنجاب کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے تھے یہ گجرات - کھاریاں اور سیالکوٹ سے تھے۔ سارے ہی نوجوان لڑکے تھے اور سارے ہی غریب گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ لڑکوں میں سے صرف حمید ہی شہری پس منظر سے تھا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

باقی سبھی لڑکے دیہاتوں سے ہی آئے ہوئے تھے۔ پاکستان کی تقریباً 70 فیصد آبادی دیہاتوں سے تعلق رکھتی ہے اور صرف 30 فیصد لوگ شہروں سے ہیں۔ شہر میں سہولیات زیادہ ہوتی ہیں تعلیم کے لیے کالج اور ہسپتال وغیرہ بھی شہر میں ہی دستیاب ہیں شہروں میں روزگار بھی مل جاتا ہے اس لیے اب دیہاتوں سے بھی اٹھ کر لوگ شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے شہروں کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ گورمنٹ نئے شہر بسانے کی بجائے سڑکیں اور پُل بنانے میں ہی لگی ہوئی ہے اور پرانے شہر عجیب بے ہنگم انداز سے بڑھ رہے ہیں۔

شہروں کی آبادی لاکھوں سے نکل کر کروڑوں تک جا رہی ہیں اور کوئی بھی حکومت انہیں سیریس انداز میں نہیں لے رہی ہے۔ شہروں کی بڑھتی ہوئی آبادی سکیورٹی کے مسائل بھی پیدا کرتی ہے اس کے علاوہ انتظامی مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جرمنی کا دارالحکومت برلن ہے یہ ایک تاریخی شہر ہے اور اسکی تاریخ بارہویں صدی سے بھی پہلے کی ہے یہ یورپ کے چند مشہور ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ شہر کی آبادی صرف 35 لاکھ ہے اور شہر کا آدھا حصہ جنگلات پر مشتمل ہے۔ جرمنی کا 70 فیصد حصہ جنگلات پر مشتمل ہے۔ جرمن حکومت برلن شہر کے اندر کوئی نئی کالونی بنانے کی اجازت نہیں دیتی گورنمنٹ برلن شہر سے باہر مزید شہر آباد کر رہی ہے تاکہ برلن پر زیادہ بوجھ نہ بڑھے۔ ہمارا ہمسایہ انڈیا بھی دلی کے باہر چار مزید نئے شہر بنا چکا ہے لیکن ہم کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں۔ کراچی اور لاہور کی آبادی دو دو کروڑ سے بھی اوپر ہو چکی ہے۔

سڑکیں اور پل بنانا آسان ہوتا ہے اس سے پیسہ بنتا ہے۔ شہروں کی آبادی کنٹرول کرنا اور نئے شہر آباد کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ رات کو ایجنٹ ایک بڑی پک اپ لے کر آ گیا اور اس نے حمید اور دوسرے لڑکوں کو اس میں بٹھایا اور کراچی شہر سے باہر لے جانے لگا۔ وہ سارے کراچی سے باہر نکلے اب ان کی اگلی منزل کراچی سے تربت تھی وہ سارے تربت جا رہے تھے۔ پک اپ نے دریائے حب کو کراس کیا اور بلوچستان میں داخل ہو گئی یہاں سے حب بلوچستان کا پہلا شہر تھا۔ اس کے بعد گڈانی آتا ہے یہ ایک بندرگاہ ہے گڈانی میں سکریپ کا کام ہوتا ہے۔ پوری دنیا سے پرانے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جہازوں یہیں پر ٹوٹنے کے لیے آتے ہیں گڈانی سے وہ لوگ اوتھل اور پھر بیلا پہنچے اور پھر وہاں سے خضدار اور کوئٹہ کی بجائے تربت کی طرف مڑ گئے۔ پک اپ رات کے اندھیرے میں بلوچستان کے صحراؤں سے گزر رہی تھی۔ چاند کی ہلکی ہلکی روشنی سے باہر کافی دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ ڈرائیور نے سگریٹ لگایا ہوا تھا اور وہ ایک بلوچی گانے کو گنگنا رہا تھا۔ اچانک ڈرائیور کو آگے سڑک پر ایک گاڑی کھڑی نظر آئی اس کی لائٹیں جل رہی تھیں۔ اس نے پک اپ کی سپیڈ تھوڑی کم کی اور گاڑی کو کراس کرنے لگا جیسے ہی اُسنے گاڑی کو کراس کیا ایک فائر کی آواز آئی اور اس کے ہاتھ سے گاڑی لہرانے لگی پک اپ کا ٹائر برسٹ ہو گیا تھا۔

ڈرائیور نے بڑی مشکل سے گاڑی کو الٹنے سے بچایا جیسے ہی اس کی گاڑی لہراتے ہوئے رکی پیچھے والی گاڑی ان کے سر پر پہنچ گئی۔ اس سے پہلے کے ڈرائیور سنبھلتا گاڑی سے ایک پورا برسٹ مارا گیا اور ڈرائیور موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ وہ بے چارہ مارا جا چکا تھا۔ فائرنگ کی آواز سنتے ہی سڑک کے کنارے پر کھڑی دو گاڑیاں بھی تیزی سے حرکت میں آئیں اور وہ بھی اُدھر پہنچ گئیں۔ اب صورتحال کچھ اس طرح تھی کہ پک اپ کا ڈرائیور مر چکا تھا اور اسے بلوچیوں کی تین گاڑیاں گھیر کر کھڑی تھیں۔ پک اپ میں بیٹھے ہوئے لڑکوں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن آنے والے بلوچی ان سے زیادہ تیز ہے۔ انہوں نے ایک بھی لڑکے کو بھاگنے نہیں دیا انہوں نے لڑکوں کے دو حصے کیے اور پانچ پانچ لڑکوں کو ایک ایک گاڑی میں باندھ کر ڈالا اور نا معلوم منزل کی طرف بڑھ گئے۔ حمید کے دونوں ہاتھ پیچھے کمر کی طرف بندھے ہوئے تھے اور وہ گاڑی کے ٹھنڈے فرش پر پڑا ہوا تھا تین بلوچی اسلحے سے لیس ان کے اوپر کھڑے تھے۔ حمید کا دل کسی انجانے خوف سے لرز رہا تھا اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ بھائی جان آپ کون ہو اور ہمیں کدھر لے کر جا رہے ہو حمید کے ساتھ بندھے ہوئے اک لڑکے نے ہمت کرتے ہوئے پوچھا۔ او مارہ تمام بی ایل اے کے قبضے میں ہو ھم بلوچ لبریشن آرمی کے لوگ ہیں اور تمہیں دالبدین لے کر جا رہے ہیں۔

ایک بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی کی سرسراتی ہوئی آواز آئی اور پوری گاڑی میں موت کی سی

مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خاموشی چھا گئی۔ساری گاڑیاں دالبدین کی طرف جا رہی تھی جہاں سے وہ آگے افغانستان میں داخل ہو جاتی۔

لڑکے کا نام شہباز خان تھا اور وہ بھی صرف اٹھارہ سال کا تھا۔اس کے والدین نوے کی دہائی میں افغانستان سے پاکستان آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔وہ پشاور شہر سے 18 کلومیٹر دور حیات آباد میں اپنے 11 بہن بھائیوں کے ساتھ رہتا تھا۔والد حیات اباد شہر کی ہی ایک چھوٹی سی مسجد کا امام تھا۔مسجد کی ایک کمیٹی بنی ہوئی تھی وہ محلے سے چندہ اکٹھی کرتی اور اسی چندے سے شاہد خان کے والد امام مسجد کو تنخواہ دی جاتی تھی۔یہ تین ہزار کے قریب تھی اور اس میں 13 لوگوں کا گزارا بہت مشکل سے ہوتا تھا۔حیات آباد صوبہ کے پی کے کا آخری شہر ہے حیات آباد سے صرف چار کلومیٹر کے بعد قبائلی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔یہاں سے خیبر ایجنسی کا علاقہ لگتا ہے۔پاکستان اور افغانستان کی سب سے زیادہ تجارت ادھر سے ہی ہوتی ہے۔نیٹو سپلائی کی وجہ سے طورخم بارڈر کو پورا پاکستان ہی جانتا ہے جسے وقتاً فوقتاً بند کر دیا جاتا ہے۔یہ حیات آباد سے صرف چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔افغانستان سے تجارتی سامان اسی تورخم بارڈر سے پاکستان اور انڈیا جاتا ہے جسے ہر تیسرے دن بند کر دیا جاتا ہے۔پاکستانی حکومتوں کو اس چیز کو سیریس لینا چاہیے۔حالات چاہے کیسے بھی ہوں کبھی بھی تجارتی راستے کو بند نہیں کرنا چاہیے۔

تجارت پر پابندی لگانے سے صرف غربت میں اضافہ ہوتا ہے۔افغانستان سے آگے دس سے اوپر ممالک ہیں جو روس سے آزاد ہوئے ہیں۔جبکہ انڈیا کی طرف سے نیپال بنگلہ دیش اور برما کا راستہ ہے۔اگر راستے کھلے ہوں گے تو دنیا کی آدھی سے زائد آبادی کے درمیان ہم لوگ تجارت کا ذریعہ بنیں گے۔تورخم بارڈر کھلے گا تو ہماری تجارت دنیا کی آدھی سے زائد آبادی تک پھیل جائے گی۔ہمیں ہمارا سامان بیچنے کے لیے بھی نئی منڈیوں کی ضرورت ہے۔اگر تورخم بارڈر نہ کھلا تو انڈیا چابہار کی طرف سے افغانستان اور آگے روس تک چلا جائے گا جب کہ ہم صرف چائنا کے سامان کو راستہ دے رہے ہوں گے۔دشمنی اپنی جگہ لیکن تجارت کے لئے راستہ کبھی بند نہیں کرنا چاہیے۔اس سے غریب آدمی کا روزگار

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لگا ہوتا ہے۔ہمیں ہر حال میں پاکستان کا مفاد دیکھنا ہوگا اور پاکستان کا مفاد اسی میں ہے کہ ہمارے کارخانوں اور فیکٹریوں کو ساری دنیا کی منڈیوں میں آزادانہ رسائی حاصل ہو۔

شہباز خان کی عمر ابھی صرف 18 سال ہی تھی۔ پاکستان کے حالات دن بدن نیچے کی طرف جا رہے تھے دہشت گردی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ پاکستان کے اندر زیادہ تر دہشت گردی کے واقعات میں افغان مہاجرین ملوث ہو رہے تھے یہ لوگ دہشت گردوں کے سہولت کار بن رہے تھے۔افغانستان کے اندر بھی پاکستان مخالف ماحول بن رہا تھا۔افغان حکومت ہر قسم کے سفارتی پروٹوکول کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلسل پاکستان کے خلاف زہر اگل رہی تھی۔ پاکستان میں موجود افغان کمیٹی بھی زہر افشانی کی نذر ہوگئی اور ملک کے اندر دہشت گردی کے واقعات بڑھنے لگے۔سکیورٹی فورسز نے دہشت گردی کے خلاف آپریشن شروع کیا تو ان سے افغان مہاجرین بھی متاثر ہونے لگے۔

بدلے میں افغان مہاجرین پاکستان سے نفرت کرنے لگے۔ وہ لوگ ملک دشمن پروپیگنڈا کا شکار ہو چکے تھے۔شہباز خان بھی ان نوجوان افغان مہاجرین میں شامل تھا جو پاکستان سے نفرت کرنے لگے تھے۔شہباز خان پاکستان مخالف گروپوں میں جانے لگا یہ کھلے عام پاکستان اور پاکستان آرمی کے خلاف بولنے لگا۔ بہت جلد ہی یہ تحریکِ طالبان پاکستان کے ہتھے چڑھ گیا۔ جو اسے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنے لگے۔شہباز خان چونکہ ایک مولوی کا بیٹا تھا اس لئے اسے تقریر یا وعظ کرنے کی صلاحیت والد کی طرف سے ملی تھی۔ یہ دوسرے نوجوان لڑکوں کو بھی آرمی کے خلاف لڑنے پر اکسانے لگا۔ یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چلا اور بہت جلد شہباز خان آئی ایس آئی اور دوسری پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کی نظر میں آ گیا۔شہباز خان چونکہ صرف ایک چھوٹا سا نوجوان مہرہ تھا اس لئے آئی ایس آئی نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی بجائے اسے مسلسل نظر میں رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ایجنسی کے لوگ اس سے ملنے والے دوسرے بڑے لوگوں کے چکر میں تھے۔ وہ شہباز خان کے ذریعے ہی تحریک طالبان پاکستان کے بڑوں کو پکڑنے کے لئے جال بنا رہے تھے۔ اور اسی لیے غیر محسوس انداز میں شہباز خان کی نگرانی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو رہی تھی۔شہباز خان نے خودکش بمبار بننے کی خواہش کی تو تحریک طالبان اس سے خودکش دھماکہ کروانے کی پلاننگ کرنے لگی۔شہباز خان نوجوان خودکش بمبار بن گیا تھا لیکن شاید اس کی قسمت میں پاکستان میں دھماکہ کرنا نہیں تھا۔شہباز خان کو بلوچستان کی دہشت گرد تنظیم بلوچ لبریشن آرمی نے خرید لیا اور وہ پشاور سے کراچی کی طرف روانہ ہو گیا۔پاکستان کے اندر دہشت گردی کی جتنی بھی کارروائیاں ہوتی ہے ان کے لئے لڑکے تو پاکستان اور افغانستان سے مل جاتے ہیں اور یہ نوّے فیصد افغانی ہی ہوتے ہیں۔سارا بارودی مواد اور خودکش جیکٹیں افغانستان سے ہی اسمگل ہو کر آتی ہیں لیکن یہ سب مفت میں تو نہیں آتی۔ان کے لئے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے لاہور کے اندر اگر ایک خودکش دھماکہ ہوتا ہے تو اس کے لیے کروڑوں روپے لگتے ہیں۔

مرنے والا تو اپنی دانست میں جہاد کر رہا ہوتا ہے لیکن اس سے اوپر بیٹھے ہوئے دہشت گرد ایک ایک دھماکے کے کروڑوں روپے وصول کرتے ہیں۔طالبان نے بھی بلوچ لبریشن آرمی سے کروڑوں روپے لیے تھے اور شہباز خان کو ان کے حوالے کر دیا تھا۔پاکستانی خفیہ ایجنسی مسلسل شہباز خان کے پیچھے لگی ہوئی تھی لیکن وہ ان کو غچہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔حیات اباد سے پہلے وہ پشاور آیا اور پشاور سے اسلام آباد کی طرف جانے کی بجائے وہ کوہاٹ اور ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف سے ہوتا ہوا ملتان پہنچا تو وہاں سے اس نے کراچی کے لیئے ٹرین پکڑ لی۔خفیہ ایجنسی والے اسے مکمل طور پر کھو چکے تھے۔وہ آرام سے کراچی پہنچ گیا تھا جبکہ خفیہ ایجنسیاں اسے اسلام آباد اور لاہور میں تلاش کر رہی تھی۔وہ لاہور اور اسلام آباد کی سکیوٹی ٹائیٹ کرنے لگی تھیں۔شہباز خان کے غائب ہونے کا یہی مطلب تھا کہ وہ اب کوئی بڑا حملہ کرنے والا ہے اور اسی لیے خفیہ ایجنسیاں لاہور اور اسلام آباد میں متحرک ہو گئی تھی۔بظاہر باہر سے دونوں شہر پُرسکون اور زندگی کی چمک دمک سے بھرپور لگ رہے تھے لیکن اندر ہی اندر دونوں شہروں کی ایک ایک گلی کو کھنگالا جا رہا تھا۔سکیورٹی انتہائی ہائی الرٹ تھی اور آئی ایس آئی کے جاسوس چاروں طرف پھیل کر شہباز خان کی بو سونگھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

شہباز خان ان سب سے دور بہت دور کراچی سے آگے سفر کر رہا تھا۔وہ حمید کے ساتھ ان دس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لڑکوں میں شامل تھا جو ایران کے بارڈر کی طرف جا رہے تھے۔ان لڑکوں کی پک اپ تربت کی طرف جا رہی تھی جب بی ایل اے کے دہشت گردوں نے اُن کی پک اپ کا ٹائر برسٹ کیا اور ڈرائیور کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔وہ سبھی لڑکوں کو باندھ کر دالبدین کی طرف لے جا رہے تھے تاکہ وہاں سے افغان بارڈر کراس کر کے افغانستان چلے جائیں۔وہ لڑکوں کو اغوا کر کے افغانستان لے جا رہے تھے۔افغانستان سے وہ ان لڑکوں کی ویڈیو وغیرہ بناتے اور پھر اُن کے والدین سے تاوان کی رقم وصول کرتے۔شہباز خان بھی لڑکوں کے ساتھ ہی بندھا ہوا تھا اور اسی نے بندوق بردار ایک آدمی سے پوچھا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں اور اسے کہاں لے کر جا رہے ہیں۔اس آدمی نے اسے بتایا تھا کہ وہ بلوچ لبریشن آرمی کے آدمی ہیں اور لڑکوں کو دالبدین لے کر جا رہے ہیں۔شہباز خان انہیں اپنے بارے میں بتانا چاہتا تھا لیکن اس آدمی نے ایک زوردار ٹھڈا اس کے منہ پر مارا اور کراہتا ہوا چپ کر گیا۔

شہباز خان کو زیادہ پتہ بھی نہیں تھا وہ انہیں مجرم ہی سمجھ رہا تھا۔جب کہ وہ تو جہاد کرنے کے لیے ادھر آیا تھا۔گاڑیاں انہیں لے کر دالبدین پہنچ گئیں۔یہاں دالبدین سے باہر مضافات میں ایک بہت بڑا احاطہ تھا۔احاطے کی دس دس فٹ اونچی دیواریں تھیں۔انہوں نے لڑکوں کو عمارت میں منتقل کیا اور ایک کمرے میں لیجا کر مارنا شروع کر دیا۔ان کے پاس لاسٹک کی موٹی موٹی تاریں تھیں۔پلاسٹک کی تار جدھر بھی پڑتی تھی وہاں سے گوشت اُدھیڑ کر رکھ دیتی تھی۔ایک آدمی ان سب کی ویڈیو بنا رہا تھا جبکہ باقی لوگ منہ پر سیاہ نقاب اوڑھے لڑکوں کو مار رہے تھے۔تقریباً دس منٹ تک کہ یہ خوفناک منظر چلتا رہا اور پھر ان سب کی وڈیو بنالی گئی۔

اب یہی ویڈیو وہ لڑکوں کے گھروں کو بھیج کر تاوان کی رقم وصول کرنا چاہتے تھے۔دہشت گرد لڑکوں کو ادھر کمرے میں ہی چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ان لوگوں نے اپنے لیڈر نے فون کر کے پیچھے اطلاع دی تھی کہ انھوں نے لڑکوں کو باحفاظت دالبدین پہنچا دیا ہے اور ویڈیو بھی بنا لی ہے۔دوسری طرف والے آدمی نے شہباز خان کا پوچھا تو ان میں سے کسی کو بھی شہباز خان کا نہیں پتا تھا۔انہیں کسی نے بھی شہباز خان کا نہیں بتایا تھا۔دوسری طرف والے آدمی کو جب پتہ چلا کہ انہوں نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سارے لڑکوں کے ساتھ سے شہباز خان کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا ہے تو وہ آدمی فون پر ہی انہیں گالیاں دینے لگا۔ انہوں نے کروڑوں روپیہ لگا کر شہباز خان کو تحریک طالبان پاکستان سے لیا تھا اور ان لوگوں نے اسے بھی تشدد کا نشانہ بنا دیا تھا۔ دوسری طرف والے آدمی نے فوراً شہباز خان کو رہا کرنے اور اس سے معافی مانگنے کا کہا اور اسے بہترین ماحول فراہم کرنے کا کہا۔ شہباز خان ان کا ہی حصہ تھا اس آدمی نے فوراً فون بند کیا اور کمرے میں جا کر شہباز خان کو لے کر آ گیا۔

انہوں نے شہباز خان کی فون پر بات بھی کروا دی۔ تھوڑی دیر پہلے جو شہباز خان ان لوگوں کی مار کھا رہا تھا وہی اب ان کا سب سے معزز مہمان بن گیا تھا۔ شہباز خان انہیں کروڑوں روپیہ دلوانے والا تھا۔ ان لوگوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا وہ صرف پیسے سے ہی محبت کرتے تھے۔ وہ رات انہوں نے دالبدین میں ہی گزاری اس سے اگلا دن بھی وہاں ہی رہے اور رات کے پچھلے پہر کچھ لوگ آئے اور ان سب کو احاطے سے باہر لے گئے۔ باہر ایک بہت بڑا ٹرک کھڑا تھا۔ دہشت گردوں نے لڑکوں کو ٹرک میں بٹھایا اور افغانستان کی طرف لے گئے۔ یہاں سے افغانستان کا بارڈر کراس کرنا آسان تھا۔ وہ لوگ راتوں رات ہی لڑکوں کو بارڈر کراس کروا کر افغانستانی شہر قندھار لے گئے۔

شاہد خان کو بھی اسی رات وہاں سے نکالا گیا اور اسے تفتان لے جایا گیا۔ تفتان سے راتوں رات اسے ایرانی بارڈر کراس کروایا گیا اور ایران کے چھوٹے چھوٹے راستوں سے لے جاتے ہوئے اسے بم شہر پہنچایا گیا اور پھر وہاں سے ایک آدمی اسے اپنے ساتھ تہران لے گیا۔ پاکستانی خفیہ ایجنسیاں اسے لاہور اور اسلام آباد میں ڈھونڈ رہی تھیں لیکن وہ ان سب سے دور ایران کے دارالحکومت تہران میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسکے عزائم کہ ابھی تک کسی کو بھی پتہ نہیں تھا۔ بی ایل اے والوں نے اسے طالبان سے خریدا تھا اور آگے ایران سمگل کر دیا تھا۔ وہ آگے ایک اور یورپی پارٹی کو بیچ دیا گیا تھا۔ شہباز خان ایک سلگتا ہوا بم تھا جو کسی بھی وقت کہیں بھی پھٹ سکتا تھا۔ حمید اور اس کے ساتھ باقی آٹھ لڑکوں کو قندھار لے جایا گیا۔

یہاں افغان گورنمنٹ تھے اور پورا شہر ہی تقریباً طالبان کے قبضے میں تھا۔ طالبان بی ایل آئی کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سپورٹ کرتے تھے یہاں پر بہت سی بین الاقوامی خفیہ ایجنسیاں کام کر رہی تھی جو بلوچستان میں تخریب کاری کو ہوا دے رہی تھی۔ یہاں ان لڑکوں کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ بی ایل اے کے لوگوں نے ان لڑکوں کو مار مار کر اُن کے گھروں کا پتہ کروایا اور ان کے گھر فون کر کے پیسے منگوانے لگے۔ سارے لڑکے پنجاب کے دیہی علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔ لڑکوں کے والدین پولیس کے پاس بھی گئے لیکن وہ بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ لڑکے افغانستان میں تھے اور تاوان کے بغیر ان کو کسی بھی حالت میں نہیں چھڑایا جا سکتا تھا۔ وہ لوگ فی کس لڑکے کا دس لاکھ روپے مانگ رہے تھے۔

ایک ایک کر کے سبھی لڑکوں کے والدین نے پیسوں کا بندوبست کیا اور ویسٹرن یونین کے ذریعے پیسے جرمنی بھیج دیئے۔ ویسٹرن یونین کے ذریعے پیسے پورے جرمنی میں سے کہیں سے بھی لے سکتے ہیں۔ صرف کاغذات دیکھانے پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کے پاس بہت سی جعلی کاغذات ہوتے ہیں۔ چونکہ معاملہ پاکستانی پولیس کا ہوتا ہے اور اُس سے جرمنی کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا ہوتا ہے اس لیے جرمن پولیس کوئی بھی کارروائی نہیں کرتی اور یہ لوگ صاف بچ جاتے ہیں۔ قندھار میں پھنسے ہوئے سبھی لڑکوں کے والدین نے پیسے ادا کر دیئے تھے اور اب وہ لڑکوں کی رہائی کا انتظار کرنے لگے۔ حمید کے والد کے پاس مکان بیچنے سے کافی پیسے موجود تھے یہ وہی پیسے تھے جو اس نے حمید کو جرمنی بیچنے کے لیے رکھے ہوئے تھے اس نے یہ سارے پیسے حمید کی رہائی کے لیے دے دیے۔ حمید تو ابھی جرمنی نہیں پہنچا تھا لیکن اس کے پیسے اس سے پہلے ہی جرمنی پہنچ چکے تھے۔

سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا لیکن طالبان لڑکوں کو رہا کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ ان کا مقصد صرف دہشت پھیلانا تھا۔ ایک ساتھ اکٹھے نو لڑکے دیکھ کر ان کے منہ میں بھی پانی آ گیا اور وہ لڑکوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ لڑکوں کو ایک احاطے سے دوسرے احاطے میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ احاطہ بھی قندھار شہر کے مضافات میں ہی تھا۔ جب کہ یہ پہلے والے احاطے سے زیادہ بڑا تھا۔ رات کو لڑکوں کو اسی احاطے میں رکھا گیا اور صبح دس بجے کے قریب باہر نکال لیا گیا۔ انہوں نے لڑکوں کو زنجیروں کی مدد سے اچھی طرح باندھا ہوا تھا۔ طالبان نے پہلے ایک لڑکے کو پکڑا اور اسے آگے لے کر آئے۔ ویڈیو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بن رہی تھے سبھی طالبان نے کالے کپڑوں کی مدد سے منہ کو اچھی طرح چھپایا ہوا تھا۔ پہلے ایک مولوی نما آدمی نے ایک چھوٹی سی تقریر کی پھر آگے والے لڑکے کو زمین پر لٹایا اور اس کے گلے پر چھری پھیر دی۔ لڑکے کا گلا کٹا اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ پیچھے والے سبھی لڑکے خوف کی شدت سے چلانے لگے۔

وہ اپنے آپ کو زنجیروں سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن بے بس تھے زنجیروں نے اُن کو پوری طرح جکڑا ہوا تھا۔ ان کے مقدر میں وطن سے دور پردیس کے اس اجنبی شہر میں مرنا لکھا تھا۔ حمید کی باری بھی آ گئی دو لوگوں نے اسے اٹھایا اور آگے لے کر آ گئے۔ انہوں نے حمید کو زمین پر گرایا اور چھری اس کے گلے پر پھیرنے لگے۔ بچپن میں ایک دفعہ سبزی کاٹتے ہوئے اس کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ وہ کئی دنوں تک کٹ کی وجہ سے درد سے تڑپتا رہا تھا۔ حمید کو وہی درد یاد آ گیا۔ چھری نے اس کی گردن کی پہلی رگ کاٹی تو وہ درد کی اذیت سے تڑپا۔ طالبان نے اسے بہت مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اس لیے وہ اُن کی گرفت سے باہر نہ آ سکا۔ چھری نے اس کی دوسری رگ بھی کاٹی لیکن اس بار اسے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ اگلے لمحے میں ہی چھری نے اس کا گلا کاٹ دیا تھا۔

اس کا سر دھڑ سے الگ ہو گیا تھا۔ وہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ کھلی آنکھوں سے سب کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس کا جسم زیرو ہو گیا تھا۔ بلکل زیرو۔ آئن سٹائن نے اپنے نظریہ اضافیت میں زمان و مکان کی جو تشریح بیان کی تھی وہ بالکل ایسی ہی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ ماں باپ بہن بھائی سب کو یاد تو ضرور کر رہا تھا لیکن اسے کوئی دکھ نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے اپنی جان دے دی تھی وہ مر چکا تھا۔ نہیں شاید وہ مرا نہیں تھا وہ شہید ہو گیا تھا۔ خدا نے اس معصوم کی شہادت کو قبول کر لیا تھا۔ شاید اسی لیے اسے کوئی درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ طالبان نے ایک ایک کر کے سبھی کے گلے کاٹ دیئے اور انکے سروں کو دھڑوں سے علیحدہ کر دیا۔ وہی مولوی نما آدمی ایک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بار پھر کیمرے کے سامنے آیا اور پھر تقریر کرنے لگا۔ یہ 5 منٹ کی تقریر تھی اور اس کے بعد ویڈیو مکمل ہوگئی۔

لڑکی کا نام تو کملیش لتا تھا لیکن اسکے سارے دوست اور جاننے والے اسے کملیش لتا کی بجائے کنو کے نام سے بلاتے تھے۔ نام تو اس کا بہت پرانا سا تھا اسے سن کر ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بوڑھی دیہاتی عورت ہو۔ ایسا بالکل نہیں تھا وہ ابھی صرف بائیس سال کی تھی اور بہت خوبصورت تھی۔ کنو انڈین پنجاب کے شہر امرتسر کے رہنے والی تھی اور اس نے تازہ تازہ کمپیوٹر سائینس میں ماسٹر کیا ہوا تھا۔ اس کے آباواجداد ہماچل پردیش سے امرتسر آئے تھے۔ نیپال کے بارڈر کے ساتھ لگنے والی اس ریاست کے سو فیصد لوگ ہی سفید اور گوری رنگت کے ہوتے ہیں۔ بلکل پاکستانی پٹھانوں کی طرح سرخ وسفید رنگت اور گول چہرے کنو بھی ایسی ہی تھی۔ اس کے دو چھوٹے بھائی تھے ایک دس سال کا اور دوسرا چودہ سال کا والد ایک سرکاری محکمے میں کلرک تھے۔ کنو کی یونیورسٹی کے زمانے میں ہی ایک لڑکے سے دوستی ہوگئی تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے بڑھتے محبت میں تبدیل ہوگئی۔

لڑکے کا نام لکھویندر سنگھ تھا اور وہ امرتسر سے کوئی تیس کلومیٹر دور ہے چھوٹے سے گاؤں ککڑ کلاں سے تھا۔ والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور کافی زمین تھی۔ یہ گاؤں پاکستانی بارڈر کے بالکل نزدیک دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے۔ امرتسر کی یونیورسٹی میں ہی ان کے درمیان دوستی اور پھر محبت ہوگئی یہ نئے زمانے کی محبت تھی جس میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ انڈین معاشرہ کافی ترقی کر گیا ہے یہاں مخلوط تعلیم ہے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان جسمانی تعلق بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اب یہاں اس چیز کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا وہ دونوں بھی محبت کی حدوں کو کراس کرتے کرتے جسمانی تعلق تک جا پہنچے تھے۔ بات یہاں تک ہی رہتی تو ٹھیک تھا لیکن وہ دونوں اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔ موبائل فون کا زمانہ تھا اور آٹھ سال کے بچے سے لے کر اسی سال کے بابے تک سب کے پاس انتہائی جدید ترین موبائل فون تھے۔ سیلفی تصویریں اور ویڈیو عام تھے وہ دونوں بھی غلطی کر گئے۔ انہوں نے مذاق مذاق میں اپنے جسمانی تعلق کی ویڈیو بنالی یہ ویڈیو بنانے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد جب کنو واپس گھر جانے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

لگے تب ڈلیٹ کر دی گئی۔لیکن تب تک دیر ہو گئی تھی انہیں معلوم نہیں تھا موبائل میں موجود سبھی ایپلیکشن کیمرے سے کھینچی گئی تصویر اور ویڈیو دیکھتی ہیں۔انٹرنیٹ سے جُڑا ہوا موبائل کبھی بھی محفوظ نہیں ہوتا اس میں موجود تصویریں میسج سرچ ہسٹری اور کنٹیکٹ نمبران سب کی معلومات موبائل میں چلنے والی ایپلی کیشن کو ہوتی ہے۔انہوں نے ویڈیو بنانے کے ایک گھنٹے بعد اسے ڈلیٹ کر دیا تھا لیکن تب تک وہ ویڈیو دلی میں بیٹھے ہوئے ایک ہی ہیکر کے پاس پہنچ چکی تھی۔

او یار کیا مست مال ہاتھ لگا ہے قسم سے مزہ آ گیا ویڈیو دیکھنے کا۔دہلی کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں وہ دونوں دوست اس وقت کمپیوٹر آن کئے کنو اور لکھویندر کی ویڈیو دیکھ رہے تھے۔راجیش نے کہا اس کا تعلق ہندوؤں کی ایک نچلی ذات سے تھا۔وہ اتر پردیش کے ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا تھا والدین بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ایک چچا تھا لیکن اس کے پہلے ہی دس بچے تھے راجیش کی ذمہ داری بھی اُس کے سر پر آ گئی تھی۔ چاچا کے گھر میں پہلے ہی کھانے کے لئے کچھ نہ تھا اوپر سے یہ بھی آ گیا۔چاچی کھانا کم دیتی تھی لیکن تھپڑ زیادہ مارتی تھی۔اس نے جیسے تیسے کر کے کچھ سال چچا کے گھر میں گزارے اور بارہ سال کی عمر میں ہی گھر سے بھاگ گیا۔

وہ یو پی کے مختلف شہروں کے ہوٹلوں کے برتن صاف کرتا کرتا آخر کار دہلی پہنچ گیا اور مستقل یہیں کا ہو کر رہ گیا۔وہ پیدائشی جینئس تھا کمپیوٹر سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا وہ اپنی ساری کمائی نیٹ کیفے میں بیٹھ کر اڑا دیتا تھا۔تعلیم تو اس کی صرف مڈل تک تھی اور وہ بھی سرکاری سکول کی لیکن انٹرنیٹ کی دنیا میں رہتے رہتے اس کی انگلش کسی ایم اے پاس طالب علم کی طرح تھی۔جیسے جیسے زمانہ ترقی کرتا گیا کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سستا ہوتا گیا اور آخر کار غریب سے غریب شخص کی پہنچ تک بھی آ گیا۔راجیش نے ایک سیکنڈ ہینڈ کمپیوٹر خریدا اور گھر لے آیا انٹرنیٹ وہ اپنے ہمسائیوں کا چوری کر لیتا تھا۔وہ کمپیوٹر جینئس تھا لیکن اس نے اپنی ساری قابلیت غلط کاموں میں لگا دی تھی وہ کمپیوٹر ہیکر بن گیا تھا۔وہ سمارٹ فون میں استعمال ہونے والی مختلف انگلش ایپلی کیشنوں کا دیسی انڈین ورژن تیار کرتا اور اسے پلے سٹور پر اپلوڈ کر دیتا۔انڈیا کی آبادی ڈیڑھ ارب ہے اور یہاں اسے بہت سے ایسے لوگ مل جاتے تھے جو اس کی ایپلی

کیشن کو ڈاؤن لوڈ کرتے اور وہ اُنکے موبائیل فون سے ضروری معلومات اکٹھی کر کے آگے بیچ دیتا۔ وہ لوگوں کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ ہیک کر کے تاوان میں پیسے لیتا اور اکاؤنٹ واپس کر دیتا تھا۔ وہ گھر بیٹھا ہی آرام سے تیس پینتیس ہزار روپیہ کما لیتا تھا یہ پاکستانی پچاس ہزار کے قریب بنتا ہے اور اچھی خاصی رقم ہے۔ راجیش کی بنائی ہوئی ایک ایپلیکیشن لکھویندر کے موبائل میں استعمال ہو رہی تھی۔ اس ایپلیکیشن میں ایک وائرس تھا جیسے ہی انسانی جسم کا 80 فیصد سے اوپر حصہ ننگا ہو کر تصویر یا ویڈیو بنتی وہ فوراً راجیش کے پاس پہنچ جاتی۔ کنو اور علی لکھویندر نے جیسے ہی ویڈیو بنائی وہ اسی وقت راجیش کے پاس وائرس کی وجہ سے پہنچ گئی اور اُس نے اسی وقت اسے ڈاؤن لوڈ کر دیا۔

لکھویندر نے تو وہ ویڈیو اسی وقت ڈیلیٹ کر دی تھی لیکن وہ صرف اس کے موبائل سے ہی ڈیلیٹ ہوئی تھی امرتسر سے ساڑھے چار سو کلومیٹر دور دہلی کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں یہ ویڈیو اس وقت دیکھی جا رہی تھی۔ کیوں ستیا مزا آیا ویڈیو دیکھنے کا راجیش نے اپنے دوست کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس کے دوست کا نام ستیا تھا اور وہ بھی یو پی کا رہنے والا تھا۔ واقعی یار میں نے اپنی پوری زندگی میں اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی قسم سے ایشوریہ رائے بھی اس کے آگے کچھ نہیں ہے اور اوپر سے اتنا پیارا جسم اس کی ہر چیز ہی پرفیکٹ ہے ستیا نے اوباش لہجے میں کہا۔ وہ دونوں یہ ویڈیو کوئی 5 بار دیکھ چکے تھے اور ابھی بھی ان کا دل نہیں بھرا تھا۔ وہ بار بار بیک کر کے اسے دیکھ رہے تھے۔ یار دیکھو تو لڑکا بھی تو خوبصورت ہے دونوں ہی بلکل نوجوان ہیں اور خوبصورت بھی ہیں۔ اس کا کم از کم ایک لاکھ روپیہ تو مل ہی جائے گا راجیش نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ ایک لاکھ روپیہ نہیں بھائی اس سے زیادہ پیسے ملیں گے یہ بہت زبردست ویڈیو ہے۔ پورے انڈیا میں اس سے زیادہ اچھی اور کوئی بھی ویڈیو نہیں ہوگی ویب سائٹ والے اس سے کروڑوں کمائیں گے ہمارے پاس لاکھوں تو آئیں گے۔ ستیا کی آنکھیں ابھی تک ویڈیو پر جمی ہوئی تھیں۔ انڈیا بہت بڑا ملک تھا اور اس ملک میں ایسی ویڈیو دیکھنے والے بھی کروڑوں میں تھے ایسی ویڈیوز پوری دنیا میں سب سے زیادہ انڈیا میں ہی دیکھی جاتی تھیں۔ بات تو تمہاری ٹھیک ہے اس ویڈیو کے لیے ایک لاکھ روپیہ کافی کم ہے میں اس کے چار پانچ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سنیپ چیٹ تصویریں بنالیتا ہوں تا کہ مختلف ویب سائٹوں کو بھیج کر قیمت معلوم کرسکوں۔ وہ کمپیوٹر سے اس ویڈیو کی تصویریں بنانے لگا۔ سنیپ چیٹ سے جو بھی تصویر بھیجی جاتی ہیں وہ صرف کچھ لمحوں کے لیے ہوتی ہے تصویر رسیو کرنے والا اسے صرف ایک یا دو سیکنڈ ہی دیکھتا ہے اس کے بعد وہ پھر ڈلیٹ ہو جاتی ہے راجیش نے اس ویڈیو کی دس بہترین تصویریں بنائیں اور انہیں مختلف ویب سائٹوں کو بھیجنے لگا۔ یار آج پیزا تو کھلائے گا ناں اتنی اچھی ویڈیو ملنے کی خوشی میں کم از کم پیزا تو کھلا دے ستیا نے اسے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

بالکل بالکل آج پیزا بھی چلے گا اور ساتھ میں کوکا کولا بھی راجیش ویب سائٹ والے کام سے فارغ ہوا تو اس نے ایک پیزا شاپ کو فون کر کے پیزے کا آرڈر دے دیا۔ وہ دونوں ایک بار پھر بیٹھ کر ویڈیو دیکھنے لگے۔

دہلی میں ان سے کوئی دو کلومیٹر دور لاجپت نگر میں اینٹی سائبر کرائم کا مرکزی دفتر تھا۔ یہاں کا انچارج ایس پی رینک کا افسر دیپک کمار تھا وہ اپنے دفتر میں بیٹھا معمول کے کام کر رہا تھا جب اچانک اس کے کمپیوٹر نے سگنل دینا شروع کر دیا۔ اس نے چونک کر کمپیوٹر کی سکرین کی طرف دیکھا اور مختلف فائلوں کو اوپن کر کے دیکھنے لگا ایک منٹ کے اندر اندر ہی اس نے راجیش کے بھیجے ہوئے سارے میسج چیک کر لیے۔ دہلی میں فحش مواد کی روک تھام کے لیے سائبر کرائم کا ایک سیل بنایا گیا تھا ان کے پاس فحش مواد رکھنے والی انٹرنیشنل ویب سائٹ کے لنک تھے۔ راجیش نے جیسے ہی تصویریں ان ویب سائٹوں کو بھیجی وہ فوراً ہی ان کے پاس بھی آ گئی یہ سرکاری ادارہ تھا اور ان کے پاس اتنی ٹکنالوجی تھی کہ وہ سنیپ چیٹ سے بھیجی گئی تصویروں کو بھی کاپی کر سکتے تھے۔ ایس پی دیپک نے ان تصویروں کے پرنٹ نکالے اور ساتھ پڑے ہوئے انٹر کام کا بٹن دبا دیا جی سر آپ نے مجھے بلایا ہے دروازہ کھولا اور انکے اردلی نے اندر آ کر پوچھا۔ ہاں بابا تم ایسا کرو انسپکٹر وجے کو میرے پاس بھیجو ایس پی دیپک کی نظریں ابھی تک کمپیوٹر پرنٹر سے نکلنے والی تصویروں پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ اردلی نے ایس پی کو سلوٹ کیا اور باہر چلا گیا اس کے تھوڑی دیر بعد ہی انسپکٹر وجے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ جے ہند سر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

انسپکٹر وجے نے اسے سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔ جے ہند وجے بیٹھو ایک کیس آیا ہے انہوں نے وجے کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ شکریہ کہتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ یہ دہلی کے ایک فلیٹ سے کچھ تصویریں امریکہ کی کچھ فحش ویب سائٹوں کو بھیجی گئی ہیں ان کے پاس ایک ویڈیو فلم ہے اور وہ یہ فلم بھیجنا چاہتے ہیں تم یہ تصویریں چیک کر لو اور ابھی ریڈ کیلئے چلے جاؤ۔ ایس پی نے تصویروں کے پرنٹ اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا جی سر میں ابھی ٹیم لے کر نکلتا ہوں اس نے تصویروں کے پرنٹ پکڑے اور انھیں سرسری طور پر دیکھنے لگا۔ ٹھیک ہے تم ایک ٹیم لے کر ابھی روانہ ہو جاؤ اور انتہائی احتیاط سے کام کرنا دونوں بچے ابھی بالکل نوجوان ہیں اگر ان کی کوئی ویڈیو یا تصویر ادھر کسی کمپیوٹر میں رہ گئی تو ان بچوں کی زندگی خراب ہو جائے گی ایس پی نے اسے تاکید کرتے ہوئے کہا۔ جی سر میں بہت احتیاط سے کام کروں گا وہاں سے سب کچھ لے کر آؤں گا کچھ بھی پیچھے نہیں چھوڑوں گا انسپکٹر اٹھ کر کھڑا ہوا اُس نے دوبارہ اس پی کو سلیوٹ کیا اور دفتر سے باہر آ گیا۔ وجے نے پولیس کی دو گاڑیاں تیار کروائیں پولیس والے ساتھ لیے اور راجیش کی طرف روانہ ہو گیا۔ سڑکوں پر اس وقت زیادہ رش نہیں تھا ان کی گاڑیاں بیس منٹ میں ہی راجیش کے فلیٹ کے نیچے آ کر رک گئیں۔ انسپکٹر وجے نے پولیس والوں کو ساتھ لیا اور ان کے فلیٹ پر جا کر دستک دینے لگا۔ یار ابھی اس وقت کون آ گیا ہے راجیش نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا وہ دونوں اس وقت پیزا کھانے میں مصروف تھے۔ ساتھ والے فلیٹ والا ہو گا اس سالے کو ہی پیزے کی خوشبو آ گئی ہو گی اور وہ بھی آ گیا مفت میں پیزا کھانے راجیش نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا اور پھر اٹھ کر دروازہ کھولنے لگا۔ باہر کھڑے انسپکٹر نے ایک بار پھر دستک دی آ رہا ہوں سالے آ رہا ہوں ایک منٹ انتظار کر لے راجیش نے ایک موٹی سی گالی دی اور دروازے کے پاس پہنچ کر اسے کھول دیا۔ آپ کون ہیں اس کی آنکھیں انسپکٹر وجے اور اس کے پیچھے کھڑے دوسرے سپاہیوں کو دیکھ کر خوف سے پھٹنے لگی۔ ہم تمہارے باپ ہیں انسپکٹر نے ایک زور دار تھپڑ اُس کے چہرے پر رسید کیا اور اسے گریبان سے پکڑتے ہوئے اندر آ گیا۔ ستیا نے پولیس والوں کو دیکھ کر بھاگنا چاہا لیکن پولیس والوں نے آگے بڑھ کر اسے بھی قابو کر لیا۔ سر آپ ایسے بغیر اجازت کسی کے گھر میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

داخل ہو کر تشدد نہیں کر سکتے اس بار ستیا نے تھوڑا بہادر بننے کی کوشش کی لیکن اس کے الفاظ ابھی نامکمل ہی تھے جب پولیس والوں نے سے بوٹوں پر رکھ لیا۔ایک منٹ کی مختصر سے عرصے میں اسے جسم کے ہر حصے پر چوٹ لگ چکی تھیں اور اس کا دماغ بھی ٹھیک ہو چکا تھا۔ہاں تو بچو اگر تم دونوں کا دماغ صحیح ہو گیا ہو تو بات کر سکتے ہیں پولیس والوں نے ان دونوں کو ہتھکڑی پہنا دی تھی اور ان دونوں کو ایک صوفے پر بیٹھا دیا تھا۔سر ہمارا قصور تو بتا دیں ہم نے آخر کیا کیا ہے راجیش نے کراہتے ہوئے کہا۔انسپیکٹر کا ہاتھ بہت بھاری تھا اور اس نے راجیش کے جبڑے ہلا کر رکھ دیے تھے بالکل بالکل کیوں نہیں بتاؤں گا کہ تم نے کیا جرم کیا ہے سب سے پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ وہ ویڈیو کہاں پر ہے جس کی تصویریں تم نے فحش ویب سائٹوں کو بھیجی ہیں انسپکٹر نے کمرے میں دائیں بائیں نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔اسے کمرے کے ایک کونے میں رکھا ہوا کمپیوٹر نظر آ گیا۔نہیں سر ہمارے پاس کوئی بھی ویڈیو نہیں ہے۔راجیش نے انکار کرتے ہوئے کہا۔اچھا چلو کوئی بات نہیں ہے شاید ہم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی انسپکٹر نے پولیس والوں کو اشارہ کیا تو وہ سارے ایک بار پھر ان دونوں پر پل پڑے۔اس بار یہ عمل کافی دیر تک چلتا رہا۔پولیس بالوں کو مارنے کا تجربہ ہوتا ہے وہ بندے کو زخم نہیں آنے دیتے لیکن ایسے ایسے طریقوں سے مارتے ہیں کہ بندے کے جسم کا ایک ایک حصہ تڑپنے لگتا ہے پولیس والوں کی صرف پانچ منٹ کی مارنے ہی انہیں بالکل تیر کی طرح سیدھا کر دیا اور وہ سب سچ بتانے پر تیار ہو گئے۔سر پلیز آپ ہمیں مزید مت ماریں ہم سب کچھ بتانے پر تیار ہیں ستیا نے روتے ہوئے کہا۔ٹھیک ہے اب بتاؤ ویڈیو کدھر ہے اور اس کی اور کتنی کاپیاں تم نے کروائی ہیں اور کس کس کو بھیجی ہیں انسپکٹر نے پولیس والوں کو اشارے سے باہر جانے کا کہا تو وہ سارے باہر چلے گئے۔راجیش نے اسے کمپیوٹر کا پاسورڈ اور فائل کی لوکیشن اور نام بتایا تو اس نے جا کر کمپیوٹر سے وہ فائل نکال لی اور اسے چلا کر دیکھنے لگا۔پ ویڈیو پندرہ منٹ کا ایک بڑا کلپ تھا اور اس کے پہلے پانچ منٹ نے ہی انسپکٹر کو اس کی اہمیت کا احساس دلا دیا۔لڑکی کی خوبصورتی نے انسپکٹر وجے کو بھی متاثر کر دیا تھا۔یو پی کا پہاڑی حسن ویڈیو میں کھل کر سامنے آ رہا تھا اس نے پانچ منٹ کا ویڈیو دیکھ کر ہی اسے بند کر دیا۔انسپیکٹر کے پاس ایک یو ایس بی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھی اس نے ویڈیو کو اس میں منتقل کیا اور کاپی کرنے کے بعد کمپیوٹر سے اسے ڈلیٹ کر دیا۔سائبر کرائم والوں کے ڈلیٹ کرنے کا طریقہ تھوڑا مختلف ہوتا ہے وہ فائل کو اس طریقے سے ڈلیٹ کرتے ہیں کہ وہ پکی پکی ڈلیٹ ہو جاتی ہے اور اسے دوبارہ حاصل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔یہ فائل کہیں اور بھی رکھی ہوئی ہے یا اس کی کچھ تصویریں وغیرہ انسپکٹر کمپیوٹر سے فارغ ہوا تو ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔نہیں سر ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے راجیش نے آگے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔دیکھ لو ایک بار اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دینا ابھی تو صرف ہیکنگ کا ہی ایک کیس لگے گا زیادہ سے زیادہ تین سال کی سزا ہو گی لیکن اگر ان کی کوئی تصویر یا ویڈیو انٹرنیٹ پر شیئر ہو کر آ گئی تو فحش مواد شیئر کرنا بہت بڑا جرم ہے۔لڑکی اور لڑکے کی زندگی تو خراب ہو گی ہی ہو گی تم دونوں بھی کم از کم پندرہ سال کے لئے اندر چلے جاؤ گے اور اگر ان دونوں میں سے کسی نے خودکشی کر لی تو پندرہ سال کی سزا پھانسی میں بدل جائے گی۔تم دونوں بہت بری طرح پھنس چکے ہو اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم دونوں کے پاس جو کچھ بھی ہے اسے میرے حوالے کر دو اور کچھ بھی اپنے پاس مت رکھو میں تمہاری سزا کم سے کم کروانے کی کوشش کروں گا۔تم دونوں دو سال کے اندر اندر چھوٹ جاؤ گے انسپکٹر نے ان دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا بیٹا زندگی بہت پیاری چیز ہوتی ہے یہ صرف ایک بار ہی ملتی ہے اس لیے اس کی قدر کرو اور کوئی غلطی مت کرو چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو جج بھی معاف کر دیتا ہے لیکن اگر تم نے کوئی بڑی غلطی کر دی اور ان میں سے کسی کی جان چلی گئی تو پھانسی کا پھندہ ہی تمہارا مقدر بنے گا انسپکٹر نے انہیں ڈراتے ہوئے کہا تو اُس نے موبائل اور کمپیوٹر میں موجود خفیہ فائلز کا پتہ بھی بتا دیا۔جہاں اس نے اس فائل کی مزید کاپیاں محفوظ کی ہوئی تھیں۔انسپکٹر نے ان ویڈیو فائلوں کو بھی ایک ایک منٹ کے لئے چلا کر دیکھا اور تصدیق کرنے کے بعد انہیں بھی ڈلیٹ کر دیا۔کمپیوٹر میں پڑی ہوئی تصویروں کو بھی اس نے ڈیلیٹ کر دیا تھا۔پکی بات ہے اب کوئی اور تصویر یا ویڈیو تمہارے پاس تو نہیں ہیں انسپکٹر نے ان سے پوچھا تو دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ٹھیک ہے میں اب کچھ کرتا ہوں اس نے موبائل نکالا اور اس پر ایک آدمی کے نمبر ملا کے کال ملائی اور اسے پوری تفصیل بتانے لگا۔سر آپ ایک بار آ کر ویڈیو دیکھ لیں مجھے امید ہے یہ ویڈیو

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

آپ کے بہت کام آئے گی لڑکی کی عمر صرف بیس بائیس سال ہے اور وہ کسی انڈین اداکارہ کی طرح خوبصورت اور سمارٹ ہے انسپکٹر اب لڑکی کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر رہا تھا۔ جی جی سر میں ادھر ہی آپ کا انتظار کر رہا ہوں اس نے دوسری طرف کی گفتگو سنی اور انتظار کرنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ سر یہ آپ کیا کر رہے ہیں کیا آپ بھی ویڈیو کو آگے فروخت کرنا چاہتے ہیں راجیش نے کانپتے ہوئے کہا اس کی آواز خوف میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نہیں یار تم دونوں کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں وہ مجھ سے بڑے افسر ہیں انسپکٹر نے صاف جھوٹ بولتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے ایک بار پھر موبائل نکالا اور اس بار اپنے دفتر ایس پی دیپک کو کال ملائی۔ جے ہند سر اس نے کال ملتے ہیں جلدی سے کہا۔ سر میں نے ادھر مکمل تلاشی لے لی ہے مجھے کچھ بھی نہیں ملا ہے اصل ویڈیو کہیں اور پڑی ہوئی ہے ان کے پاس کوئی بھی ویڈیو نہیں ہے اس نے جلدی جلدی بولتے ہوئے کہا۔ سر میں پولیس والوں کو واپس بھیج رہا ہوں اور ان کے کمرے اور کمپیوٹر میں ایک سکیورٹی بگ رکھ جاؤں گا ہمارے باہر نکلتے ہیں یہ مطمئن ہو جائیں گے۔

اور پھر کوئی نہ کوئی غلطی کرتے پکڑے جائیں گے انسپکٹر نے دوسری طرف کی گفتگو سننے کے بعد اپنا پلان بتایا۔ جی جی سر آپ بے فکر ہو جائیں میں سب سنبھال لوں گا ویڈیو کبھی بھی انٹرنیٹ پر نہیں آئے گی میں اس سے پہلے ہی اسے پکڑ لوں گا انسپکٹر نے ایس پی کو سلام کیا اور فون بند کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے باہر کھڑے پولیس والوں کو واپس سائبر کرائم سیل جانے کا حکم دیا اور خود کمرے میں بیٹھ کر اپنے مطلوبہ آدمی کا انتظار کرنے لگا۔ وہ دفتر سے یہاں اپنی سرکاری گاڑی میں آیا تھا اور واپس بھی اسی گاڑی پر جاتا تقریباً ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد فلیٹ کے باہر لگی ہوئی گھنٹی بجی تو وہ اٹھ کر دروازہ کھولنے لگا۔ باہر چار لوگ کھڑے تھے انسپکٹر نے ان سے سلام کیا اور انہیں لے کر اندر آ گیا جی تو انسپکٹر صاحب آپ نے کونسی ایشور یا رائے اپنے کمپیوٹر میں قید کر کے رکھی ہوئی ہے ان چاروں میں سے ایک آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ چالیس سال کا ایک بھر پور مرد تھا جی سر میں دکھاتا ہوں آپ واقعی اسے دیکھ کر خوش ہوں گے انسپکٹر نے اپنی جیب سے یو ایس بی نکالی اور اسے کمپیوٹر کے ساتھ

منسلک کر کے ویڈیو چلا دی۔ چاروں لوگ خاموشی سے ویڈیو دیکھنے لگے اس بار ویڈیو کو تین منٹ میں آگے چلا چلا کر دیکھا گیا۔ پندرہ منٹ کی اس ویڈیو میں چھ مختلف پوزیشنیں تھیں اور دس کے قریب سین تھے۔انا سپیکٹر نے تین منٹ میں سارے سین تھوڑے تھوڑے کر کے دکھا دیئے اور ویڈیو کو بریک لگا کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ٹھیک ہے ہمیں ویڈیو پسند آیی ہے اور ہم اسے خریدنا بھی چاہیں گے آپ پیسے بتاؤ کتنے پیسے چاہیے ویڈیو کے پہلے والے آدمی نے ہی اس بار انسپکٹر سے پھر بات کی وہ ان کا لیڈر لگ رہا تھا۔جی مجھے اس ویڈیو کے لیے ایک کروڑ روپیہ چاہئے انسپکٹر نے ایک کروڑ کا نام لیا تو راجیش اور ستیا دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں وہ دونوں زیادہ سے زیادہ دو لاکھ سوچ رہے تھے۔لیکن یہاں وہی ویڈیو ایک کروڑ میں بکنے والی تھی۔نہیں ایک کروڑ بہت زیادہ ہے ہم اس کے لیے آپ کو زیادہ سے زیادہ دس لاکھ دے سکتے ہیں۔ چالیس سالہ لیڈر نے ایک اچٹتی سی نظر راجیش پر ڈالی اور دوبارہ انسپکٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔نہیں سر دس لاکھ تو بہت کم ہے دس لاکھ تو میں امریکہ کی کسی بھی ویب سائٹ سے حاصل کر سکتا ہوں۔ یہ بہت کم ہیں۔آپ لڑکی کی خوبصورتی دیکھیں یہ آپ کے بہت کام آئے گی آپ اس لڑکی سے آگے سینکڑوں فلمیں بنائیں گے اور یہ کروڑوں کمائیں گے۔میرا ایک کروڑ تو بنتا ہے انسپکٹر اپنی آفر سے ایک روپیہ بھی کم کرنے پر راضی نظر نہیں آ رہا تھا۔لڑکی واقعی بہت خوبصورت ہے یہ تو میں بھی مانتا ہوں لیکن ایک کروڑ بہت زیادہ ہے میں پچاس لاکھ تک کر سکتا ہو وہ آدمی دس لاکھ سے 50 لاکھ تک پہنچ گیا۔انسپیکٹر اپنی جگہ پر اڑا رہا اور آخر کار نوے لاکھ پر بات طے ہو گئی۔اسی آدمی نے انسپکٹر سے اس کا سوئس اکاؤنٹ کا نمبر مانگا اور موبائل فون کر کے کسی آدمی کو انسپکٹر کے اکاؤنٹ میں 90 لاکھ ڈالنے کا کہنے لگا۔انسپیکٹر کا یہ خفیہ اکاونٹ سوئزرلینڈ کے کسی بینک کا تھا۔بعد میں اس نے کال بند کر کے ایک دوسری جگہ پر کال ملائی اور وہاں بات کرنے لگا ہے۔ہاں ویڈیو اچھی ہے اور مجھے پسند آئی ہے اس نے مزید کچھ غیر ضروری باتیں کیں اور موبایل سے کال کاٹ دی۔دس منٹ بعد ہی دوسری طرف سے کال آگئی انسپکٹر کے اکاؤنٹ میں 90 لاکھ روپیہ جمع کروا دیا گیا تھا۔انسپکٹر نے اپنے موبایل سے پیسے ٹرانسفر ہونے کی تصدیق کی اور یو ایس بی سٹک ان لوگوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے حوالے کر کے فلیٹ سے باہر آ گیا۔راجیش اور ستیا کو وہ اُن لوگوں کے حوالے کر کے آ گیا تھا اور اسے معلوم تھا کہ وہ لوگ ان دونوں کے ساتھ کیا کرنے والے تھے۔عمارت کے باہر اس کی گاڑی کھڑی تھی اُس نے گاڑی کا دروازہ کھولا گاڑی سٹارٹ کی اور دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔گاڑی میں جسٹن بیبر کا ایک نیا گانا چل رہا تھا اور وہ اس گانے کے ساتھ خود بھی گنگنا رہا تھا۔چہرے پر ایک عجیب سی خوشی رینگ رہی تھی۔اس نے دو گھنٹے کے اندر اندر نوے لاکھ روپیہ کما لیا تھا۔انڈیا میں سرکاری ملازموں کے تنخواہ تو نارمل ہی ہوتی ہیں لیکن یہاں بھی اُوپر کی بہت کمائی تھی۔انسپکٹر نوے لاکھ روپے کما چکا تھا۔سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا انسپکٹر نے ایک چھوٹا سا نعرہ لگایا۔گاڑی ایک چھوٹے سے پل پر آ چکی تھی اس نے بدلہ گاڑی کی رفتار تھوڑی کم ہو گئی۔جیسے ہی گاڑی نے پل کراس کیا ایک زوردار دھماکہ ہوا اور گاڑی ہوا میں کوئی دس فٹ تک اوپر اچھلی اور واپس زمین پر آ گئی۔گاڑی میں آگ لگ چکی تھیں اور اس میں بیٹھے ہوئے انسپکٹر کے جسم کے چیتھڑے اڑ چکے تھے۔انسپیکٹر کی گاڑی سے کوئی پچاس فٹ پیچھے ایک اور گاڑی تھی جو دھماکہ ہوتے ہی کھڑی ہو گئی تھی۔اس میں صرف ایک ہی آدمی بیٹھا ہوا تھا۔اس نے گاڑی کو پل کی طرف موڑنے کی بجائے سیدھا ہی لے گیا۔سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا اس کے لبوں پر بھی یہی ملی نغمہ گنگنا رہا تھا۔

راجیش اور ستیا دونوں روہت کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

روہت کا پورا نام کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔بس اسکے نام کے پہلے حصے روہت کو ہی جانتے تھے اور سبھی اسے روہت بھی کہتے تھے۔انسپکٹر وجے کے اکاؤنٹ میں نوے لاکھ روپیہ اسی نے ٹرانسفر پر کروایا تھا۔اور اس کی کار کو دھماکے سے بھی اُسی نے بلاسٹ کروایا تھا۔جس میں انسپکٹر وجے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔روہت کا ایک آدمی بلڈنگ کے نیچے کھڑا تھا۔جبکہ اس کی ایک علیحدہ کار بھی تھی جو اس نے باہر ہی پارک کر دی تھی۔انسپکٹر کے اکاؤنٹ میں جب نوے لاکھ روپیہ ٹرانسفر ہو گیا اور اس کے بدلے میں لکھویندرا اور رکنو کی ویڈیو کی یو ایس بی دے دی تو اس نے ہی اپنے آدمی کو فون کر کے انسپکٹر کی گاڑی بھی بارود لگانے کا تھا۔روہت کے آدمی نے انسپکٹر کی گاڑی میں ریموٹ کنٹرول بم لگایا اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جیسے ہی انسپکٹر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر باہر آیا اور اپنے دفتر کی طرف جانے لگا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اپنی گاڑی میں جانے لگا۔ انسپکٹر کی گاڑی جیسے ہی پل پر پہنچی اور اس نے پل کراس کیا۔ روہت کے آدمی نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا دیا۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور انسپکٹر اپنی گاڑی سمیت وہیں جل کر مر گیا۔ اس آدمی نے گاڑی گھمائی اور واپس اسی بلڈنگ میں آ گیا۔ اس نے روہت کو فون کر کے انسپکٹر کے مرنے کی پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ روہت نے فون سنا اور سامنے بیٹھے ہوئے راجیش اور ستیا کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ دونوں وہی تھے جنھوں نے کنو اور لکھویندر کی خفیہ ویڈیو کاپی کی تھی۔ تم دونوں میں سے کس نے ایشوریہ رائے کی ویڈیو کاپی کی ہے۔ روہت اصل میں کنو کو نام کی بجائے ایشوریہ رائے کے نام سے بلا رہا تھا۔ وہ واقعی ایشوریہ رائے سے بھی زیادہ حسین اور خوبصورت تھی۔ یہ کنو کی خوبصورتی ہی تھی جس نے انسپکٹر وجے کی جان لے لی تھی۔ اور اب مزید پتا نہیں کتنے لوگوں کی جان لینے والی تھی۔ سر یہ راجیش نے کاپی کی تھی۔ ستیا نے راجیش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ کیوں جی راجیش صاحب کیسے ہو ذرا اپنے بارے میں بھی تھوڑی تفصیل بتاو۔ روہت نے دوستانہ لہجے میں کہا تو اسے تھوڑا حوصلہ ہوا وہ اپنے بارے میں بتانے لگا۔ راجیش کو اندازہ تو پہلے ہی ہو گیا تھا کہ وہ جرائم پیشہ لوگ ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک انسانی جان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ اب اپنی جان بچانے کی فکر میں لگا ہوا تھا اور سب کچھ یہی بتا رہا تھا۔ روہت نے اُس کی مختصر سے کہانی سنی اور دوبارہ فون میں ملا لیا۔ اس بار دوسری طرف اس کا باس تھا۔ سر مجھے تو یہ راجیش بہت پسند آیا ہے۔ کمپیوٹر ہیکر ہے۔ اسی نے لڑکی کے موبائل کو ہیک کر کے ویڈیو حاصل کی تھی یہ ہمارے بہت کام آ سکتا ہے۔ روہت نے راجیش کی طرف دیکھتے ہوئے فون میں کہا۔ اسے راجیش ذاتی طور پر بہت پسند آیا تھا۔ راجیش کو روہت کی بات سُن کر تھوڑا حوصلہ ہوا۔ ٹھیک ہے سر جیسے آپ کی مرضی ہے۔ میں نے تو صرف آپ کو انفارم کرنا تھا۔ باقی آپ کی مرضی ہے جو آپ اچھا سمجھتے ہیں۔ روہت نے دوسری طرف کی بات سن کر کہا۔ جی جی سر جیسے آپ کہتے ہیں مجھے آپ کی بات سے اختلاف کرنے کی جرات کیسے ہو سکتی ہے۔ آپ نے جو کہہ دیا وہی ہو گا۔ روہت نے دوسری طرف سے ہدایات لیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اورفون بند کر دیا۔سوری راجیش یار مجھے تم ذاتی طور پر بہت پسند آئے تھے اور میں تمہیں اپنے ساتھ رکھنا بھی چاہتا تھا لیکن اوپر سے ہی منع کر دیا گیا ہے۔اب میں مجبور ہوں روہت نے جیب سے پستول نکال لیا۔سر پلیز ایک بار پھر کوشش کر لیں میں آپ لوگوں کے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔پلیز سر مجھے ماریں مت میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔راجیش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ روہت کی منتیں کرنے لگا۔نہیں راجیش اب کچھ نہیں ہو سکتا۔تمہیں مارنے کا آرڈر آ گیا ہے۔تم جانے انجانے میں ایک بہت بڑی گیم کے اندر پھنس چکے ہو۔یہ بہت بڑی گیم ہے۔انسپیکٹر صرف 90 لاکھ لے کر گیا ہے اور مارا گیا ہے۔جب کہ یہ گیم 90 کروڑ سے بھی بڑی ہے۔تم سے غلطی ہو گئی جو گیم میں گھس گئے۔روہت نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کیا اور اسے گولی ماردی۔راجیش کے ساتھ ہی ستیا بھی بندھا ہوا بیٹھا تھا۔روہت نے اگلی گولی ستیا کو بھی ماردی۔دونوں دوستوں کے سروں میں گولیاں لگی تھیں انہیں کچھ پل تڑپنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔وہ بے چارے غریب لڑکے تھے۔پانچ پانچ دس دس ہزار کے چھوٹے چھوٹے جرم کرنے والے ایک بڑا ہاتھ مارنے لگے تھے۔لیکن انہیں وہ کام راس ہی نہیں آیا۔پانچ ہزار کمانے والے پانچ لاکھ کے چکر میں پڑے تھے۔ایک چھوٹے سے لالچ نے اُن دونوں کی جان لے لی تھی۔روہت نے کچھ ضروری سامان وہاں سے سمیٹا اور فلیٹ سے باہر آ گیا۔باہر اس کے ساتھی کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔وہ گاڑی میں بیٹھا اور دلی کی چھوٹی چھوٹی گلیوں سے ہوتا ہوا وہ مین روڈ پر آیا۔اور دلی سے باہر غازی آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔غازی آباد کے ایک پوش علاقے میں ایک پانچ منزلہ عمارت تھی۔اس عمارت کے سب سے اوپر والے فلور پر ایک بہت بڑا دفتر بنا ہوا تھا۔روہت سیدھا وہیں پہنچا۔عمارت کے گیٹ پر ایک مسلح چوکیدار کھڑا تھا۔

اس نے چوکیدار کے سلام کا جواب دیا اور سیدھا اندر بڑھ گیا۔بلڈنگ کی لفٹ میں ایک اور آدمی کھڑا تھا اس نے بھی روہت کو سلام کیا۔نمسکار کیسے ہو صاحب کا موڈ کیسا ہے۔روہت نے سرسری لہجے میں کہا۔جی صاحب وہ بالکل ٹھیک ہے اور آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔لفٹ کے اندر کھڑے آدمی نے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

روہت کی بات کا جواب دیا اور لفٹ کا دروازہ بند کر کے اوپر آخری منزل کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ ایک جھٹکے سے چلی اور تیزی سے اوپر کی جانب سفر کرنے لگی۔ ایک منٹ میں ہی لفٹ پانچویں منزل پر پہنچ گئی۔ گارڈ نے آگے بڑھ کر اس کے لئے دروازہ کھولا تو روہت باہر آ گیا۔ یہاں پر باہر راہداری میں مزید دو لوگ کھڑے تھے۔ روہت نے ان سے باس کا پوچھا۔ انہوں نے آگے سے ہاں میں سر ہلایا اور پھر اسے لے کر اندر دفتر کی طرف بڑھ گئے۔ دفتر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ روہت نے ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر سے اجازت ملنے کے بعد اندر چلا گیا۔ سامنے افس ٹیبل کے پیچھے ایک چالیس سالہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ نمسکار باس روہت نے اسے سلام کیا۔ نمسکار آؤ بیٹھو اور بتاؤ کام کا کیا بنا۔ باس نے اس کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ باس کام ہو گیا ہے ویڈیو بھی مل گئی ہے اور سارے لوگوں کو میں نے مار بھی دیا ہے۔ اس نے باس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ چلو بہت اچھا کیا۔ ہم نے اپنے پیچھے کوئی بھی ثبوت نہیں چھوڑا ہے۔ باس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سختی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے ہی تین آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ جن میں ایک سائبر کرائم کا انسپکٹر بھی شامل تھا۔ جب کہ راجیش کی سفارش تو خود روہت نے بھی کی تھی لیکن اس باس نے اسے بھی مارنے کا حکم دے دیا تھا۔ سر آپ ٹھیک کہتے ہو اب ہمارے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے۔ میں نے وہاں ایک بھی ثبوت نہیں چھوڑا ہے۔ اس نے جیب سے یو ایس بی نکالی اور اسے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔ باس نے یو ایس بی اسٹک اٹھائی اور اپنے سامنے پڑے ہوئے لیپ ٹاپ میں لگا کر اسے آن کر دیا۔ ویڈیو شروع ہوئی تو دونوں خاموشی سے ویڈیو دیکھنے لگے۔ ویڈیو 15 منٹ کی تھی دونوں نے خاموشی سے پوری کی پوری ویڈیو دیکھی۔ واقعی یار کمال ہو گیا ہے۔ یہ لڑکی بالکل بہترین ہے ہمیں ایسی ہی ایک لڑکی کی تلاش تھی۔ تم نے واقعی ایک ہیرہ ہمیں ڈھونڈ کر دیا ہے۔ باس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ جی سر میں نے بھی ویڈیو ادھر دیکھی تھی تو اسی وقت مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی ہمارے بہت کام آسکتی ہے۔ ہم اس لڑکی کی سینکڑوں ویڈیو بھی بنائیں تو تب بھی کم ہوں گی۔ اس کی بنائی ہوئی ایک ایک ویڈیو بھی کروڑوں میں بکے گی۔ ہمیں اربوں کا منافع ہوگا۔ روہت نے تیز لہجے میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہا۔وہ باس کی تعریف سن کر خوش ہو گیا تھا۔ہاں روہت یہ لڑکی واقعی ہمیں اربوں دلوا سکتی ہے۔یہ خوبصورت سی ایشوریہ رائے اربوں روپے میں ہی بکے گی۔لیکن ویڈیو کے ذریعے نہیں بلکہ کسی اور ذریعے سے باس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔آپ کیا کہہ رہے ہو باس میں کچھ سمجھا نہیں۔روہت نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔اسے باس کی بات کی بالکل سمجھ نہیں آئی تھی۔میری انڈیا سے باہر کچھ لوگوں سے بات ہو رہی ہے۔انہیں ایک پڑھی لکھی اور خوبصورت لڑکی کی تلاش ہے۔جسے بلیک میل کیا جا سکے اور بلیک میل کر کے کام کروایا جا سکے۔وہ لوگ بہت طاقتور اور پیسے والے ہیں اگر ان لوگوں کو لڑکی پسند آ گئی تو وہ ہمیں اس ایک لڑکی کے اربوں روپے دے سکتے ہیں۔باس نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔اور باس یہ تو واقعی بہت بڑی ڈیل ہو گی۔کون لوگ ہیں وہ جو اس لڑکی کے اربوں روپے دے رہے ہیں۔روہت کا تجسس اپنے پورے عروج پر چلا گیا تھا۔یار ابھی تک پوری تفصیل تو مجھے بھی پتا نہیں ہے۔ترکی کے نمبر سے مجھے فون آیا تھا۔لیکن بحر حال آدمی ترکش نہیں تھا۔میں ترکی میں پانچ سال رہا ہوں اور مجھے ترکش زبان مکمل اتی ہے۔میں نے ان سے ترکش میں بات کرنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف والے آدمی کو ترکی زبان نہیں آتی تھی۔دوبارہ میں نے اسی نمبر پر پھر کال کرنے کی کوشش کی تو وہ بند ہو چکا تھا۔وہ لوگ خود ہی روزانہ مجھے کال کرتے ہیں۔نمبر بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔بات ہمیشہ انگلش میں ہی ہوتی ہے۔اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔باس نے اس بار پوری تفصیل سے بتایا۔چلو باس ہمیں صرف پیسوں سے غرض ہے روہت نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ہاں یہ بات تو ہے ہم نے لڑکی کو ان کے حوالے کرنا ہے اور اپنے پیسے وصول کرنے ہیں۔اس ویڈیو سے وہ لڑکی کو اسانی سے بلیک میل کر کے اپنا کام کروا لیں گے۔باس نے لاپرواہی سے کہا۔باس ایک بات پوچھنا تھی روہت نے سوال کیا۔ہاں ہاں پوچھو کیا پوچھنا ہے۔باس ان لوگوں نے لڑکی کو کب تک مانگا ہے۔اور اس کی شرط کیا ہے یعنی لڑکی کیسی ہونی چاہیے۔یار ایک ہفتے کا ٹائم ہے۔مجھے تین دن کے اندر اندر ہاں یا نہ میں جواب دینا ہے۔اور ہاں کی صورت میں اگلے تین دن کے اندر اندر لڑکی ان لوگوں کے حوالے کرنی ہے۔باقی شرط صرف ایک ہی ہے لڑکی کے پورے خاندان کی تفصیل ہونی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چاہیئے اسکے ماں باپ زندہ ہونے چاہئیں اورلڑکی کے ساتھ ہونے چاہیں۔

راضی اس بار چھٹیوں میں کدھر جانے کا ارادہ ہے میں اس وقت اپنے مالک کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ان کا نام گلشن کمار بھاٹیہ ہے اوروہ چندی گڑھ کے رہنے والے ہیں۔

چندی گڑھ انڈین ریاست پنجاب اور ہریانہ دونوں کا مشترکہ دارالخلافہ ہے۔شاید یہ دنیا کا واحد شہر ہے جو بیک وقت دوصوبوں کا دارلخلافہ ہے۔چندی گڑھ میں پنجاب اور ہریانہ دونوں صوبائی حکومتوں کے دفاتر اوراسمبلی ہاؤس موجود ہیں۔یہ شہر دہلی سے ڈھائی سوکلومیٹر کے فاصلے پر ہے جب کہ اتنا ہی فاصلہ اسکا پاکستانی شہرلاہور سے بھی ہے۔چندی گڑھ لاہوراور دہلی کے بالکل درمیان میں ہے یہاں سے دلی جانا تو آسان ہے لیکن لاہور جانے کے لیے ویزہ لینا پڑتا ہے۔میرے مالک کاتعلق اسی شہر سے تھا۔کیا ارادہ ہے اس بار چھٹیوں میں پاکستان کا چکر لگاؤ گے یا پھر ادھر جرمنی میں ہی رہو گے۔وہ میرے پاس کاؤنٹر پر آکر کھڑے ہوگئے۔میں بہاولپور کا رہنے والا تھا اور یہاں جرمنی میں ایک انڈین ریسٹورینٹ پر کام کرتا تھا۔بہاولپورشہر کی تفصیل بتانے کی شاید مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے صحراؤں کے اس شہر کا تقریباً سب کو ہی پتہ ہے۔اس لئے میں یہاں بہاولپور کی کوئی تفصیل نہیں لکھوں گا۔جی پاہ جی میں پاکستان کا ایک چکر لگاؤں گا پورامہینہ چھٹیوں کا ہے۔اس دوران پاکستان جانا ہی بہتر رہے گا۔یورپ کے اندرتو ویک اینڈ پر جوچھٹی ہوتی ہے اس چھٹی میں بھی جایا جاسکتا ہے۔میں نے ان سے کہا۔مجھے اگلے مہینے سے ایک مہینے کی چھٹیاں ہورہی تھیں جرمنی میں گرمی کے موسم میں کام بہت کم ہوجاتا تھا۔زیادہ تر جرمن لوگ گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے اٹلی سپین اور یونان چلے جاتے تھے۔اٹلی اوریونان کے ساحل گرمیوں میں سیاحوں سے بھرجاتے تھے۔اس موسم میں جرمنی کے اندر کام بہت کم ہوجاتا تھاہماراریسٹورنٹ جرمنی کے ایک چھوٹے سے شہر کارل سروہے میں تھا۔یہ شہرمغربی فرانس کے بارڈر کے اوپر واقع تھا۔کارل سروہے شہر سے فرانس کا بارڈرصرف دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔دریائے رائن جرمنی اور فرانس کے درمیان سرحد کا کام کرتا ہے۔کارل سروہے شہر دریائے رائن کے کنارے پر واقع ہے۔12 سو30 کلومیٹر کی لمبائی کے ساتھ یہ دریائے ڈینوب کے بعد یورپ کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسرا بڑا دریا ہے۔کارل سروہے ایک چھوٹا سا شہر تھا اور یہاں سیاحوں کے لیے کوئی بھی خاص کشش نہیں تھی یہ ایک مکمل طور پر پرسکون شہر تھا۔ یہاں کی ایک آئی ٹی یونیورسٹی انٹرنیشنل لیول کی تھی ساڑھے تین لاکھ کی آبادی والے شہر کی یونیورسٹی لاہور کی پنجاب یونیورسٹی سے بھی بڑی ہے۔ یہاں انڈیا اور پاکستان سمیت دنیا بھر سے طالب علم کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔اگست اور ستمبر میں اس شہر کے لوگ بھی چھٹیاں گزارنے ساحلوں کا رخ کرتے تھے اور یہاں ان دومہینوں میں شہر بلکل خالی خالی سا ہوجاتا تھا۔ کیونکہ ان دنوں کام بالکل نہیں ہوتا تھا اس لئے ہمارا مالک گرمیوں میں ایک مہینے کے لئے ریسٹورنٹ بند کردیتا تھا۔میں اس مہینے پاکستان کا ایک چکر لگا کر آنا چاہتا تھا امی پچھلے دو سال سے مجھ پر شادی کے لیے دباؤ ڈال رہی تھیں اِس بار میرا ارادہ ان کی بات مان لینے کا تھا۔ مجھے اس بار شادی کرکے ہی آنا تھا۔امی ابو نے تو مجھے جرمنی میں ہی کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کرنے کا کہا تھا لیکن میرا دل کسی یورپین لڑکی پر نہیں مانتا تھا۔ یورپین لڑکیاں خوبصورت تو بہت ہوتی ہیں یہ تعلیم یافتہ بھی بہت ہوتی ہیں لیکن ان میں وفا بہت کم ہوتی ہے پاکستانی لڑکیوں میں لچک بہت زیادہ ہوتی ہے اور یہی لچک شادی کو کامیاب بناتی ہے۔میں نے بہت لمبے پروگرام بنائے ہوئے تھے لیکن آنے والے دنوں میں یہ سارے پروگرام تہس نہس ہوگئے۔حادثات اتنی تیزی سے رونما ہوئے کہ کچھ ہوش ہی نہ رہا اگلا آنے والا مہینہ بظاہر بہت پرسکون نظر آرہا تھا۔کارل سروہے شہر خود بھی بہت پُرسکون شہر تھا لیکن آنے والے دن اس شہر کو بہت بھاری پڑنے والے تھے۔یہ شہر پورے انٹرنیشنل میڈیا میں مشہور ہونے والا تھا میری ایک مہینے کی چھٹی بھی خراب ہونے والی تھی۔

آج منگل کا دن تھا گیارہ بجے کے قریب ریسٹورنٹ کی صفائی مکمل ہوئی تو میں نے ریسٹورنٹ کا دروازہ کھول دیا۔ریسٹورنٹ کی چھت میں لگے ہوئے سپیکروں سے سکھمنی صاحب کے پاٹ کی آواز آرہی تھی۔جس طرح ہم مسلمان صبح صبح اپنی دکانوں پر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔دوکان کھولنے سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہیں قرانی آیات پڑھتے ہیں تاکہ ہمارے دن کا آغاز اللہ کے نام سے ہو اور کاروبار میں برکت ہو۔اسی طرح سے سکھ بھی صبح صبح دکان یا ریسٹورنٹ کھولنے سے پہلے گرو

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نانک صاحب کا نام لیتے ہیں اور سکھمنی صاحب کا پاٹھ کرتے ہیں۔ چونکہ میرا مالک بھی سکھ اس لیے وہ بھی سکھمنی صاحب کا پاٹھ کرواتا تھا۔ میں صبح صبح ریسٹورینٹ میں آتا تھا اور پاٹھ کی سی ڈی چلا دیتا تھا۔ گاہکوں کے آنے سے پہلے پہلے یہ پاٹھ ختم ہو جاتا تھا۔ اور پھر میں نارمل گانوں والی سی ڈی لگا دیتا تھا۔ ریسٹورنٹ کی صفائی مکمل ہوگئی تھی میں نے شیشے میں اپنے کپڑوں کا جائزہ لیا اور پھر ٹیبلز کے اوپر چمچ اور کانٹے ترتیب سے رکھنے لگا۔ ریسٹورنٹ کا دروازہ کھلا اور ایک چھوٹے قد کا چالیس پینتالیس سال کی عمر کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس نے تھری پیس سوٹ پہنا ہوا تھا۔ چہرا ہلکا سا گندمی تھا۔ شاید انڈین تھا یا پھر پاکستانی ہمارے ریسٹورنٹ میں انڈین اور پاکستانی دونوں آتے تھے۔ جب کہ جرمن لوگوں کا بھی یہاں بہت رش ہوتا تھا۔ ابھی چونکہ صبح صبح کا وقت تھا اور ہمارا سب سے پہلا گاہک یہی تھا۔ میں نے چمچ کانٹوں کی ٹرے ایک ٹیبل پر رکھی اور آنے والے گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا۔ گوٹن ٹاگ سر میں نے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ گوٹن ٹاگ مجھے یہاں کے ویٹر راضی سے ملنا ہے۔ آنے والے آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جی سر میرا نام ہی راضی ہے آپ بیٹھیں میں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس نے کرسی پیچھے کھینچی اور بیٹھ گیا۔ جی سر فرمایئے کیا کام ہے میں نے اسکے بیٹھتے ہی پوچھا۔ کیا میں آپ کا ریذیڈنس کارڈ دیکھ سکتا ہوں۔ اُس نے سوال کیا۔ یورپ میں پاسپورٹ کے اوپر ویزہ لگانے کے علاوہ ایک چھوٹا کارڈ بھی دیا جاتا ہے۔ اس کے اوپر پاسپورٹ نمبر شہریت اور جس مکان میں ہم رہ رہے ہوتے ہیں وہاں کا پتہ لکھا ہوتا ہے۔ اسے ویزہ ملنے کے بعد پیسے دے کر خریدا جاتا ہے۔ زیادہ قیمت نہیں ہوتی ہے یہ بالکل شناختی کارڈ کی طرح ہوتا ہے۔ اور اسی طریقے سے فیس ادا کر کے بنوایا جاتا ہے۔ ریذیڈنس کارڈ کی موجودگی میں ہمیں پاسپورٹ شناختی کارڈ وغیرہ یا کسی بھی اور کاغذ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہماری ساری چیزیں گھر میں ہی ہوتی ہیں اور بس ہمارے پاس صرف یہ ایک کارڈ ہی ہوتا ہے۔ پولیس وغیرہ کو چیکنگ کے لیے یہی کارڈ دکھایا جاتا ہے۔ اس کارڈ کی وجہ سے بہت سہولت رہتی ہے۔ ہمارے سارے کاغذات محفوظ رہتے ہیں۔ کارڈ گم ہو جانے کی صورت میں آسانی سے دوسرا بن جاتا ہے۔ اصل چیز پاسپورٹ اور اس پر لگا ہوا ویزہ ہوتا ہے اور وہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

گھر میں محفوظ پڑا ہوتا ہے۔ جرمنی میں پولیس کا پورا نظام کمپیوٹرائزڈ ہے۔ پولیس والے آپکا کارڈ لیتے ہیں اسے ایک مشین سے اسکین کرتے ہیں۔ اسی وقت آپ کا پورا بایوڈیٹا مشین پر آجاتا ہے۔ مشین میں فنگر پرنٹ سکین کرنے کی سہولت بھی ہوتی ہے۔ راضی صاحب کیا میں آپ کا ریذیڈنس کارڈ دیکھ سکتا ہوں آنے والے آدمی نے دوبارہ مجھ سے پوچھا تو میں نے جیب سے ریذیڈنس کارڈ نکال کر اسے پکڑا دیا۔ جی ٹھیک ہے اب میں مطمئن ہوں۔ مجھے آپ سے ایک خفیہ بات کرنی ہے کیا یہ جگہ محفوظ ہے اس نے آہستگی سے کہا تو میں چونک گیا۔ جی جی یہ جگہ بالکل محفوظ ہے آپ آرام سے بات کریں میں نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کہا۔ آنے والا آدمی کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ ٹھیک ہے تو میں بات کرتا ہوں اُس نے کرسی پر پہلو بدلا اور دوبارہ بولنے لگا۔ ہمیں آپ سے ایک کام کروانا ہے ایک آدمی ہے جو فرینکفرٹ سے فرانس جا رہا ہے۔ اس کی ٹرین فرینکفرٹ سے کارل سروہے پہنچے گی اور پھر یہاں سے وہ پیرس کی طرف روانہ ہو جائے گا۔ ہم نے اس آدمی کو ٹارگٹ کرنا ہے۔ میرے پاس اس کیس کی پوری تفصیل موجود ہے اس نے اپنی جیب سے ایک پیکٹ نکالا اور اسے میری طرف بڑھا دیا۔ سر کیا میں آپکا کارڈ رابطے کے سورس کا نام اور کوڈ نمبر جان سکتا ہوں۔ میں نے لفافے کی طرف ایک سرسری نظر دوڑائی اور دوبارہ اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جی کیوں نہیں اُس نے کہا اور جیب سے کارڈ نکالنے لگا۔ اس نے کارڈ مجھے پکڑایا اور دوسری تفصیلات بتانے لگا۔ وہ سب کچھ ٹھیک بتا رہا تھا۔ میں اس کی طرف سے مطمئن ہو گیا تو لفافے کو اٹھا لیا۔ آپ ایک منٹ بیٹھے میں اسے دیکھ کر آتا ہوں۔

میں اسے ادھر ہی بٹھا کر واپس کاونٹر کی طرف آ گیا۔ سکھے تم ادھر کاؤنٹر پر کھڑے ہونا مجھے باتھ روم جانا ہے میں نے کچن میں کام کرنے والے ایک لڑکے کو کاؤنٹر پر کھڑا کیا اور تیزی سے ایک باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم میں پہنچتے ہیں میں نے جلدی سے لفافہ کھولا اور کاغذات دیکھنے لگا۔ میں نے آدمی کی تصویر بھی دیکھیں یہ پچاس اور 55 کے درمیان کی عمر کا تھا۔ چہرہ ایشیائی تھا اور کسی حد تک سفیدی مائل تھا۔ تصویر سے وہ نارمل سا پڑھا لکھا آدمی لگ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور کسی بات کا مجھے علم نہ ہو سکا۔ کاغذات میں بھی صرف ٹارگٹ کو ختم کرنے کی تفصیل لکھی تھی۔ اس آپریشن میں دو لوگ کام کر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہے تھے۔ایک آدمی اس کے ساتھ ٹرین میں ہی ہوتا وہ اس کے ساتھ سفر کر رہا ہوتا جبکہ دوسرا آدمی میں تھا۔ہم دو آدمیوں نے اس شخص کو گھیر کر مارنا تھا۔میرا کام صرف مارنا تھا گھیر کر اسے ٹارگٹ تک لانے کی ذمہ داری دوسرے آدمی کی تھی ۔میں نے آپریشن کی موٹی موٹی تفصیلات پڑھیں اور باتھ روم سے باہر آ گیا۔میں نے سکھے کو واپس کچن میں بھیجا اور دوبارہ اس آدمی کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔جی راضی صاحب آپ نے فائل کا مطالعہ کر لیا ہے۔آدمی نے مجھ سے پوچھا۔جی سر میں نے فائل دیکھ لی ہے۔میں نے مختصر جواب دیا۔کوئی پرابلم تو نہیں ہے یا پھر کوئی سوال پوچھنا ہو تو بتا دو میں بیٹھا ہوا ہوں اس نے مجھ سے پوچھا۔نہیں سر میں سب سمجھ گیا ہوں کام ہو جائے گا میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔راضی پوچھو گے نہیں کہ اس بندے کا کیا قصور ہے اسے جانے بغیر تم کیسے اس کو گولی مار دو گے۔اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔نہیں سر میرا کام صرف گولی مارنا ہے۔وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے اس کا جرم کیا ہے مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔آپ صرف اپنا کام صحیح کریں اور بندے کو ٹھیک اُس مقام تک لے کر آجائیں جس جگہ کی نشاندہی فایل میں کی ہوئی ہے باقی مارنا میرا کام ہے میں نے روانی سے جواب دیا۔اس کی تم فکر مت کرو یہ آدمی بالکل ٹھیک وقت پر وہاں پہنچ جائے گا باقی تمہارا کام ہے اس آدمی کو بچنا نہیں چاہیے یہ بڑے عرصے بعد ہمارے ہاتھ لگا ہے اگر اس بار یہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر دوبارہ ہم کبھی بھی اس تک نہیں پہنچ سکیں گے مجھے اس آدمی کے چہرے پر ہلکی سی فکرمندی کے آثار نظر آئے۔سر آپ بے فکر رہو میں اپنا کام بخوبی کرتا ہوں۔میرے کام اور میری قابلیت پر آپ کو اعتماد ہونا چاہیے۔میرا ٹارگٹ آج تک کبھی بھی خالی نہیں گیا۔میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔وہ مجھے چند مزید ہدایات کر کے باہر چلا گیا۔میرا ٹارگٹ کل ہی فرینکفرٹ سے واپس آ رہا تھا۔میرے پاس صرف ایک دن تھا۔میں اپنے مالک کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔مالک ایک بجے کے قریب آیا تو میں نے اس سے چھٹی لے لی۔ریسٹورنٹ سے باہر نکل کر میں دریائے رائن کی طرف چل پڑا۔دریائے رائن کارل سروہے شہر سے محض پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔کارل سروہے شہر دریا کے مشرقی کنارے پر آباد ہے اور شہر دریا تک پھیلا ہوا ہے۔میں نے ٹیکسی پکڑ لی اور دریا پر آ گیا۔یہاں پہنچ کر میں نے ٹیکسی کو کرایہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ادا کیا اور پیدل ہی پل پر سے گزرتے ہوئے دریا عبور کر گیا اور دوسری طرف پھیلے ہوئے ایک جنگل میں چلا گیا۔ جنگل کے بالکل بیچ و بیچ میں نے ایک چھوٹا سا کاٹیج لیا ہوا تھا۔ یہاں میں نے ایک سنائپر گن چھپائی ہوئی تھی۔ اس کاٹیج تک پہنچنے کے لیے سائیکل یا موٹر سائیکل کا ایک چھوٹا سا راستہ تو تھا لیکن گاڑی یہاں تک نہیں آتی تھی۔ یہ سڑک سے کوئی تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور اتنا فاصلہ پیدل یا موٹر سائیکل پر طے کرنا پڑتا تھا۔ جرمنی کا 70 فیصد رقبہ جنگلات پر مشتمل ہے۔ یہاں جنگلوں کے اندر ایسے بے شمار چھوٹے چھوٹے کاٹیج بنے ہوئے ہیں۔ پورے یورپ میں ہفتہ میں 5 دن کام ہوتا ہے اور دو دن ہفتہ اور اتوار کو چھٹی ہوتی ہے۔ شہروں میں کام کرنے والے لوگ ویک اینڈ پر دیہاتوں اور جنگلوں کا رخ کرتے ہیں۔ جرمنی میں اسلحے پر مکمل پابندی ہے جرائم کی شرح نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہاں جنگلوں میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا لوگ اپنی چھٹیاں بڑے مزے سے جنگلوں میں گزارتے ہیں جنگل میں بنی ہوئی ایک پگڈنڈی پر تیز تیز چلتے ہوئے میں آدھے گھنٹے میں کاٹیج پر پہنچ گیا۔ میں نے کاٹیج سے ایک بیلچہ لیا اور کاٹیج کی پچھلی جانب بنے ہوئے لان میں کھدائی کر کے سنائپر رائفل باہر نکال لی۔ یہ امریکہ کی ایم 24 کا جدید ترین ماڈل تھا۔ ایم چوبیس رائفل کی بیرل 62.7 ملی میٹر کی تھی اور یہ 1500 میٹر تک درست نشانہ لگانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ پندرہ سو میٹر کے دائرے میں آنے والا ٹارگٹ مکمل طور پر ختم ہو جاتا تھا۔ جبکہ میں اپنے ٹارگٹ سے صرف آٹھ سو میٹر کے فاصلے پر ہوتا۔ اس رائفل کا وزن صرف ساڑھے پانچ کلوگرام تھا مکمل سامان اور گولیوں کے ساتھ اس کا وزن آٹھ کلوگرام تک چلا جاتا تھا۔ میں نے رائفل کے بیگ کو ایک بڑی سی پلاسٹک کی شیٹ میں لپیٹ کر چھپایا ہوا تھا۔ بیگ کو لے کر میں کمرے میں آ گیا میں نے کمرے میں آ کر پہلے رائفل کو بیگ سے نکالا۔

اور اس کے ٹکڑوں کو ایک ایک کر کے جوڑنے لگا۔ دو منٹ کے مختصر سے عرصے میں میں نے رائفل کو تیار کر لیا تھا۔ میں نے خالی ایک دو فائر کر کے دیکھے رائفل مکمل ٹھیک تھی اور اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں تھی۔ رائفل سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس کے پارٹس کو دوبارہ الگ الگ کیا اور

اسے بیگ میں اچھی طرح پیک کر کے کاٹیج سے باہر آ گیا۔جنگل سے باہر آ کر میں نے دوبارہ ٹیکسی لی اور گھر آ گیا۔گھر آ کر سب سے پہلے میں نے رائفل کے بیگ کو ایک محفوظ جگہ پر منتقل کیا اور دوبارہ گھر سے باہر نکل آیا۔کارل سروہے میں میں اکیلا ہی ایک فلیٹ میں رہ رہا تھا۔میں نے کسی کے ساتھ کمرہ شیئر نہیں کیا ہوا تھا۔اس لیے مجھے کمرے کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی۔وہاں کسی نے بھی نہیں آنا تھا۔سنائپر رائفل بھی وہاں محفوظ تھی۔کمرے سے باہر آ کر میں کارل سروہے کے مین اسٹیشن پر پہنچا اور وہاں سے ایک لوکل ٹرین بروکسال کے لئے لے لی۔بروکسال کارل سروہے شہر سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔اس کی آبادی پچاس ہزار کے قریب ہے۔یہ فرینکفرٹ سے کارل سروہے کے درمیان آتا ہے۔میرا ٹارگٹ فرینکفرٹ سے آ رہا تھا وہ آئی سی ٹرین پر آ رہا تھا جو صرف ہائیڈل برگ میں دو منٹ کیلئے رکتی تھیں اور پھر سیدھی کارلسروہے تک چلی جاتی تھی۔میں نے بروکسل کے لیئے ٹرین پکڑی اور وائن گارٹن پر اتر گیا۔دس ہزار کی آبادی والا یہ چھوٹا سا ٹاؤن تھا۔وائن گارڈن میں دو بہت خوبصورت سی جھیلیں ہیں۔یہ ٹاون ان دونوں جھیلوں کے کنارے پر بنا ہوا ہے۔میں اسٹیشن سے باہر آنے کی بجائے ٹرین کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔تقریباً آدھا گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد میں نے ٹرین کی پٹڑی کو کراس کیا اور دوسری طرف بنے ہوئے کھیتوں کے درمیان سے گزرنے لگا۔مکئی کے کھیت بالکل تیار تھے۔مزید دس بارہ دنوں تک انہیں کاٹنے کا سیزن شروع ہو جانا تھا۔میں نے کھیتوں کے سلسلے کو کراس کیا سامنے ایک کچی سڑک تھی اور اس سے آگے جنگل شروع ہو جاتا تھا۔جرمن حکومت جنگل کاٹ کر کھیت بنانے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔جرمنی اپنی خوراک اور سبزیاں زیادہ تر اٹلی اور سپین سے درآمد کرتا ہے۔اٹلی سپین اور یونان میں مہاجرین بہت بڑی تعداد میں ہیں۔سپین اور اٹلی افریقی ساحلوں کے بالکل سامنے ہیں جبکہ ایشیا کی طرف سے یونان پہلا یورپی ملک ہے۔مہاجرین سب سے پہلے انہی ملکوں میں داخل ہوتے ہیں اور اسی فیصد مہاجرین یہیں رک جاتے ہیں۔صرف بیس فیصد مہاجرین ہیں اگے جرمنی فرانس ڈنمارک یا ناروے جاتے ہیں۔مہاجرین کے بہت زیادہ دباؤ کی وجہ سے یہاں مزدوری سستی ہے اور کھیتوں میں کام کرنے کے لیے مزدور بآسانی

مل جاتے ہیں۔اسی وجہ سے سپین اٹلی اور یونان میں کھیتی باڑی کا بہت زیادہ کام ہے۔یہ تینوں ملک نہ صرف خود اپنی خوراک پیدا کرتے ہیں بلکہ پورے یورپ کو بھی یہی ممالک خوراک برآمد کرتے ہیں۔پاکستان اور انڈیا سے آنے والے سبھی لڑکے پنجاب کے دیہی علاقوں سے آتے ہیں۔یہ خاندانی زمیندار ہوتے ہیں اور یہاں یورپ میں یہی لڑکے کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں۔آپکو سپین اٹلی اور یونان کے ہر ڈیرے پر پاکستانی یا انڈین کام کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔جرمن حکومت جنگل کاٹنے کی اجازت نہیں دیتی۔جرمنی میں بے روزگاری نہ ہونے کے برابر ہے۔یہاں فیکٹریاں اور کارخانے زیادہ ہیں لیکن مزدور کم ہیں۔حکومت دوسرے ملکوں سے مزدور لیتی ہے۔جہاں فیکٹریوں دوکانوں اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں صاف ستھرا کام مل رہا ہو وہاں کھیتی باڑی کا کام کون کرے گا۔اسی وجہ سے یہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔صرف دیہاتی مقامی زمیندار گندم اور مکئی وغیرہ بیج لیتے ہیں۔ان فصلوں کے لیے مزدوروں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔میں جنگل میں کوئی پچاس میٹر تک آگے گیا۔یہاں لکڑی کی ایک اونچی پوسٹ بنی ہوئی تھی۔یہ زمین سے کوئی پندرہ فٹ اونچی تھی۔جرمنی کے جنگلات میں ایسی لکڑی کی لاکھوں پوسٹیں بنی ہوئی ہیں۔یہ جنگلی سوروں ریچھوں اور دوسرے خطرناک جانوروں سے بچاؤ اور ان کا شکار کرنے کے لئے بنائی گئی تھیں۔آج کے جدید جرمنی میں ایسے خطرناک جانور ختم ہو گئے ہیں۔جرمنی کے سارے جنگلات اب انسانوں کے لیے محفوظ ہیں۔یہاں ہرن بارہ سنگھے اور دوسرے خوبصورت جانور تو بے شمار ہیں لیکن خطرناک جانور ختم ہو گئے ہیں۔ہرن تو اتنے زیادہ ہیں کہ آپ جنگل میں صرف 10 منٹ ہی پیدل چلے تو آپ کو کوئی نہ کوئی ہرن نظر آجائے گا۔اب یہاں شکار پر مکمل پابندی ہے۔ہرن تو بہت دور کی بات ہے شہروں اور دیہاتوں کے باہر بنے ہوئے ہزاروں چھوٹے چھوٹے ندی نالوں میں کروڑوں بطخیں ہیں۔ان بطخوں کو پکڑنا بھی جرم ہے۔جنگلوں میں جانور تو موجود ہیں لیکن درندے ختم ہو گئے ہیں جب کہ لکڑی کی پوسٹیں اب بھی موجود ہیں۔میں جنگل میں اپنی مطلوبہ پوسٹ کے پاس چلا گیا۔یہ پوسٹ پندرہ فٹ اونچی اور ریلوے لائن کے بالکل سامنے تھی۔میں پوسٹ کے اوپر چڑھا تو مجھے کھیتوں کے اوپر سے ریل کی پٹڑی نظر آ گئ۔میں نے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گردونواح کا اچھی طرح جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر واپس آ گیا۔ وائن گارٹن چونکہ ایک چھوٹا سا ٹاؤن تھا۔ اس لئے یہاں پر عام ٹرینیں بھی نہیں رکتی تھیں یہاں صرف لوکل ٹرین ہی آ کر رکتی تھی۔ یہاں پر سکیوٹی بھی بالکل نہیں تھی۔ مین اسٹیشن پر صرف ایک ہی کیمرہ لگا ہوا تھا۔ اس کیمرے کو پچھلی رات سے ہی اتار لیا گیا تھا۔ رات کو ہمارا ایک آدمی یہاں آیا تھا اور اس نے اصل کیمرہ اتار کر اس کی جگہ پر مصنوعی کیمرہ لگا دیا تھا۔ اب یہ کیمرہ کوئی بھی ریکارڈنگ نہیں کر رہا تھا۔ صرف خالی کیمرا ہی لگا ہوا تھا جو کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ آپریشن کے بعد پولیس والے اس کیمرے کی ریکارڈنگ دیکھنے کے لیے اسے اتارتے تو انہیں کچھ بھی نہیں ملتا۔ میں نے واپسی کی ٹرین پکڑی اور کارلسروہے آ گیا۔ کارلسروہے ایک بڑا شہر تھا ساڑھے تین لاکھ کی آبادی والے اس شہر میں مرکزی اسٹیشن سے روزانہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آتے اور جاتے تھے۔ یہاں ہر طرف ہی کیمرے لگے ہوئے تھے۔ شہر کے اندر بھی بے شمار کیمرے لگے ہوئے تھے۔ لیکن وہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو چیک نہیں کر سکتے تھے۔ آئی ٹی کی بین الاقوامی یونیورسٹی کی وجہ سے اس شہر میں غیر ملکی بھی بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ مختلف دیہاتوں سے بھی لوگ کام کرنے اور پڑھنے کے لئے کارلسروہے آتے جاتے تھے۔ انٹیلی جنس کے لوگ کبھی بھی ان کیمروں کی مدد سے مجھے تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے بھی آج نارمل دن تھا۔ ٹارگٹ کو مارنے کا کام تو کل تھا اور کل میں اس طرف سے آنے کی بجائے کار سے آتا۔ شہر سے باہر ایک کار کھڑی ہوئی تھی اس کی نمبر پلیٹ جعلی تھی۔ جرمنی میں کاریں گھر سے باہر ہی کھڑی ہوتی ہیں۔ جرمنی میں کار چوری ہونے کی شرح زیرو فیصد ہے۔ کار چوری کرنا آسان ہے لیکن اس کو بیچنے کے لیے آپ کو پورے جرمنی میں کہیں بھی جگہ نہیں ملے گی۔ جرمنی کے اندر جتنی بھی کار سروس کی دکانیں یا اسپئیر پارٹس کی دوکانیں ہیں۔ وہ گورنمنٹ سے باقاعدہ منظور شدہ ہیں۔ مجھے اس طرف سے بھی کوئی فکر نہیں تھی۔ میں گھر آ کر آرام سے سو گیا۔ مشن کل کو پورا کرنا تھا۔

آدمی کا نام محمد جعفر تھا اور وہ 55 سال کی عمر کا تھا۔ جعفر خضدار کا رہنے والا تھا۔ اس نے بہترین تراش کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور اس وقت فرینکفرٹ کے مین اسٹیشن پر بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کر رہا تھا۔ اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

وقت دوپہر کے دو بجے کا ٹائم ہوا تھا۔اس نے فرینکفرٹ سے پیرس جانا تھا۔فرینکفرٹ سے جہاز کے ذریعے پیرس جایا جاسکتا تھا۔لیکن یورپ نے جہاز کی بجائے ٹرین کا سفر زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے۔یہ سستا بھی ہوتا ہے اور آرام دہ بھی۔آئی سی ٹرینیں بہت تیز ہوتی ہیں اور وہ صرف بڑے بڑے شہروں میں ہی رکتی ہیں۔زیادہ تر یورپین ٹرین سے سفر کرنا ہی پسند کرتے ہیں۔جعفر یورپین نہیں تھا۔وہ پاکستانی تھا اوراس کے پاس فرانس کا پاسپورٹ تھا۔پیرس میں اس کا بہت بڑا ابزنس تھا۔اور یہ زیادہ تر پیرس میں ہی رہتا تھا۔بہت امیر آدمی تھا اور اسی حساب سے اس کی سکیورٹی بھی بہت زیادہ تھی۔عام آدمی کی پہنچ سے یہ بہت دور تھا۔ابھی ٹرین کو آنے میں کافی دیر تھی۔اس لیے پلیٹ فارم کا یہ حصہ اُس وقت سنسان سا تھا۔ایک کونے پر دونوجوان لڑکیاں بیٹھی ہوئی گپ شپ لگارہی تھیں۔جعفر نے موبائل فون پر ایک فلم لگائی اور وہ آرام سے فلم دیکھنے میں مصروف ہوگیا۔یہ پلیٹ فارم پہلی منزل پر تھا۔اصل میں ساری ہی ریلوے لائنیں پہلی ہی منزل پر تھیں۔نیچے تہہ خانے میں اور اوپری منزل پر دکانیں اور مختلف ریسٹورنٹ وغیرہ بنے ہوئے تھے۔نارمل اور لوکل ٹرینوں کے لیے تو سامنے ہی پلیٹ فارم بنے ہوئے تھے۔جبکہ ائی سی اور انٹرنیشنل ٹرینوں کے لیے علیحدہ ایک سائیڈ پر پلیٹ فارم بنے ہوئے تھے۔انہی میں سے ایک پلیٹ فارم پر وہ بیٹھا ہوا ٹرین کا انتظار کررہا تھا۔ٹرین کارلسروہے سے ہوتی ہوئی سٹٹگارٹ پہنچتی اور پھر سٹٹگارٹ سے وہ پیرس کے لیے دوسری ٹرین پکڑتا۔ٹرین کو چونکہ ابھی بہت ٹائم تھا اس لئے وہ اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ویسے بھی ائی سی ٹرین کا کرایہ مہنگا ہوتا ہے۔لوگ مہنگی ٹرین کی بجائے نارمل لوکل ٹرین پکڑتے ہیں۔جعفر پلیٹ فارم کے بالکل آخری سرے پر بیٹھا ہوا تھا۔اسے دوسرے سرے پر دولڑکے نظر آئے جو آہستہ آہستہ اس کی طرف آرہے تھے۔جعفر نے ایک نظر لڑکوں کی طرف دیکھا اور دوبارہ موبائل کی طرف متوجہ ہوگیا۔لڑکے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے پاس آکر رک گئے۔سرجی پاکستانی ہوں یا انڈین ایک لڑکے نے اسکے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔انگلش میں بات کروں مجھے تمہاری زبان کی سمجھ نہیں آئی۔جعفر نے انگلش میں ان سے کہا۔اسے اردو آتی تھی لیکن وہ ان لڑکوں کے منہ نہیں لگانا چاہتا تھا اور نہ ہی انہیں اپنی قومیت بتانا چاہتا تھا۔آپ کو اردو نہیں آتی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ کونسے ملک سے ہو اس بار ایک لڑکے نے انگلش میں اس سے بات کرتے ہوئے کہا۔ دونوں لڑکوں نے داڑھی رکھی ہوئی تھی اور ان کی آنکھیں بھی عجیب سی تھیں۔ میں جورجیا سے ہو جعفر نے اسے اپنے بارے میں غلط بتاتے ہوئے کہا۔ جارجیا ترکی کے ساتھ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ بلیک سی کے کنارے پر آباد یہ چھوٹا سا ملک سابقہ سوویت یونین روس کا حصہ تھا۔

اس کی سرحدیں ایک طرف سے روس سے لگتی ہیں جبکہ دوسری طرف آذربائیجان آرمینیا اور ترکی لگتا ہے۔ اوہ تو آپ جورجین ہو لڑکوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ انہوں نے اپنی جیب سے پلاسٹک کے باریک دستانے نکالے اور اسے ہاتھوں پر پہننے لگے۔ جعفر نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے خطرہ محسوس ہو گیا تھا۔ دونوں لڑکوں نے اسے روکا تو وہ زور زور سے بولنے لگا۔ وہ دونوں اچانک اس سے لڑ پڑے۔ دو لڑکوں کے مقابلے میں وہ اکیلا تھا اس لئے آسانی سے زیر ہو گیا۔ لڑکوں نے اسے تین چار تھپڑ مارے۔ اسٹیشن پر موجود دوسرے لوگ انہیں چھڑوانے کے لیے آگے آئے لیکن لڑکوں نے اس سے پہلے ہی اسے چھوڑ دیا اور سیدھا آگے کی طرف بھاگ گئے۔ آگے ایک جگہ پر دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ ریلوے لائن اسٹیشن کے بالکل کونے پر موجود تھی۔ لڑکوں نے دیوار پر ہاتھ رکھا اور چھلانگ لگا کر دوسری طرف اتر گئے۔ دوسری طرف سڑک تھی لڑکوں نے سڑک کو کراس کیا اور سڑک کے دوسری طرف کالونی میں داخل ہو گئے۔ دو تین گلیاں کراس کرنے کے بعد ایک ٹرام کی لائن تھی لڑکے ادھر پہنچے تو ٹرام بھی آ گئی تھی۔ وہ ٹرام میں داخل ہوئے اور ٹرام انہیں لے کر شہر کے اندر کی طرف جانے لگی وہ شہر سے دور جا چکے تھے۔ دوسری طرف لوگ جعفر کے پاس پہنچے وہ زمین پر گر چکا تھا۔ لوگوں نے انہیں اٹھایا اسے زیادہ چوٹیں نہیں آئیں تھیں۔ وہ ٹھیک تھا اسے صرف چار پانچ تھپڑ اور کچھ مکے وغیرہ ہی لگے تھے۔ وہ بالکل ٹھیک تھا اس لئے آرام سے کھڑا ہو گیا۔ تم ٹھیک تو ہو نہ لوگوں نے اس سے پوچھا۔ ہاں ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے زیادہ چوٹیں نہیں آئیں ہیں اُس نے لوگوں سے کہا اور زمین پر موبائل دیکھنے لگا۔ لیکن موبائل وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ اس نے گھبراہٹ میں کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو بٹوا اور اس کے ساتھ ساتھ پیرس کے لیے ٹکٹ بھی غائب ہو چکی تھی۔ پاسپورٹ بٹوا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹکٹ لڑکے سب کچھ ہی چھین کر لے گئے تھے۔اس نے بے اختیار اپنے سر پر ہاتھ رکھا اور بینچ پر بیٹھ گیا۔اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا تھا۔وہ اپنے گھر سے ہزاروں کلومیٹر دور خالی ہاتھ بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ٹرین کی ٹکٹ ہی اگر اس کے پاس ہوتی تو وہ آسانی سے پیرس جا سکتا تھا۔لیکن یہاں پر اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔کیا ہوا بھائی صاحب خیریت تو ہے ناں زیادہ چوٹیں وغیرہ تو نہیں آئی ہیں۔ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اردو میں کہا۔یہ وہی آدمی تھا جو مجھے ریسٹورنٹ میں ملا تھا۔اور جس نے مجھے جعفر کو مارنے کے لیے ٹاسک دیا تھا۔وہ اس وقت جعفر کے سامنے کھڑا تھا۔قتل کروانے والا ہی مقتول کے سامنے کھڑا اس سے ہمدردی دکھا رہا تھا۔جعفر نے ایک نظر اسے دیکھا اور دوبارہ نظریں جھکا لیں۔یار وہ لڑکے میرا سب کچھ چھین کر لے گئے ہیں۔میری ٹرین کا ٹکٹ بھی ان کے پاس ہے۔میرا پاسپورٹ موبائل اور بٹوا سب کچھ چھین کر لے گئے ہیں۔میں اب واپس کیسے جاؤنگا جعفر نے پریشان لہجے میں کہا۔اوہ یہ تو بہت بُرا ہوا ہے۔آپ کا تو پاسپورٹ بھی گم ہو گیا ہے۔آدمی نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ہاں یار وہ سالے میرا سب کچھ چھین کر لے گئے ہیں۔جعفر نے غصے سے کہا۔واقعی سر یہ تو بڑی پریشانی کی بات ہے آپ میرے ساتھ آیئے نیچے پولیس اسٹیشن ہے پہلے اپنے پاسپورٹ کی گمشدگی کی رپورٹ کروا دیں۔آدمی نے جعفر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔نہیں یار پاسپورٹ کی گمشدگی کی رپورٹ میں اپنے شہر میں جا کر کرواؤں گا۔کیا آپ دو منٹ کے لئے مجھے اپنا فون دے سکتے ہیں جعفر نے اس سے موبائل مانگتے ہوئے کہا۔اس کے پاس دو نمبر پاسپورٹ تھا۔جعفر کا اصل پاسپورٹ پیرس میں موجود تھا۔جرمنی میں وہ دو نمبر پاسپورٹ پر آیا ہوا تھا۔اور اب تھانے جا کر پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔جرمنی میں ایک بہت بڑی گیم ہونے والی تھی۔دہشت گردی کا ایک بہت بڑا منصوبہ بن رہا تھا۔اور یہ سب کچھ اسی کا حصہ تھا۔اس دہشت گردی کے تانے بانے پاکستان انڈیا بی ایل اے اور داعش تک پھیلے ہوئے تھے۔سبھی لوگ ایک ایک کر کے جرمنی میں اکٹھے ہو رہے تھے۔جعفر بھی اسی کا ایک حصہ تھا۔مجھے جعفر کی موت کا ٹارگٹ دینے والے آدمی کا نام ندیم تھا اور وہ راولپنڈی کا رہنے والا تھا۔جعفر نے موبائل ندیم سے مانگا تو اس نے آرام سے موبائل اسے پکڑا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیا۔سرمیں کارلسروہے میں رہتا ہوں۔ یہاں سے ہم گروپ ٹکٹ لے لیتے ہیں میں کارلسروہے میں اُتر جاؤں گا جبکہ آپ اسی ٹکٹ پر سار بروکن تک جا سکتے ہیں۔وہاں سے پیرس کی ٹکٹ صرف تیس یا پینتیس یورو کے قریب ہوگی۔اگرآپ کا ادمی سار بروکن آ کرآپ کو لے جائے توٹھیک ہے ورنہ اگر آپ کو پیسوں کی ضرورت ہے تو میں آپ کو 40 یوروتک دے سکتا ہوں۔ندیم نے موبائل پکڑا نے سے پہلے پوری تفصیل سے اسے آفر کردی۔ پورے جرمنی میں نارمل ٹرین سے سفر کرنے کی ٹکٹ چوالیس یورو ہوتی ہے۔جو چوبیس گھنٹے کے لیئے پورے جرمنی میں آئی سی ٹرینوں کے علاوہ سبھی جگہ پر چلتی ہے۔ایک آدمی کی ٹکٹ 44 یوروکی ہوتی ہے جبکہ اس سے اوپر فی آدمی پانچ پانچ یوروکا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔دوآدمیوں کی ٹکٹ انچاس یورو ہوتی ہے۔

تین کی 54 اورایسے ہی پانچ پانچ یوروکا ہرآدمی کے ساتھ اضافہ ہوتا جاتا ہے۔اسے گروپ ٹکٹ کہتے ہیں۔ندیم اسی ٹکٹ کی بات کررہا تھا۔جعفر نے موبائل سے دوسری طرف بات کی اورندیم کے ساتھ جانے پرآمادہ ہوگیا۔اس کا آدمی سار بروکن تک آجاتا اوراسے ندیم سے پیسے لینے کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ ندیم نے اسے اپنے ساتھ لیا اور نیچے کاؤنٹر سے جا کر دوآدمیوں کی گروپ ٹکٹ لینے لگا۔وہ فرینکفرٹ سے ٹرین پکڑ کر پہلے ہائیڈل برگ آتے اور پھر ہائیڈل برگ سے دوسری ٹرین کارلسروہے آجاتی۔

دوسری طرف میں تین بجے کے قریب گھر سے نکلا۔میں نے رائفل والا بیگ لیا شہر سے باہر موجود کار میں رکھا اور وائین گارٹن کی طرف روانہ ہوگیا۔کارسے میں پندرہ منٹ کے اندر اندر اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گیا۔میں نے کارکوکچی سڑک پر جنگل سے باہر ہی کھڑا کیا اورایک بار پھر اندر جنگل کا چکر لگا آیا۔میں نے رائفل کے بیگ کو درختوں کے اندر چھپایا اور باہرآ گیا۔ابھی چار بج چکے تھے۔ٹرین کے آنے کا ٹائم ساڑھے چار بجے کے قریب تھا۔میں نے باہرآ کر پورے علاقے کا اچھی طرح جائزہ لیا اوررائفل کو لے کراوپر پوسٹ پر بیٹھ گیا۔میں نے بیگ کھولا اوررائفل کے ٹکڑوں کو جوڑ نے لگا۔ٹکڑے جوڑ کر میں نے خالی رائفل کے ایک دو برسٹ مارے اورمیگزین لگا کر بولٹ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مارا۔گولی اب میگزین سے نکل کر رائفل میں آ چکی تھی۔میں مکمل تیار ہو چکا تھا اور ٹرین کا انتظار کر رہا تھا۔

ندیم جعفر کو لے کر ہائیڈل برگ آ گیا۔یہاں سے انہوں نے ٹرین تبدیل کی اور کارلسروہے والی ٹرین میں بیٹھ گئے۔ندیم نے کھڑکی کی طرف والی سیٹوں کا انتظام پہلے سے ہی کر رکھا تھا۔اس نے جعفر کو کھڑکی کی طرف والی سیٹ پر بٹھایا اور خود اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ندیم بھائی آپ کی بہت مہربانی ہے آپ نے واقعی مجھے بہت بڑی پریشانی سے بچا لیا ہے۔جعفر نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔کوئی بات نہیں جعفر صاحب یہ تو میرا فرض تھا۔پرائے ملک میں ایک پاکستانی بھی اپنے پاکستانی بھائی کی مدد نہیں کرے گا تو اور کون کرے گا۔ندیم نے انکساری سے جواب دیتے ہوئے کہا۔پھر بھی بھائی آپ کا شکریہ تو بنتا ہے۔اگر آپ مجھے ادھر نہ ملتے تو میں اب تک ادھر فرینکفرٹ میں ہی ذلیل ہو رہا ہوتا۔جعفر نے باہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ٹرین ہائیڈل برگ سے باہر نکل چکی تھی اور بادشورن بورن پہنچ چکی تھی۔اس سے اگلا سٹاپ بروکسال تھا اور پھر بروکسال سے یہ میرے آگے سے گزرتی ہوئی کارلسروہے چلی جاتی۔ندیم بھائی آپ ادھر کارل سروہے میں کیا کام کرتے ہیں۔جعفر ان سے کام کا پوچھنے لگا۔میرا ادھر ایک ریسٹورنٹ ہے۔زیادہ تو نہیں چلتا لیکن پھر بھی خدا کا شکر ہے گزر اوقات اچھی ہو جاتی ہے ندیم نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔اوہ آپ ریسٹورنٹ کا بزنس کرتے ہیں میں بھی ریسٹورنٹ کا ہی بزنس کرتا ہوں۔آپ کبھی پیرس آئیں تو میرے پاس ضرور آنا۔مجھے آپ سے مل کر خوشی ہو گی۔جعفر اب آہستہ آہستہ ندیم سے مانوس ہونے لگا تھا۔وہ وقتی جھٹکے سے نکل چکا تھا اور اسے ندیم کی شرافت پر بھی یقین آ گیا تھا۔اسی لیے وہ ندیم سے کھل کر بات کر رہا تھا۔ٹرین بروکسال پہنچ کر دو منٹ کے لئے رکی اور پھر آگے بڑھ گئی۔بروکسال سے آگے میرے پاس پہنچنے کے لیے ٹرین کو دس منٹ لگتے تھے۔ندیم نے جعفر کو باتوں میں لگانا شروع کر دیا۔وہ اب ایک منٹ کے لئے بھی جعفر کو بور نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔وہ مسلسل بات کر رہا تھا۔جعفر بھی اس کے ساتھ باتوں میں شریک ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کارلسروہے شہر کے مین اسٹیشن سے باہر ایک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نوجوان بیٹا ہوا تھا۔اس کا نام جمیل تھا یہ آئی ٹی انجینئر تھا۔ یہ انجینئر نہیں بلکہ ہیکر تھا۔بیس بائیس سال کا بہت خوبصورت نوجوان کھلتا ہوا سفید رنگ اور موٹی موٹی آنکھیں اسے یورپین ٹچ رہی تھی۔اصل میں وہ لڑکا پاکستانی تھا جو اس وقت کارلسروہے کہ مین اسٹیشن جیسے جرمن زبان میں ایچ بی ایف کہا جاتا ہے کے مین سرور کو ہیک کر رہا تھا۔جمیل کے لیے یہ زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔اس نے ایک منٹ میں ہی سرور کو ہیک کیا اور ہائیڈل برگ سے کارلسروہے جانے والی ٹرین کو روک دیا۔ یہ معمول کی کارروائی ہوتی ہے۔چھوٹی ٹرینیں بڑی انٹرنیشنل ٹرینوں کو راستہ دیتی ہیں۔لڑکے نے ٹرین کو اشارہ دیا تو کارلسروہے جانے والی ٹرین نے مین لائن کو چھوڑا اور وائن گارٹن سے آگے ایک چھوٹی لائن پر چلی گئی اور تھوڑا آگے جا کر رک گئی۔جمیل نے اپنا لیپ ٹاپ بند کیا اور وہاں سے چلا گیا اس کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ندیم نے ایک نظر باہر کی طرف دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔جعفر بھائی آپ ایک منٹ بیٹھو میں ذرا آگے سے ہو کر آتا ہوں۔ وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا اور جیسے ہی ایک سیٹ آگے گیا ایک سنسناتی ہوئی گولی آئی اور ٹرین کے شیشے کو پھاڑتی ہوئی جعفر کے سر میں گے اور دوسری طرف سے نکل گئی۔

میں لکڑی کی پوسٹ پر بیٹھا ٹرین کا انتظار کر رہا تھا۔ٹرین ساڑھے چار بجے کے قریب آنے والی تھی۔ میں نے موبائل سے ٹائم دیکھا پورے ساڑھے چار بج چکے تھے۔

میں نے رائفل کی دوربین سے نظر لگا کر دور ریل کی پٹڑی پر دیکھا۔سب کچھ واضح نظر آ رہا تھا۔میں مکمل مطمئن تھا۔ مجھے دونوں طرف سے اوکے کے پیغام مل چکے تھے۔جس کا مطلب یہ تھا کہ سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق چل رہا ہے۔ٹھیک دو منٹ بعد مجھے ٹرین نظر آ گئے۔ وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ یہ ٹرین کی اصل پٹری کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی پٹری تھی جو اصل لائن سے ہٹ کر تھی۔چھوٹی ٹرینیں پیچھے سے آنے والے انٹرنیشنل ٹرینوں کو راستہ دینے کے لیے اس طرف آ کر کھڑی ہو جاتی تھیں پھر پانچ منٹ رکنے کے بعد آگے بڑھ جاتی تھیں۔ یہ ٹوٹل ایک کلومیٹر کی چھوٹی سی لائین تھی جو آگے جا کر پھر بڑی لائین سے مل جاتی تھی۔ٹرین میرے بالکل سامنے کھیتوں کے دوسری طرف کھڑی تھی۔ میں نے دوربین کے آئینے میں آنکھ لگائی اور آگے سے پانچویں ڈبے کے نچلے حصے کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کھڑکیوں میں دیکھنے لگا۔ہائیڈل برگ سے کارلسروہے آنے والے ٹرین دومنزلہ تھی۔یہ انگلنڈ کی ڈبل ڈیکر بسوں کی طرح دومنزلہ ہوتی ہیں۔جرمنی میں زیادہ تر ٹرینیں ڈبل ڈیکر ہی ہوتی ہیں اور یہ جرمنی میں ہی تیار ہوتی ہیں۔اس میں مسافر اوپر اور نیچے دونوں جگہوں پر بیٹھتے ہیں۔پاکستانی ٹرینوں کی طرح ان میں برتھیں نہیں ہوتیں۔ان میں سونے کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔صرف بڑی انٹرنیشنل ٹرینوں میں بوتھ ہوتے ہیں اور ان میں برتھیں بھی ہوتی ہیں۔بڑی ائی سی ٹرین بہت تیز رفتار ہوتی ہے اور وہ صرف بڑے بڑے شہروں میں ہی رکھتی ہے۔اس کا کرایہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔نارمل ٹرین کا برلن سے میونخ کا کرایہ چوالیس یورو ہوتا ہے جو جرمنی کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ہوتا ہے۔لیکن یہ ہی برلن سے میونخ کا آئی سی کا کرایہ ایک سو پچاس یورو تک ہوتا ہے۔ٹرین میں فسٹ کلاس ڈبے بھی ہوتے ہیں جن کے کرائے تین سو یورو سے بھی زیادہ ہوتا ھے۔یہ پاکستانی 35 ہزار روپے بنتے ہیں۔میں دوربین سے آنکھ لگا کر ایک ایک شیشے کو دیکھ رہا تھا۔مجھے پانچویں ڈبے کی چوتھی کھڑکی میں ندیم بیٹھا ہوا نظر آ گیا جو کھڑا ہو رہا تھا۔میں نے رائفل کا بولٹ پہلے ہی مارا ہوا تھا۔رائفل سنگل اور برسٹ دونوں قسم کے فائر کرتی تھی میں نے اسے سنگل پوزیشن پر رکھا ہوا تھا۔میگزین فل بھری ہوئی تھی۔میں نے رائفل سے ندیم کے ساتھ بیٹھے ہوئے جعفر کے سر کا نشانہ لیا اور سانس بند کر لی۔میں اس وقت بالکل ساکت بیٹھا ہوا تھا۔مجھے جعفر کے سر کے علاوہ اور کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ہر چیز ہی اس وقت ساکن ہو گئی تھی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے دنیا کی گردشیں ہی رک گئی ہو وقت تھم گیا ہو۔پہلے دو سیکنڈ تک میرے ہاتھ کی انگلی میں غیر محسوس سی حرکت ہو رہی تھی لیکن بعد میں وہ بھی تھم گئی۔میرا دماغ بالکل ساکن ہو گیا۔میں نے انگلی سے رائفل کے ٹریگر کو دبایا۔سنائپر رائفل میں ہمیشہ دو پل ہوتے ہیں۔تھوڑی سختی سے پہلا پُل نکل جاتا ہے تو رائفل بالکل تیار ہو جاتی ہے۔اُنگلی کی ہلکی سی جنبش سے بلٹ نکل جاتی ہے۔سنائپر رائفل کا ٹریگر ہمیشہ دو حصوں میں پریس ہوتا ہے۔پہلے حصے میں تھوڑا زور لگا کر ادھر ہی رکنا پڑتا ہے اور پھر ہلکی سی جنبش سے گولی نکل جاتی ہے۔میں نے دباؤ بڑھایا سانس کو پہلے سے ہی میں نے مضبوطی سے دبا لیا تھا۔میری بالکل چھوٹی سی انگلی کی جنبش سے گولی نکلی اور ایک سیکنڈ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں ہی ٹرین کی کھڑکی کو توڑتی ہوئی جعفر کے سر میں گھس گئی۔اس کا پورا سر ہیں دھماکے سے اڑ گیا تھا۔میں نے ایک اور گولی اس کے مردہ جسم میں ماری اور تیسری گولی سے ٹرین کے دروازے کے قفل کو نشانہ بنایا۔جرمنی کی سبھی ٹرینوں کے دروازے آٹو میٹک ہوتے ہیں۔دروازے کے بالکل نیچے کی طرف ایک لاک لگا ہوا ہوتا ہے۔یہاں دروازے کے لاک کا سرکٹ ہوتا ہے۔اسی سے دروازہ کھلتا اور بند ہوتا ہے۔میں نے رائفل کی تیسری گولی سے اس سرکٹ کو اڑا دیا۔مجھے ٹرین کا دروازہ کھلتا ہوا دکھائی دیا تو میں نے جلدی سے رائفل کو اٹھایا اور بھاگتا ہوا جنگل سے باہر کار کی طرف بڑھنے لگا۔دروازہ کھلنے سے لوگ ٹرین سے باہر نکل آئے۔ٹرین کے اندر آدمی مرنے کی خبر انتہائی تیزی سے پھیلی اور کچھ ہی لمحوں میں یہ خبر پوری ٹرین کو ہو چکی تھی۔لوگ ٹرین سے باہر آ گئے تھے ندیم بھی ٹرین سے باہر آیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھیت کے قریب گیا اور پھر کھیت میں داخل ہو گیا۔دوسری طرف کھیت کے کنارے پر میں گاڑی لیے اس کا انتظار کر رہا تھا۔وہ کھیت میں داخل ہوا اور پھر اس نے دوڑ لگا دی۔پانچ سو میٹر کا فاصلہ اس نے ایک منٹ میں ہی طے کر لیا اور دوسری طرف پہنچ گیا۔کچی سڑک پر میں کار لیے تیار کھڑا تھا۔وہ جیسے ہی کھیت سے باہر نکلا میں نے کار کا دروازہ کھولا اسے اندر بٹھایا اور گاڑی کو پوری رفتار سے آگے بڑھا دیا۔ابھی ہمارا رخ کارلسروہے یا ہائیڈل برگ کی بجائے بریٹن کی طرف تھا۔یہ ٹوٹل 20 منٹ کا سفر تھا جسے میں نے پندرہ منٹ میں ہی پورا کر دیا۔بریٹن کارلسروہے کے قریب ہی ایک چھوٹا سا ٹاؤن ہے۔ہم وہاں پہنچے تو ایک لڑکا پہلے ہی ادھر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔میں نے کار اور رائفل اس کے حوالے کر دی۔

گاڑی اور رائفل اس لڑکے کے حوالے کرنے کے بعد ہم دونوں بریٹن کے ٹرین اسٹیشن پر چلے گئے۔یہاں سے اس نے سٹوٹ گارٹ اور پھر سٹور گارٹ سے سویز رلینڈ چلا جانا تھا۔اسٹوٹ گارٹ سے سوئٹزرلینڈ کا شہر زیورخ صرف تین گھنٹے کی مسافت پر تھا۔وہ آرام سے سویز رلینڈ چلے جاتے اور آج رات کی ہی فلائٹ سے پاکستان واپس روانہ ہو جاتے۔میں نے اسٹیشن سے ان کے لیے سٹوٹ گارٹ کی ٹکٹ لی اور انہیں پکڑا دی۔سر یہ سٹوٹ گارٹ کی ٹکٹ ہے وہاں سے آپ کو زیورخ کی ٹکٹ مل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائے گی۔ میں نے ادھر سے ڈائریکٹ زیورخ کی ٹکٹ نہیں لی تھی۔ یہاں کوئی خطرہ تو نہیں تھا لیکن پھر بھی ہم لوگ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ راضی پوچھو گے نہیں وہ آدمی کون تھا جسکو تم نے مارا ہے ندیم نے مجھ سے ٹکٹ لیتے ہوئے کہا۔ نہیں سر مجھے صرف اپنے کام سے مطلب ہے وہ کون تھا اس کا نام کیا تھا مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ پھر بھی یار تھوڑا سا تجسس تو ضرور ہوتا ہے۔ تم نے ابھی ابھی ایک آدمی کو گولی سے اڑایا ہے۔ جس کا تمہیں نام تک پتا نہیں ہے۔ وہ کون تھا کہاں سے آیا تھا اس کی فیملی بچے آخر کسی چیز کا تو تمہیں علم ہونا چاہیے ناں۔ تم مجھ سے کچھ بھی پوچھنا نہیں چاہو گے۔ اس نے مجھ سے سوال کیا۔ نہیں سر اس کی بیوی اور بچوں کا سوچنا ایجنسی کا کام ہے۔ اور مجھے پورا اعتماد ہے کہ ایجنسی کبھی بھی غلط فیصلہ نہیں کرتی۔ مجھے صرف مارنے کا ٹارگٹ دیا گیا تھا۔ وہ کون تھا کہاں سے آیا تھا اور کہاں جا رہا تھا۔ میری اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے تو آپ کا نام بھی معلوم نہیں ہے اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ آپ زیورخ نہیں جا رہے ہیں۔ اسٹوٹ گارٹ سے آگے کدھر جائیں گے اسکا صرف ایجنسی کو ہی علم ہے۔ ہمیں یہی سکھایا گیا ہے۔ ہم سب ایک دوسرے سے انجان رہیں گے تو سبھی محفوظ رہیں گے۔ ورنہ جرمنی جیسا ترقی یافتہ ملک ہم سب کو کھا جائے گا۔ میں نے سیریس جواب دیا۔ صحیح کہہ رہے ہو راضی تم بہت زیادہ پروفیشنل ہو۔ مجھے تمہارے بارے میں پہلے ہی بتایا گیا تھا۔ کہ تم صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہو۔ میں ویسے ہی تم سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ اسٹوٹ گارٹ والی ٹرین ابھی تک نہیں آئی تھی ہم دونوں بریٹن کے پلیٹ فارم پر ہی ٹرین کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ یہ ریلوے لائن وائن گارٹن والی لائن سے مختلف اور دوسری طرف تھی۔ اس لائین کا کوئی بھی کنیکشن وائین گارٹن کی طرف سے نہیں تھا۔ یہاں سے ٹرین پہلے بروکسال جاتی تھی اور وہاں سے لائن چینگ ہو کر کارلسروہے کی طرف نکلتی تھی جس کے راستے میں وائن گارٹن تھا۔ جعفر وائن گارٹن کے پاس مرا تھا۔ اس طرف بھی ٹرینوں کی آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔ البتہ حادثے والی ٹرین ابھی تک ادھر ہی کھڑی تھی۔ اور اس کے مسافروں کو دوسرے ٹرین میں سوار کروا دیا گیا تھا۔ جرمن انٹیلی جنس ادارے اور پولیس اس جگہ پہنچ گئی تھی۔ وہ لوگ پوری دلجمعی سے تفتیش کر رہے تھے۔ وہ لوگ اپنا کام تیزی سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کررہے تھے جب کہ ہم ان سے دور آرام سے اپنی ٹرین تھا انتظار کررہے تھے۔ہم نے اپنے پیچھے کوئی بھی ثبوت نہیں چھوڑا تھا۔پولیس اورانٹیلی جنس ادارے کبھی بھی ہم تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بریٹن سے سٹٹگارٹ کے لیے ہر پندرہ منٹ بعد ایک ٹرین نکلتی تھی۔ یہاں سے صبح پانچ بجے سے لے کر ہر رات 12 بجے تک مسلسل ہر ایک گھنٹے میں چار ٹرینیں نکلتی تھیں۔بارہ سے پانچ تک ٹرین بند ہوتی تھی۔ بارہ بجے سے ٹرینیں بند ہونا شروع ہوجاتی ہیں اور ایک بجے کے بعد پورے جرمنی میں کہیں بھی کوئی ٹرین نہیں چل رہی ہوتی ہے۔صرف بڑی انٹرنیشنل ٹرینیں چلتی ہیں باقی چھوٹی لوکل ٹرینیں بند ہو جاتی ہیں۔ ہماری مطلوبہ ٹرین آگئی تو وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ میں بھی جلدی سے ان کے ساتھ ہی اُٹھ گیا۔ راضی تمہارے ضمیر پر کوئی بوجھ وغیرہ تو نہیں ہے کوئی ندامت یا شرمندگی انہوں نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔نہیں سر مجھے کوئی ندامت نہیں ہے۔ یہ میرا کام ہے اور مجھے اس کام پر فخر ہے۔اس کے مرنے کا حکم ایجنسی نے دیا ہے اور اگر ہم نہ مارتے تو کوئی اور ماردیتا۔مرنا تو اس نے تھا ہی تو پھر مارنے پر ندامت کیسی۔ میں نے ان سے ہاتھ ملایا اور اسٹیشن سے باہر آ گیا۔شہر کے اندر سے جا کر میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور فور سائم آ گیا۔ یہاں سے میں نے ایک لوکل ٹرین پکڑی اور واپس کارلسروہے آ گیا۔گھر پہنچ کر میں نے جلدی جلدی نہا کر کپڑے تبدیل کئے اور ریسٹورنٹ پر چلا گیا۔ میں نے دوپہر کو بہت ہلکا سا کھانا کھایا تھا۔ابھی رات کے نو بج چکے تھے۔ریسٹورنٹ رات کے 11 بجے تک کھلا رہتا تھا۔ میں نے ریسٹورنٹ سے کھانا کھایا اور سفید وردی پہن کر کاؤنٹر پر چلا گیا۔ ریسٹورنٹ میں گاہکوں کا کافی رش تھا۔ مالک اور اس کی بیوی دونوں اس وقت کام پر لگے ہوئے تھے۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر اللہ کا نام دیا اور ایک نئی آئی ٹیبل کی طرف چلا گیا۔ٹیبل پر یہ نئے گاہک آئے تھے اور وہ ابھی رسٹورنٹ کا مینو دیکھ رہے تھے۔گٹن آبنڈ بٹے میں نے جرمن میں ان سے سلام لیا اور ان کا آرڈر لینے لگا۔

لڑکی کے ماں باپ زندہ اس کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ باس نے روہت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ اس لیے ہے

تاکہ لڑکی کو بلیک میل کیا جا سکے تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو۔ باس اس سے پوچھنے لگے۔ باس اگر ہم لڑکی کو لے کر آتے ہیں۔ اسے چار پانچ دن اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اس دوران ہم اس کی کی ویڈیو بنا سکتے ہیں جسے بعد میں مختلف ویب سائٹوں کو بیچ کر آرام سے پیسہ کمایا جا سکتا ہے۔ ہم دونوں طرف سے پیسے کما سکتے ہیں۔ روہت نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ یار بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ انہوں نے صرف لڑکی مانگی ہے۔ ہم لڑکی کی پندرہ بیس اچھی اچھی ویڈیو بنائیں گے اور پھر لڑکی کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ ان کا بھی کام ہو جائے گا اور ہمارا بھی کام بن جائے گا۔ باس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ جی باس ہمیں تو صرف پیسوں سے ہی غرض ہے اور اگر پیسے دونوں طرف سے آ رہے ہوں تو ہمیں بھی دونوں طرف سے یہ پیسے اکٹھے کرنے چاہیں۔ اس لڑکی کی خوبصورتی صرف ہم لوگوں تک ہی کیوں محدود رہے۔ باقی دنیا بھی اس کے حسن کو دیکھ سکے۔ لوگ بھی انڈیا کا خوبصورت چہرہ دیکھیں۔ ان لوگوں کو بھی تو پتہ چلے کہ انڈین لڑکیاں بستر میں کیا کچھ کر سکتی ہیں۔ روہت نے اوباش لہجے میں کہا۔ اس کی نظر ایک بار پھر لیپ ٹاپ کی سکرین پر پہنچ گئی تھیں۔ جہاں اب بھی ویڈیو چل رہی تھی۔ لکھویندر ویڈیو میں بالکل سیدھا لیٹا ہوا تھا اور کنو اس کے پیٹ اور چھاتی کو چوم رہی تھی۔ سر یہ کونسا طریقہ ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے ویڈیو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ لگتا ہے تمہارا بھی دل آ گیا ہے لڑکی پر باس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سر دل تو میرا بھی ہے باقی جیسے آپ کی مرضی ہے۔ آپ پہلے خود مطمئن ہو جائیں تو اس کے بعد میں بھی اس میں کچھ حصہ ڈالوں گا۔ اس کی نظریں ابھی تک ویڈیو میں ہی اٹکی ہوئی تھیں جہاں اب پوزیشن الٹی ہو گئی تھی اس بار کنو سیدھی لیٹ گئی تھی اور لکھویندر اوپر آ گیا تھا۔ کوئی بات نہیں یار جب لڑکی ایک بار ادھر آ گئی تو پھر سب کی ہو گی۔ ہمارے پاس پورا ہفتہ ہو گا۔ اور اس ایک ہفتے میں ہم اپنے سارے ارمان نکال کر ہی اسے انڈیا سے باہر بھیجیں گے۔ باس کو بی روہت کی دلچسپی محسوس ہو گئی تھی۔ وہ خود بھی کنو میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اتنی خوبصورت لڑکی کو کوئی بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینے والا تھا۔ سبھی کو کنو چاہیے تھی۔ اور آنے والے ہفتے میں سبھی کو کنو ملنے والی تھی۔ باس اب میرے لیے کیا حکم ہے مجھے اب کیا کرنا ہو گا اس نے باس سے آگے کا پروگرام

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

پوچھا۔ہاں روہت تم ایسا کرو لڑکی اور لڑکے دونوں کو اغوا کر کے لے آؤ۔لڑکا ہمارے پاس ہوگا تو لڑکی اور لڑکے کی دو تین اور ویڈیو بھی بنا لیں گے۔لڑکا کافی خوبصورت ہے۔ان دونوں کی اکٹھی ویڈیو ہمیں بہت سا پیسہ دے گی۔ب اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ آ گئی۔ٹھیک ہے باس میں ابھی نکلتا ہوں۔رات سے پہلے پہلے دونوں لڑکی اور لڑکا اور کنو کے والدین بھی ہمارے قبضے میں ہوں گے۔اس نے پر اعتماد لہجے میں کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔بلڈنگ کے باہر اس کے آدمی گاڑی لے کر کھڑے تھے۔انہوں نے روہت کو بلڈنگ کے باہر اتارہ اور پھر نیچے کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرنے لگے تھے۔روہت کے ساتھ دو گاڑیاں تھیں اور وہ پانچ لوگ تھے۔وہ سارے نیچے اسی کا ہی انتظار کر رہے تھے۔جیسے ہی روہت نیچے آیا ایک آدمی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور جیسے ہی وہ کار میں بیٹھا اس نے کار کا دروازہ بند کیا اور پیچھے والی سیٹ پر خود بھی بیٹھ گیا۔باس کدھر جانا ہے ڈرائیور نے اسکے بیٹھتے ہیں گاڑی سٹارٹ کی اور اس سے پوچھنے لگا۔گاڑی کو پنجاب کی طرف لے چلو ہم نے ابھی امرتسر جانا ہے۔روہت نے سامنے سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔جی باس امرتسر جانا ہے آپ راستہ بتا دیں اوپر چندی گڑھ کی طرف سے جانا ہے یا ادھر راجستھان کی سرحد کے ساتھ ساتھ بھی ایک روڈ ہے جو سرسا اور موگے کی طرف جاتا ہے۔ڈرائیور نے گاڑی کو گیر میں ڈال لیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ غازی آباد سے دلی کی طرف جا رہا تھا۔تم گاڑی کو دلی شہر کے اندر لے جانے کی بجائے باہر سے ہی سونی پت کی طرف لے جاؤ۔وہاں سے پٹیالہ اور لدھیانہ کی طرف سے ہوتے ہوئے ہم امرتسر چلے جائیں گے۔اس نے ڈرائیور کو پوری تفصیل سے راستہ بتایا تو ڈرائیور نے سر ہلایا اور گاڑی کو دلی شہر سے باہر کی طرف جانے والی میں مین روڈ پر لے گیا۔گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی رہی اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ 120 کی سپیڈ سے روڈ پر چل رہی تھی۔یہ مین روڈ دہلی کے اندر جانے کی بجائے باہر باہر سے ہی تھا۔غازی آباد سے سونی پت 71 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔جبکہ سونی پت سے پانی پت مزید 52 کلومیٹر دور تھا۔ڈرائیور ڈیڑھ گھنٹے میں غازی آباد سے پانی پت پہنچ گیا۔پانی پت انڈیا کی ریاست ہریانہ کا ایک چھوٹا سا تاریخی شہر ہے۔یہ چندی گڑھ سے 170

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ہریانہ ریاست پہلے پنجاب کا ہی حصہ تھی جسے بعد میں انڈین گورنمنٹ نے پنجاب سے علیحدہ کر کے ایک الگ ریاست بنا دیا۔ آزادی کے وقت انڈین پنجاب بہت بڑا صوبہ ہوتا تھا۔ یہاں سکھوں کی اکثریت تھی۔ انڈیا کو سکھوں سے کچھ خطرہ تھا۔ سکھ اپنے لئے الگ مملکت کا مطالبہ کر سکتے تھے۔

انڈین گورنمنٹ نے پنجاب کو توڑ کر چھوٹا کر دیا۔ پنجاب کا کچھ حصہ ہماچل پردیش میں شامل کیا گیا اور نیچے کچھ حصہ راجستھان میں ضم کر دیا گیا۔ جبکہ باقی ماندہ پنجاب کے دو حصے کر کے ہریانہ ریاست بھی بنا دی گئی۔ اب انڈین پنجاب کا رقبہ صرف 50 ہزار مربع کیلومیٹر ہے۔ پاکستانی پنجاب کا رقبہ 2 لاکھ 5 ہزار تین سو چوالیس مربع کلومیٹر ہے۔ جبکہ ہمارے بلوچستان کا رقبہ ساڑھے تین لاکھ مربع کیلومیٹر ہے۔ شاید کسی دن ہمارے حکمرانوں کو بھی عقل آ جائے۔ اور وہ بڑے بڑے دیوہیکل صوبوں کو چھوٹا کر دی۔ اس سے علیحدگی پسند تحریکیں بھی ختم ہو جاتی ہیں اور ریاست کا کنٹرول بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ پنجاب کا رقبہ کم ہوگا تو دوسرے صوبوں کی نفرت بھی پنجاب کے خلاف کم ہو جائے گی۔ ہمارے صرف ایک صوبہ بلوچستان کا رقبہ جرمنی کے رقبے کے برابر ہے۔ جب کہ جرمنی کے 16 صوبے ہیں۔ ہمیں بلوچستان اور پنجاب دونوں صوبوں کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے صوبوں میں تقسیم کرنا ہوگا۔ ہمارا صوبہ بلوچستان نیوزی لینڈ اٹلی اور انگلینڈ سے بھی رقبے کے لحاظ سے بڑا ہے۔ خدا نے اگر ہمیں اتنا بڑا ملک دیا ہے تو ہمیں اِس ملک کی قدر کرنی چاہیے۔ چھوٹے صوبے بناو اور صوبائی خودمختاری دو ملک خود بخود ترقی کر جائے گا۔ روہت اور اس کے آدمیوں کی کاریں پانی پت سے آگے آ گئی تھیں۔ وہ چندی گڑھ کی طرف جانے کی بجائے پٹیالہ کی طرف مڑ گئے۔ پٹیالہ سے وہ لودھیانہ پہنچے اور پھر وہاں سے جالندھر نکل گئے۔ جالندھر سے امرتسر 82 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ چالیس پینتالیس منٹ کی ڈرائیو پر وہ امرتسر آ گئے۔ رات ہو گئی تھی کنواسی شہر کی رہنے والی تھی۔ امرتسر لاہور سے صرف اٹھائیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ پاکستان کے ننکانہ صاحب کے بعد یہ سکھوں کا دوسرا مقدس ترین شہر ہے۔ یہاں کا گولڈن ٹیمپل جسے عرفِ عام میں ہرمندر صاحب بھی کہتے ہیں۔ یہ سکھوں کا سب سے بڑا گردوارہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ چوراسی کے دنگھوں میں اندرا گاندھی نے اسی گولڈن ٹیمپل پر آرمی کی چڑھائی کروائی تھی۔ انڈین آرمی نے اس مقدس گردوارے کا تقدس پامال کیا تھا۔ جس کے ری ایکشن پر اندرا گاندھی کو اسی کے سکھ باڈی گارڈوں نے مار دیا تھا۔ امرتسر شہر کی آبادی 15 لاکھ کے قریب ہے۔ کنو کا گھر گرونانک دیو یونیورسٹی کے قریب آزاد نگر کالونی میں تھا۔ یہ کالونی امرتسر شہر کے مین علاقے سے باہر کی طرف تھی۔ روہت نے کنو اور لکھویندر کے گھروں کے پتے راجیش سے لے لیے تھے۔ راجیش نے دونوں کے موبائل فون کو ہیک کر کے ان کے گھروں کے پتے بھی لے لئے تھے۔ یہ زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ کنو تو امرتسر شہر میں ہی رہتی تھی۔ اس لیے روہت نے پہلے کنو کو ہی اغوا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ دونوں کاریں کنو کے گھر کے باہر آ کر رکی تو روہت کار سے اتر کر باہر آ گیا۔ اُس نے ایک نظر گلی کا جائزہ لیا۔ کافی بڑی اور کشادہ گلی تھی۔ جس کے ایک کونے پر پان سگریٹ کی ایک دوکان تھی۔ جو ابھی بھی کھلی ہوئی تھی۔ اور اسکا ادھیڑ عمر سردار دکان دار دکان کے کاؤنٹر سے باہر جھانک رہا تھا۔ روہت نے غصے سے دکاندار کی طرف دیکھا تو وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ مٹھو اس نے غصے سے اونچی آواز میں کہا۔ جی باس روہت نے جس کا نام مٹھو بولا تھا اُس نے آگے آتے ہوئے کہا۔ اس سالے دوکاندار کو اوپر پہنچا دو اسے کچھ زیادہ ہی شوق ہے جاسوسی کرنے کا اس نے دکاندار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو مٹھو دکان کی طرف بڑھ گیا۔ روہت نے آگے بڑھ کر کنو کے دروازے پر دستک دی۔ کون آ گیا ہے اس وقت گھر کے اندر سے ایک مردانہ آواز آئی۔ ہم سی بی آئی سے ہیں۔ میرا نام انسپکٹر وجے ہے۔ روہت نے خالص ہندی لہجے میں کہا۔ سی بی آئی والے میرے دروازے پر دوسری طرف سے آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھول دیا گیا۔ ناگ پال آپ کا ہی نام ہے۔ روہت نے قدرے تُرش لہجے میں کہا۔ جی،،، جی سر ناگ پال میرا ہی نام ہے مجھ سے کون سا جرم سرزد ہو گیا ہے جو سی بی آئی والے میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔ کنو کے والد کا نام ناگپال تھا اور اس وقت وہی دروازہ کھولنے کے لیے آئے تھے۔ باقی گھر والے اندر تھے۔ سی بی آئی کا نام سُن کر ہی وہ اچھا خاصا گھبرا گئے تھے۔ زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ناگپال صاحب ہم صرف آپ کے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ اگر آپ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے کچھ نہیں کیا ہے کوئی جرم نہیں کیا ہے تو آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سی بی آئی والے آپ لوگوں کے محافظ ہیں کوئی دشمن تھوڑی ہیں روہت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جی سر آپ ٹھیک کہ رہے ہیں جو جی سر آپ ٹھیک کہ رہے ہیں کنو کے والد نے اٹکتے ہوئے کہا۔ پریشانی کے آثار اس کے چہرے پر بہت گہرے ہو گئے تھے۔ کیا ہم اندر آ سکتے ہیں۔ اس نے اندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جی جی سر آپ آ سکتے ہیں اور تلاشی لے سکتے ہیں کنو کے والد نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔ روہت نے ایک نظر باہر کی طرف ڈالی۔ مٹھو دکان سے باہر آ رہا تھا۔ جس نے اسے باہر ہی رہنے کا اشارہ کیا اور خود باقی لوگوں کو ساتھ لے کر اندر چلا اس نے اسے باہر ہی رہنے کا اشارہ کیا اور خود باقی لوگوں کو ساتھ لے کر اندر چلا گیا۔ اندر دو کمرے اور ایک کیچن تھا۔

سارے گھر والے اس وقت کچن میں کھانا کھانے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ کنو اور اس کے دونوں چھوٹے بھائی بھی اس وقت اپنی والدہ کے ساتھ ہی کچن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کنو کے والد بھی یہیں سے اٹھ کر باہر گئے تھے۔ روہت اور اس کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر وہ ڈر گئے۔ نمسکار آپ سب لوگوں کو میرا نام انسپکٹر وجے ہے اور میں اس گھر کی تلاشی لینے آیا ہوں۔ آپ لوگ آرام سے بیٹھیں ہم صرف اپنا کام کریں گے اور تلاشی کے دوران اگر آپ کے گھر سے کچھ بھی برآمد نہ ہوا تو ہم خاموشی سے واپس چلے جائیں گے۔ روہت نے تقریر کے سے انداز میں کہا۔ ناگپال صاحب آپ ہمارے ساتھ آ جائیں ہم آپ کے سامنے ہی آپ کے گھر کی تلاشی لیں گے۔ جبا کہ باقی لوگ ادھر کچن میں ہی بیٹھے رہیں گے۔ روہت نے کنو کے والد کو ساتھ لیا اور ایک کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ کنو اور اس کے دونوں بھائیوں کا کمرا تھا۔ جبکہ دوسرے کمرے میں اس کے والدین سوتے تھے۔ ناگپال صاحب یہ آپ کا کمرا ہے۔ ناگپال صاحب یہ آپ کا کمرا ہے روہت نے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ نہیں سر یہ بچوں کا کمرا ہے ہمارا کمرا دوسرا ہے ناگپال نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے میں دیکھ لیتا ہوں روہت نے سر ہلایا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک شیشے نکال لی۔ راجو روہت نے راجو کا نام لے کر پکارا تو ناگ پال کے پیچھے کھڑا ایک دیو ہیکل آدمی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

آگے بڑھا اور اس نے پیچھے سے ناگ پال کو پکڑ لیا۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں وہ ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا جب راجو نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کرا دیا۔ روہت نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور شیشی سے تھوڑا محلول رومال پر ڈال کر اسے ناگ پال کی ناک سے لگا دیا۔ ناگپال نے اپنے آپکو راجو کی گرفت سے چھڑوانے اور سانس بند کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کچھ بھی نہ کرسکا۔ وہ 50 سال سے اوپر کے ایک کلرک تھے جن کی ساری زندگی دفتر کی کرسی پر بیٹھتے بیٹھتے گزر گئی تھی۔ ڈب گراں جو ایک گرانڈیل جوان تھا۔ اور اس کا کام ہی لڑائی جھگڑا تھا۔ وہ کوئی ایک منٹ تک مسلسل جدوجہد کرتے رہے لیکن آخرکار ہار گئے۔ کلوروفوم کی خوشبو اس کی نعت می گھسی اور وہ آہستہ آہستہ بے ہوشی کی طرف جانے لگے۔ ایک منٹ کے اندر اندر وہ مکمل بے ہوش ہو گئے تھے۔ روہت کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کلوروفام انتہائی پر اثر تھی اور وہ سانس کے ذریعے پھیپھڑوں میں پہنچتے ہی انتہائی تیزی سے اثر کرتی تھی۔ نسگ پال کو کلوروفام نے ایک منٹ کے اندر ہی بے ہوش کر دیا تھا اور وہ زمین پر گر گیا۔ راجو نے جلدی سے اپنی جیب سے رسی نکالی اور اس کی مدد سے ناگپال کو باندھنے لگا۔ جبکہ روہت دوبارہ کیچن کی طرف چلا گیا۔ اس بار وہ دونوں لڑکوں کو لے کر آ گیا۔ ان دونوں لڑکوں کو بھی بے ہوش کر کے انہیں بھی باندھ دیا گیا۔ کنو اور اُس کی والدہ ان لوگوں کے لیے آسان ہدف تھیں۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر ان لوگوں نے سب گھر والوں کو قابو کر لیا تھا۔ روہت گھر سے باہر آیا اور اس نے گلی میں نظر دوڑائی۔ رات کے اس وقت پوری گلی سنسان تھیں اور کوئی بھی گلی میں موجود نہیں تھا۔ مٹھو نے دوکاندار کو مار دیا تھا اور اس کی دوکان بھی بند کر دی تھی۔ وہ اب باہر کھڑا ان لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ باس یہاں سب او کے ہے کوئی پرابلم نہیں ہے وہ روہت کو دیکھتے ہی قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ روہت باہر سے مطمئن ہو گیا تو اس نے مٹھو کو وین گھر کے دروازے کے بالکل قریب لا کر کھڑی کرنے کا حکم دیا اور خود گھر کے اندر چلا گیا۔ مٹھو نے جب تک گاڑی گھر کے داخلی دروازے کے قریب کھڑی کی تب تک وہ سارے گھر والوں کو اٹھا کر دروازے کے قریب لے کر آ گئے تھے۔ جیسے ہی وین دروازے کے قریب آئی ان لوگوں نے جلدی جلدی سب گھر والوں کو وین میں ڈالنا شروع کر دیا۔ کنو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے علاوہ باقی سب گھر والوں کو ان لوگوں نے ایک وین میں ڈالا اور وہ وین دہلی کی طرف روانہ ہوگئی۔کنو کو روہت نے بے ہوش نہیں کیا تھا صرف اس کے ہاتھ پاؤں باندھے تھے اور اس کا منہ سکاچ ٹیپ سے چپکا کر بند کر دیا تھا۔روہت نے کنو کا موبایل بھی گھر سے لے لیا تھا۔وہ اب اس کے موبائل سے لکھوندر کو میسج کر رہا تھا۔میسج کرنے کے فوراً بعد ہی لکھویندر کا واپسی جواب آ گیا۔موبائل شاید اس کے ہاتھ میں ہی پکڑا ہوا تھا۔مٹھو دوکان کا دروازہ کھولو اور کنو کو دیکھاؤ ہم لوگ کس قدر خطرناک ہیں۔روہت نے گاڑی دوکان کے قریب کھڑی کی اور مٹھو کو دوکان کا شٹر اوپر کرنے کا کہا۔روہت نے کنو کے پاؤں کھولے اور اسے گاڑی سے نیچے اتار کر دکان کے اندر لے گیا۔دکان کے اندر لکڑی کے ایک ریک کے پیچھے مٹھو نے دکاندار کو مار کر اس کی لاش ادھر ڈال دی تھی۔مٹھو نے اس کی لاش کو پاؤں سے پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا وہاں سے باہر لے کر آ گیا۔مٹھو کے پاس سائلنسر لگا پستول تھا اس نے دوکان کے اندر جاتے ہی اس کے سر پر پستول رکھ کر دبا دیا تھا۔دوکاندار کے بالکل قریب سے سر میں گولی لگنے کی وجہ سے اس کی کھوپڑی پھٹ گئی تھی اور اُس کی لاش نا قابل شناخت ہوگئی تھی۔کنو جیسے ہی دوکان کے اندر داخل ہوئی۔

اس کی نظر سامنے پڑی ہوئی دکاندار کی لاش پر پڑی تو اس کے حواس گم ہوگئے۔اس نے چیخنا چاہا لیکن منہ بند ہونے کی وجہ سے اس کی چیخ حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔اسکی آنکھیں خوف کی شدت سے پھٹ گئیں اور اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں۔وہ ادھر ہی زمین پر گر کر بے ہوش ہوگئی۔روہت اور مٹھو نے مل کر اسے اٹھایا اور دوبارہ گاڑی میں لے جا کر بٹھا دیا۔مٹھو نے دکان کا شٹر دوبارہ بند کیا اور وہ کنو کو لے کر شہر سے باہر کی طرف جانے لگے۔لکھویندر کے اس دوران تین مزید میسج آ گئے تھے۔روہت نے اسے واپسی میسج کیا کہ اسکی اپنے والد کے ساتھ لڑائی ہوئی ہے۔وہ لوگ اس کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔اس لیے وہ گھر چھوڑ کر آ گئی ہے اور اب اس کی طرف آ رہی ہے۔لکھویندر نے میسج پڑھا تو فوراً ہی اس کا واپسی جواب آ گیا۔روہت نے لکھویندر کی کال کاٹی اور کنو کو ہوش میں لانے لگا۔اس نے پانی کی بوتل سے پانی نکالا اور اس کے چھینٹے کنو کے چہرے پر مارنے لگا۔ایک منٹ کے اندر اندر ہی کنو کو ہوش

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آ گیا۔تم۔۔۔تم لوگ کون ہو اور مجھے اور میرے گھر والوں کو کہاں لے کر جا رہے ہو۔کنو کی آواز خوف کی شدت سے لڑکھڑا رہی تھی۔کنو ہمیں تم سے یا تمہارے گھر والوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ہمیں تمہارے دوست لکھنویندر سے کام ہے۔یہ سارا کچھ ہم لکھویندر کے لیے ہی کر رہے ہیں۔روہت کو جھوٹ بولنے کا بہت تجربہ تھا۔وہ اگلے بندے کے بالکل سامنے کھڑا ہو کر انتہائی روانی سے جھوٹ بولتا تھا۔وہ ہر سچویشن کے لیے فوری تیار ہو جاتا تھا۔وہ صرف ایک سیکنڈ کے لیے سوچتا تھا اور پھر اس کی زبان رواں ہو جاتی تھی۔یہاں بھی اُس نے کنو کے سوال کرتے ہی ایک کہانی بنا لی تھی۔کنو لکھویندر کے والد کی ککڑ کلاں گاؤں میں زمین ہے۔دلی کا ایک سیٹھ وہاں فیکٹری لگانا چاہتا ہے۔اس نے لکھویندر کے والد کو بہت بڑی رقم کی آفر بھی کی تھی اور یہاں امرتسر میں ایک کوٹھی دے رہا تھا۔لیکن لکھویندر کے والد نے زمین بیچنے سے انکار کر دیا ہے۔وہی جٹ زمین داروں کا روایتی انداز زمین ماں ہوتی ہے اور کوئی اپنی ماں کو نہیں بیچتا۔دلی کے سیٹھ کو ہر حالت میں زمین چاہیے اور اس نے اس کام کے لیے ہمیں ہائر کیا ہے۔ہمیں ہر حالت میں زمین چاہیے۔لکھویندر کے والد کے پاس دو مربع زمین ہے۔ان کے 50 ایکڑ زمین میں سے ہمیں صرف دو ایکڑ زمین چاہیے جو راوی کے کنارے پر واقع ہے۔اس کے لیے دلی کا سیٹھ اچھی خاصی رقم اور امرتسر میں ایک کوٹھی بھی دے رہا ہے۔لیکن لکھویندر کا والد نہیں مان رہا۔تم ہمیں لکھویندر دے دو تو ہم تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو چھوڑ دیں گے۔لکھویندر کا والد جب زمین دے دے گا تو ہم لکھویندر کو بھی چھوڑ دیں گے۔روہت نے اس بار پوری تفصیل سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔بھائی وہ سیٹھ کہیں اور بھی تو فیکٹری لگا سکتا ہے ناں۔اس کے لیے کسی کی جان لینے کی کیا ضرورت ہے کنو نے ڈرتے ڈرتے اس سے پوچھا۔اس کا خوف ابھی تک کم نہیں ہوا تھا۔کنو تمہیں ان معاملات کا علم نہیں ہے۔یہ سیٹھ لوگوں کا کام ہے۔اگر وہ کروڑوں روپیہ لگا کر وہ لاکھوں کی زمین حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آخر اس میں ان کا کوئی فائدہ بھی تو ہوگا۔یہ کسان لوگ اپنی زمین سے بہت پیار کرتے ہیں لیکن پھر بھی زمین زمین ہی ہوتی ہے اور اولاد کے سامنے اس کے کچھ بھی حثیت نہیں ہوتی۔کنو دو ایکڑ زمین دینے سے ان کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔بدلے میں تم اور تمہارے گھر والوں کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جان بچ جائے گی۔لکھویندر کی اس بار پھر کال آ گئی۔کنو اب آگے تمہاری مرضی ہے۔لکھویندر کو فون کرو اور اسے گاؤں سے باہر لے کر آؤ۔اسے ہمارے حوالے کرو اور اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان بچا لو۔لکھویندر اور اس کے والد سے ہم نبٹ لیں گے روہت نے موبائل فون کنو کے حوالے کر دیا۔کنو ہم بہت ظالم لوگ ہیں انسانی جان کی ہمارے نزدیک کوئی ویلیو نہیں ہے اگر کوئی غلطی کی تو یقین کرو زمین تو ہم پھر بھی کسی اور طریقے سے لے لیں گے لیکن تمہارا پورا خاندان تمہارے چالاکی کی نذر ہو کر بلاوجہ ہی مرا جائے گا۔روہت نے اسے دھمکی دی تو اس نے جلدی سے موبائل پر آنے والے کال رسیو کی اور ساتھ ہی لاؤڈ سپیکر کا بٹن بھی پریس کر دیا۔ہیلو لکھویندر میں تمہارے پاس آنا چاہتی ہوں۔کنو نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔یار خیریت تو ہے نہ تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔میں کتنی دیر سے تمہیں فون بھی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن تم فون ہی نہیں اٹھا رہی ہو دوسری طرف سے لکھویندر کی آواز سنائی دی۔ابو میری شادی زبردستی کسی اور سے کرنے والے ہیں میں اس گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر آ گئی ہوں۔کنو نے روتے ہوئے کہا۔کوئی بات نہیں یار تم حوصلہ رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا لکھویندر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔کنو نے کہا۔یا د تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے سب ٹھیک ہو جائے گا تم اس وقت کہا ہوں لکھویندر نے اس سے پوچھا۔میں تمہارے گاؤں کی طرف ہی آ رہی ہوں ایک گاڑی والے سے لفٹ لی ہے۔وہ لوگ ہررانیاں کی طرف جا رہے ہیں۔

مجھے وہ ککڑ کلاں کی طرف جانے والی سڑک پر اتار دیں گے۔روہت نے اسے رانیاں والی بات بتائی تو کنو نے آگے لکھویندر کو بول دیا۔روہت لکھویندر کو گاؤں کے اندر جا کر اغوا نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ اسے گاؤں کے باہر چھوٹی سڑک پر لانا چاہتا تھا۔وہاں سے اسے اغوا کرنا آسان تھا۔گاؤں کی طرف جانے والی وہ سڑک رات کے اس وقت ویران ہو جاتی تھی۔وہ یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح کنو لکھویندر کو اس چھوٹی سڑک پر لے آئے تا کہ وہ وہاں سے اسے اغوا کر کے لے جا سکے۔امرتسر سے لکھویندر کے گاؤں ککڑ کلاں کا فاصلہ تیس کلومیٹر کے قریب تھا۔وہ لوگ آدھے گھنٹے میں ہی ککڑ کلاں کی طرف جانے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

والی چھوٹی سڑک پر پہنچ گئے۔ سڑک پر لکھویندرا اپنے دو دوستوں کے ساتھ پہلے ہی کار لیے کھڑا تھا۔ وہ اپنے ساتھ گاؤں سے دو دوستوں کو بھی لے کر آ گیا تھا۔ کار سٹارٹ تھے اور اس کی ہیڈ لائٹ کے سامنے تینوں لڑکے کھڑے کنو کا انتظار کر رہے تھے۔ راجو مٹھو تیاری کر لو ہمیں صرف لکھوندر کو لے کر جانا ہے باقیوں کا تمہیں پتا ہے کیا کرنا ہے کنو لکھویندر کی نشاندہی کرے گی۔ روہت نے اپنے ساتھیوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ جی باس آپ بے فکر رہیں ہمیں معلوم ہے ہم نے کیا کرنا ہے راجو نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی جیب سے پستول نکال لیا۔ روہت نے گاڑی روڈ کی ایک سائیڈ پر کر کے کھڑی کر دی۔ وہ سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں سے ایک خوبصورت نوجوان آگے آیا اور روہت کی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ کنو یہی لکھویندر ہے ناں۔ روہت نے کنو اور لکھویندر کی ویڈیو دیکھی تھی اور وہ لکھویندر کو پہچان بھی گیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے کنو سے تصدیق کرنا ضروری سمجھا۔ جی بھائی یہی لکھویندر ہے کنو نے روہت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے راجو تیار رہنا تم نے لکھویندر کو قابو کرنا ہے جبکہ مٹھو دونوں لڑکوں کو دیکھ لے گا۔ روہت نے دونوں کو ہدایات دیں اور خود جیب سے کلوروفام کی شیشی نکالنے لگا۔ اس نے ایک رومال پر کلوروفام چھڑکا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ جبکہ دوسری طرف سے مٹھو بھی گاڑی سے باہر آ گیا۔ ست سری اکال جی کنو آپ کے ساتھ ہے۔ لکھنویندر نے روہت کو سلام کرتے ہوئے کہا۔ سات سری اکال کنو گاڑی کے اندر بیٹھی ہوئی ہے آپ مل لو اس سے روہت نے اس سے ہاتھ ملایا اور اسے لے کر گاڑی کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جب کہ مٹھو ان سے علیحدہ ہوا اور سڑک کے دوسری طرف کھڑی لکھویندر کی کار کی طرف بڑھ گیا۔ ست سری اکال آپ کے دوست ہیں۔ مٹھو نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔ جی بھائی جی ہم لکھویندر کے دوست ہیں۔ وہ دونوں لڑکے جیسے ہی ہاتھ ملانے کے لیے آگے بڑھے مٹھو نے پستول سیدھا کیا اور ان دونوں کے سروں میں گولی مار دی۔ سائلنسر لگے پستول سے ٹھک ٹھک کی آواز آئی اور لکھویندر کے ساتھ ایئے ہوئے دونوں لڑکے سڑک کے کنارے پر ہی گر گئے۔ سر میں لگنے والی گولیوں نے ان بے چاروں کو کچھ بھی سوچنے کا موقع نہ دیا اور وہ بغیر کوئی مزاحمت کیے سڑک پر گرے

مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور فوراً ہی مر گئے۔ کنو کی نظر لڑکوں پر پڑے اس نے لڑکوں کو گولی کھا کر زمین پر گرتے ہوئے دیکھا تو زور سے چلائی۔ لکھویندر نے بھی جیسے ہی گاڑی کے اندر جھانکا راجو نے اسے پشت سے پکڑا اور روہت نے اس کی ناک سے رومال لگا دیا۔ لکھویندر نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی لیکن تب تک دیر ہو چکی تھی۔ کلوروفام نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا اور وہ راجو کی باہوں میں ہی جھول کر رہ گیا۔ کنو کی چیخیں تیز سے تیز تر ہو رہی تھیں۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں اسے دونوں نوجوان لڑکے سڑک کے کنارے پر خون میں لت پت پڑے نظر آ رہے تھے۔ وہ بالکل ساکت پڑے ہوئے تھے۔ انکے سروں سے خون نکل نکل کر باہر کی زمین کو سرخ کر رہا تھا۔ جوان خون تھا اس لیے کچھ زیادہ ہی مقدار میں نکل رہا تھا۔ اے سالی چُپ کر کچھ زیادہ ہی ڈرامہ کر رہی ہے۔ روہت نے ایک زوردار تھپڑ اُس کے منہ پر مارا۔ ان سالوں کو میں نے دعوت دی تھی کہ وہ بھی لکھویندر کے ساتھ ہی تمہارا سواگت کرنے کے لئے آئیں۔ سالے ہم دنیا کے سب سے فارغ ترین لوگ ہیں جو کہیں بھی مونہ اٹھا کر چل پڑتے ہیں۔ روہت نے اس بار دوسرا تھپڑ بے ہوش پڑے ہوئے لکھویندر کو مارا لیکن ظاہر ہے وہ بے ہوش تھا اس لیے اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ روہت نے دو تین مزید موٹی موٹی گالیاں بے ہوش پڑے ہوئے لکھویندر کو دیں اور گاڑی کو دوبارہ امرتسر شہر کی طرف موڑا اور رفتار تیز کر دی۔ وہ اب کنو اور لکھویندر کو لے کر دہلی جا رہے تھے۔ روہت کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کنو اور لکھویندر کے رومانی لمحات کی چھوٹی سی ویڈیو نے تین لوگوں کی جان لے لی تھی۔ جب کہ مزید کچھ اور لوگ بھی اِس ویڈیو کی نظر ہونے والے تھے۔ دنیا کی سیاست تیزی سے بدل رہی تھی اور اس بدلتی سیاست میں بہت بڑے بڑے دھماکے ہونے والے تھے۔ یہ سارے دھماکے جرمنی کے لیے تھے۔ میرا شہر کارلسروہے ان دھماکوں کا مرکز بننے والا تھا۔ میری اس سال کی گرمی کی چھٹیاں خراب ہونے والی تھیں۔ میں ان سب واقعات کا مرکزی کردار بننے والا تھا۔

اسلام آباد کے بلیو ایریا میں آئی ایس آئی کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس ہیڈ کوارٹر کے ایک ق دفتر میں اس وقت ایک برگیڈیئر سمیت فوج کے دس اعلیٰ افسران بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے پروجیکٹر پر ایک فلم لگی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوئی تھی جسے سبھی افسران خاموشی سے بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ یہ تقریبا آدھے گھنٹے پر مشتمل فلم تھی جسے افغانستان کے شہر قندھار میں بنایا گیا تھا۔ یہ وہی ویڈیو تھی جس میں حمید اور اس کے ساتھ باقی آٹھ لڑکوں کے گلے کاٹے گئے تھے۔ ریڈیو کے مطابق ان لڑکوں کے گلے پاکستانی شہر کوئٹہ میں کاٹے گئے تھے اور اس کی ذمہ داری تحریک طالبان پاکستان نے لی تھی۔ اسے پاکستان آرمی کے خلاف جوابی کارروائی قرار دیا گیا تھا۔ آدھے گھنٹے کی اس فلم نے سبھی افسران کو افسردہ کر دیا تھا۔ اس قدر خونی اور دہشت سے بھری ویڈیو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سبھی لڑکے سولہ سے بیس سال کی عمر کے درمیان تھے۔ انہیں انتہائی بے دردی سے مارا گیا تھا۔ طالبان کے مارنے کا ایسا ہی طریقہ ہوتا ہے وہ دہشت پھیلانا چاہتے ہیں۔ کمرے میں موجود سبھی افراد آرمی کے بڑے افسران تھے۔ آرمی اور آئی ایس آئی میں رہتے رہتے وہ بہت مضبوط اعصاب کے حامل ہو گئے تھے۔ ایسی دہشت ناک ویڈیوز دیکھنے کا نہ صرف ان کا حوصلہ تھا بلکہ وہ ان ویڈیوز کے ایک ایک پہلو کا بھی جائزہ لیتے تھے۔ فلم ختم ہوئی تو ایک کیپٹن رینک کا نوجوان افسر اٹھ کر کھڑا ہوا اور وہ اِس فلم پر بریفنگ دینے لگا۔ کیپٹن محمد آصف 25 سال کا نوجوان افسر تھا۔ وہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا ماہر تھا۔ جاسوسی معاملات میں بھی وہ ماہر تھا۔ اسی نے اس ویڈیو کے اس اصل سورس کو کھوج نکالا تھا۔ سر یہ فلم کوئٹہ کی بجائے قندھار میں بنائی گئی ہے۔ گلہ کاٹنے والے بھی پاکستانی طالبان نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا تعلق کوئٹہ سے ہے۔ کوئٹہ میں رہنے والے پشتونوں یا طالبان کا لہجہ ان سے مختلف ہوتا ہے۔ کیپٹن آصف نے بریفنگ دیتے ہوئے کہا۔ وہ تو ٹھیک ہے کیپٹن صاحب افغان طالبان تو پاکستان کے اندر بھی موجود ہیں۔ یہ فلم پاکستان کے اندر بھی بن سکتی تھی۔ پھر وہ ان لڑکوں کو افغانستان کیوں لے کر گئے۔ بریگیڈیئر نے سوال کرتے ہوئے کہا۔ سر ان لڑکوں کو مارنے کے لیے افغانستان نہیں لے جایا گیا تھا۔ بلکہ ان سے اغوا برائے تاوان کے تحت تاوان کی رقم کے لیے افغانستان لے جایا گیا تھا۔ بلوچستان کے اندر آرمی اور آئی ایس آئی کا بہت کنٹرول ہے وہ لوگ ان لڑکوں کو زیادہ دیر یہاں اغوا کر کے نہیں رکھ سکتے تھے۔ اسی لیے انہیں افغانستان منتقل کیا گیا تا کہ آسانی سے ان کے تاوان کی رقم وصول کی جا سکے۔ یہ ٹوٹل نو لڑکے ہیں اور سبھی لڑکوں کے گھر والوں نے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تاوان کی رقم ادا کر دی تھی۔ جو پچاس لاکھ کے قریب بنتی ہے۔ سر ہمارے کچھ مخبر قندھار میں موجود ہیں۔ انہی سے ہمیں معلوم ہوا تھا۔ پارٹی لڑکوں کو رہا کرنے والی تھی۔ لیکن پھر ایک اور پارٹی درمیان میں آ گئی۔ دوسری پارٹی نے ایک لاکھ ڈالر دے کر لڑکوں کو خریدا تھا اور پھر گلے کاٹ کر مار دیا۔ کیپٹن آصف نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ایک لاکھ ڈالر یہ تو ایک کروڑ پاکستانی روپے سے بھی زیادہ بنتا ہے۔ اتنی بڑی رقم کس نے دی ہے۔ اور اگر اتنی بڑی رقم کسی نے ادا کی بھی ہیں تو اس کا مقصد کیا تھا۔ آخر اتنی بڑی رقم کوئی بلا وجہ تو نہیں دے سکتا۔ بریگیڈیئر نے دوبارہ سوال کیا۔ سر یہ رقم ایک کروڑ نہیں بلکہ تین کروڑ ہے۔ اور اسے ایک ہی ایجنسی نے ادا کیا ہے۔ یہ وہی ایجنسی ہے جو پچھلے ستر سال سے پاکستان کو توڑنے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہا رہی ہے۔ اسی ایجنسی نے تین کروڑ روپے ادا کیے ہیں۔ جس میں سے ایک کروڑ تو وہاں قندھار میں ادا کیے گئے ہیں جبکہ باقی دو کروڑ بلوچستان میں مزید کارروائیوں کے لیے رکھے گئے ہیں۔ سر دشمن بہت بڑا ہے اور وہ لاکھوں اور کروڑوں نہیں اربوں روپیہ لگا رہا ہے۔ بلوچستان کے اندر اس دشمن کا روپیہ خون بن کر بہہ رہا ہے۔ پورا بلوچستان ہیں اس روپے کی آگ میں جل رہا ہے۔ کیپٹن آصف نے بریفنگ جاری رکھتے ہوئے کہا وہ تھوڑا جذباتی ہو گیا تھا۔ کیپٹن صاحب جنگ جذباتوں سے نہیں لڑی جاتی اس لیے جذباتی مت بنو اور آرام سے بریفنگ دو۔ بریگیڈیئر نے کیپٹن کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ سوری سر میں واقعی تھوڑا جذباتی ہو گیا تھا۔ میں اب دوبارہ بریفنگ کی طرف آتا ہوں۔ را نے تین لاکھ ڈالر کی رقم ادا کی ہے جسے سوئزرلینڈ کے ایک اکاؤنٹ سے ہینڈل کیا گیا ہے۔ ہمارے جاسوسوں کی نظر پہلے سے ہی اس اکاؤنٹ پر لگی ہوئی تھی۔ ہمارے جاسوس اور ہیکر پچھلے کئی مہینوں سے اس اکاؤنٹ کی جاسوسی کر رہے ہیں۔ اسی اکاؤنٹ سے کراچی میں ہونے والے دھماکوں کے بعد بھی رقم ٹرانسفر ہوئی تھی۔ اسی وقت سے ہمارے کمپیوٹر کے شعبے کے ماہرین اور ہیکر اس اکاؤنٹ کے پیچھے لگ گئے تھے۔ ہم پچھلے چھ مہینے سے مسلسل اس اکاؤنٹ کی نگرانی کر رہے تھے۔ اسی اکاؤنٹ کی وجہ سے ہی ہم نے کراچی کے ایک پورے گینگ کو پکڑا تھا۔ جیسے اس اکاؤنٹ سے پیسے دیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ افغانستان میں 5 اور بینک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اکاؤنٹ بھی ہیں جہاں یہ رقم ٹرانسفر ہوتی ہے۔ابھی جو ایک لاکھ ڈالر ٹرانسفر ہوا ہے۔

وہ بھی انھیں پانچ اکاؤنٹ میں سے ایک میں ہوا ہے۔ٹھیک ہے تم ایک فائل بنا کر دے دو میں وزیراعظم وان اکاونٹ کے میں وزیراعظم ہی افغان حکومت سے بات کر لیں گے۔بریگیڈیئر نے کیپٹن آصف کی بات کو درمیان سے ہی کاٹتے ہوئے کہا۔جی سر میں فائل بنا کر دے دوں گا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے افغان حکومت کچھ بھی نہیں کرے گی۔فائل دینے کی صورت میں الٹا ہمارا ہی نقصان ھوگا۔وہ لوگ اکاؤنٹ ہولڈر کو ڈھونڈنے کی بجائے قندھار میں ہمارے جاسوسوں کو ڈھونڈنا شروع کر دیں گے۔سر وہ جاسوس افغانی لوگ ہیں جو دل سے پاکستان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔وہ لوگ افغانستان میں انڈیا کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کو غلط سمجھتے ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں۔بلوچستان میں ہونے والے بم دھماکوں کی پیشگی اطلاع ہمیں انہیں مہربانوں سے ملتی ہے۔جو دہشت گردی کے خلاف ہیں اور پاکستان سے محبت کرتے ہیں۔سر فائل دینے کی صورت میں افغان حکومت چوکنی ہو جائے گی اور ہمارے ہمدردوں کو ڈھونڈنا شروع کر دیں گے۔آج کی افغان حکومت پاکستان کے خلاف ہے۔وہ لوگ کبھی بھی ہمارا بھلا نہیں چاہیں گے۔افغان حکومت کو فائل دینا ٹھیک نہیں ہوگا۔باقی آپ سینئر ہیں جیسے کہیں گے کیپٹن آصف نے پوری تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ٹھیک ہے آپ صرف مجھے فایل دے دیں میں نے اسے ہیڈکواٹر میں جمع کروا دوں گا صرف ریکارڈ کے لئے باقی مزید کارروائی کے لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔بریگیڈیئر نے کیپٹن آصف کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔کیپٹن صاحب کچھ اور بھی تفصیلات ہیں اس میٹنگ میں یا پھر یہی کچھ تھا اس بار ایک کرنل رینک کے افسر نے پوچھا۔سر ابھی مزید بہت کچھ ہے میجر فاروق نے اس اکاؤنٹ کے صحیح مالک کا پتا لگا لیا ہے۔کیپٹن آصف نے میجر فاروق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو اس بار میجر فاروق اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔میجر صاحب آپ کے پاس کیا تفصیلات ہیں بریگیڈیئر نے میجر فاروق سے پوچھا تو اس بار میجر فاروق نے ایک یو ایس بی پروجیکٹر کے ساتھ منسلک کی اور اسے ان کر دیا۔سامنے دیوار پر ایک پچپن سالہ شخص کی تصویر پردے کے اوپر آ گئی اس کا سانولا رنگ تھا اور چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھیں۔ارے یہ تو سردار مہلاب ہے جو سوئزرلینڈ میں رہتا ہے۔سردار مہلاب بلوچستان کی دہشت گرد تنظیم بی ایل اے کا ایک چھوٹا لیڈر تھا اور اسے آئی ایس آئی والے جانتے تھے۔یہ سوئزرلینڈ میں رہتا تھا اور وہیں سے پاکستان مخالف بیانات دیتا رہتا تھا۔کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے اس پر الزام ثابت کر سکتے ہو۔بریگیڈیئر نے سردار مہلاب کی تصویر دیکھتے ہی اسے پہچان لیا تھا۔جی سر اس کے پاس ایک کریڈٹ کارڈ ہے جو کہ جعلی نام سے بنایا گیا ہے۔اسی اکاؤنٹ سے پیسے اس کریڈٹ کارڈ میں ٹرانسفر کیے گئے ہیں۔اس کریڈٹ کارڈ کو ایک شاپنگ سنٹر میں استعمال کیا گیا تھا۔ہم نے اسے شاپنگ سنٹر کے کیمروں سے ویڈیو حاصل کی تو یہ ہماری نظر میں آ گیا۔پروجیکٹر پر اس وقت شاپنگ سنٹر کا منظر نظر آ رہا تھا جس میں وہ ایک موبائل فون خرید رہا تھا۔سر یورپ میں موبایل خریدتے وقت اس کے گارنٹی کارڈ پر موبائل کا سریل نمبر لکھا ہوتا ہے۔ہم نے شاپنگ سنٹر سے وہ سیریل نمبر حاصل کیا اور پھر اس موبائل کے لئے ایک سپیشل ایپ بنائی گئی اور اس کے موبایل پر اس ایپ کے اشتہار دینا شروع کر دیے۔بہت جلد وہ ہمارے دام میں آ گیا اس نے ایپلیکیشن ڈاؤن لوڈ کی تو ہمیں اس کے موبائل فون کی خفیہ جاسوسی کرنے کا موقع مل گیا۔سر بلوچستان کے اندر جتنی بھی دہشت گردی کی کارروائیاں ہو رہی ہیں ان کا مین سرغنہ یہی آدمی ہے۔اس آدمی کی نگرانی سے ہمیں کچھ اور اکاؤنٹ بھی مل گئے۔سر یہ بی ایل آئی کا کوئی چھوٹا موٹا لیڈر نہیں ہے بلکہ یہی اصل آدمی ہے جو پیسے لے کر آگے بلوچستان میں دہشت گردی کی کاروائیاں کرواتا ہے۔سر یہی اصل آدمی ہے جو را اور افغانستان کو آپس میں ملاتا ہے۔میجر فاروق خاموش ہو گئے۔پروجیکٹر کے اوپر مختلف اکاونٹ نمبر اور چھوٹی چھوٹی ویڈیوز چل رہی تھی۔ویلڈن میجر فاروق تم نے واقعی بہت بڑا کام کیا ہے۔ہمارے پاس اس شخص کے خلاف ناقابل تردید ثبوت ہیں۔بریگیڈیئر نے میجر فاروق کو شاباش دیتے ہوئے کہا۔شکریہ سر یہ صرف میری محنت نہیں ہے بلکہ میری پوری ٹیم کی محنت ہے۔پچھلے پانچ سال کی بھرپور محنت کے بعد ہم اس شخص کو آخرکار ڈھونڈنے میں کامیاب ہو ہی گئے ہیں۔میجر فاروق نے برگیڈیئر کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ٹھیک ہے کرنل صاحب آگے کا کیا پلان ہے۔سوئس حکومت کو انفارم کرنا ہے یا پھر ٹارگٹ کرنا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ برگیڈ یئر نے اس بار اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے کرنل سے پوچھا۔سر اس کے پاس سوئس پاسپورٹ ہے یہ سویز رلینڈ کا شہری ہے۔ہم جتنے بھی ثبوت اُن کی گورمنٹ کو دیں گے وہ نا کافی ہوں گے۔سوئس حکومت کبھی بھی اس آدمی کو ہمارے حوالے نہیں کرے گی۔ٹارگٹ کرنا زیادہ آسان ہے۔ہمارا ایک ایجنٹ جرمنی میں موجود ہے وہ یہ کام کرسکتا ہے۔کرنل سردار مہلاب کو ٹارگٹ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔سر ایسے شخص نے ہزاروں بے گناہوں کو مارا ہے۔

ہزاروں بے گناہ بچے اور عورتیں اس شخص کی دہشت کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔ یہ انسان نہیں جانور ہے اور اس جانور کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔عدالتوں میں کیس جائے گا تو یہ آسانی سے چھوٹ جائے گا۔را کے پاس بہت وسائل ہیں را والے اسے چھڑوا بھی لیں گے اور غائب بھی کر دیں گے۔سوئس حکومت پر جب انڈین گورنمنٹ نے دباؤ ڈالا تو وہ کچھ بھی نہیں کریں گے۔ہمیں پانچ سال لگے ہیں اس شخص تک پہنچنے میں اگر یہ ایک بار ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر دوبارہ ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔اس بار کرنل جذباتی ہو گئے تھے۔ٹھیک ہے کرنل صاحب آپ اسے ٹارگٹ کر سکتے ہیں۔ برگیڈ یئر نے اس بار کرنل کے جذباتی پن کو نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ سردار مہلاب کون سے شہر میں رہتا ہے اور سکیورٹی کی کیا پوزیشن ہے برگیڈ یئر نے ان سے سکیورٹی کی پوزیشن پوچھی۔سر یہ برن میں رہتا ہے۔ایک بیوی اور تین بچے ہیں جبکہ پانچ سکیورٹی گارڈ بھی ہیں جو اس کے بنگلے کی حفاظت کرتے ہیں۔اس کے علاوہ اندر تین ملازم بھی ہیں۔ وہ بھی ممکنہ طور پر سکیورٹی گارڈ ہی ہیں۔کرنل نے پوری تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ٹھیک ہے جو بھی راستے میں آتا ہے مار دو مجھے سردار مہلاب مردہ چاہیے۔اور اسے مارنے کے لیے پورے گھر کو بھی مارنا پڑے تو مار دوں۔ برگیڈ یئر کا چہرہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گیا تھا۔کیپٹن عادل آپ اس حیات اباد والے لڑکے شہباز خان کے پیچھے تھے اس کا کوئی پتہ چلا یا پھر ابھی تک کوئی سراغ نہیں ہے۔ برگیڈ یئر نے اس بار ایک اور کپتان سے پوچھا۔کیپٹن عادل کا تعلق پشاور سے تھا وہ روایتی پشتون خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔والد کا کپڑے کا بہت بڑا بزنس تھا اور دونوں بڑے بھائی اپنے والد کے بزنس میں ہی ہاتھ بٹاتے تھے۔اسکو آرمی سے بہت محبت تھی

مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس لیے ایف ایس سی کرنے کے بعد سیدھا آرمی میں آ گیا۔ وہ فوج میں کمیشنڈ افسر بھرتی ہوا تھا اور ترقی کرتے کرتے کیپٹن کے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ پاکستان سے بہت محبت تھی اور ملک کے لیے جان تک دینے کے لیے تیار رہتا تھا۔ یہی محبت اسے آئی ایس آئی میں لے کر آئی تھی۔ پڑھا لکھا پشتون نوجوان افسر تھا اس لئے اسے آئی ایس آئی کی پشاور برانچ کا سربراہ بنا دیا گیا تھا۔ کیپٹن عادل نے ہی شہباز خان کی نشاندہی کی تھی اور وہی اس کو پشاور اور حیات آباد میں فالو کر رہا تھا۔ شہباز خان اسے غچہ دے کر کراچی پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ لوگ اسے لاہور اور اسلام آباد میں ہی ڈھونڈتے رہے لیکن پھر اچانک ان کے ہاتھ پاکستان میں اغوا کاروں کی ویڈیو آ گی جو انہوں نے دالبدین میں بنائی تھی۔ یہ پہلی ویڈیو تھی جس میں باقی لڑکوں کے ساتھ انھوں نے شہباز خان پر بھی تشدد کیا تھا۔ کیپٹن عادل نے اس ویڈیو پر کراچی میں چھان بین شروع کی اور بہت جلد وہ کراچی سے آگے ایران پہنچانے والے ایجنٹ تک پہنچ گیا۔ آئی ایس آئی کبھی بھی چھوٹے موٹے جرائم پر ایکشن نہیں لیتی تھی انسانی سمگلنگ انہیں چھوٹے جرائم میں آتا ہے۔ اس سے ملک کی سالمیت کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے ایجنسی بھی انسانی سمگلروں کی طرف توجہ نہیں دیتی تھی۔ لیکن چونکہ ابھی معاملہ شہباز خان کا تھا جو دہشت گردوں کا آلہ کار بننے جا رہا تھا اس لئے آئی ایس آئی نے اس پر زیادہ توجہ دی تھی۔ کراچی اور بلوچستان میں انسانی سمگلروں کے کئی نیٹ ورک پکڑے گئے تھے۔ آئی ایس آئی شہباز خان کو کھوجتے کھوجتے مند تک پہنچ گئی تھی لیکن وہ بارڈر کراس کر کے ایران چلا گیا۔ مند سے آگے ایران کے اندر آئی ایس آئی کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ ایران جا کر محفوظ ہو گیا تھا۔ سر شہباز خان پاکستان بارڈر کراس کر کے ایران پہنچ گیا ہے ہم سب اسے اسلام آباد اور لاہور میں ہی ڈھونڈتے رہے لیکن وہ کراچی پہنچ گیا تھا اور وہاں سے ایران نکل گیا۔ اگر ہمارے پاس یہ لڑکوں والے ویڈیو نہ ہوتی تو ہم کبھی بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ کیپٹن عادل نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے کیپٹن صاحب میں ایرانی انٹیلی جنس کو اطلاع کر دیتا ہوں۔ وہ بارڈر کی دوسری طرف الرٹ ہو جائیں گے۔ باقی مجھے معلوم ہے آپ ایک ذمہ دار افسر ہیں اور آپنے اس کو ڈھونڈنے میں کہیں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہو گی۔ مجھے آپ پر

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اعتماد ہے اس لیے میں آپ کی کوئی غلطی نہیں مانتا ہوں ۔ برگیڈ یئر نے کیپٹن عدل سے کہا۔ سوری سر میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی تھی ۔ مجھے کراچی کو بھی فوکس کرنا چاہیے تھا۔ اگر میں کراچی کو بھی فوکس کرتا تو شاید شہباز خان کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاتا ۔ باقی سر ہم نے کراچی اور حیات آباد میں اسکے سبھی سہولت کاروں کو گرفتار کرلیا ہے۔ کیپٹن عادل نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ کوئی بات نہیں کپتان صاحب جو کام کرتا ہے غلطی بھی اسی سے ہی ہوتی ہے۔ غلطیوں سے ہی انسان سیکھتا ہے۔ تم ابھی نوجوان ہو وطن کی محبت کا یہی جذبہ اگر تمہارے دل میں اسی طرح رہا تو ایک دن بہت بڑے افسر بنو گے۔ پاکستان کو بھی جب تک تمہارے جیسے محبت کرنے والے افسران موجود ہیں کوئی ہلا نھیں سکتا۔ برگیڈ یئر نے کھڑے ہو کر کیپٹن عادل کو داد دی۔

اس کے بعد وہ میٹنگ روم سے باہر چلے گئے جبکہ باقی افسران آگے کا لائحہ عمل طے کرنے لگے۔ سردار مہلاب کو مارنے کا ٹارگٹ کرنل حیات کو دیا گیا تھا۔ کرنل حیات کے پاس پورا یورپی ڈیسک تھا۔ وہ یورپ کے تمام معاملات کو ہینڈل کرتا تھا۔ وہ یورپ میں موجود اپنے جاسوسوں سے رابطہ کرنے لگے تا کہ ان کی مدد سے سردار مہلاب کو ٹارگٹ کیا جا سکے۔

شہباز خان کو اسی رات سرحد پار کروا دی گئی تھی۔ تفتان بارڈر سے اسے سرحد کراس کروا کر میر جاوہ پہنچایا گیا اور وہاں سے پھر زاہدان پہنچا دیا گیا۔ زاہدان میں بھی اسے صرف ایک دن ہی رکھا گیا اور دوسرے دن صبح صبح اسے ایک کار میں پک اپ کیا گیا۔ رات تک وہ ایران کے آخری سرحدی شہر تبریز پہنچ چکا تھا۔ تبریز میں اسے دو دن انتظار کرنا پڑا اور پھر یہاں سے بھی اسے بارڈر کراس کروایا گیا اور وہ ترکی میں داخل ہو گیا۔ ترکی کے شہر وان میں پہلے سے ہی ایک آدمی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے انڈیا میں روہت کے باس سے بات کی تھی اور ان سے کنو کا سودا کیا تھا۔ اسلام و علیکم میرے دوست میرا نام ابراہیم ہے کیا تم انگلش بول سکتے ہو ترکی نے آگے بڑھ کر شہباز خان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ جی مجھے انگلش آتی ہے شہباز خان نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ بہت اچھی بات ہے بچے کیا میں ایک منٹ تم سے علیحدگی میں بات کر سکتا ہوں۔ ابراہیم نے اس کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔شہباز خان کا ایجنٹ اسے وان شہر کے مضافات میں ایک چھوٹے سے گھر میں لے کر آیا تھا۔وان جھیل کے کنارے یہ چھوٹا سا گھر اصل میں کاٹیج جسے ابراہیم نے کرایہ پر لیا ہوا تھا۔وان جھیل ترکی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔اس کا رقبہ 3700 مربع کلومیٹر ہے۔یہ جھیل 120 کلومیٹر لمبی جبکہ 80 کلومیٹر چوڑی ہے۔وان شہر میں سیاحوں کی بڑی تعداد آتی ہے جو زیادہ تر اسی جھیل کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔سیاحوں کے لیئے ہوٹلوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کاٹیج بھی بنے ہوئے ہیں۔ان کاٹیج میں ہوٹل کی نسبت زیادہ سہولیات ملتی ہیں۔سیاح اپنی مرضی سے کھانا بھی بنا سکتے ہیں۔فیملی کے ساتھ آنے والے سیاح زیادہ تر کاٹیج کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔جبکہ سنگل یا نئے شادی شدہ جوڑے ہوٹل میں رکھتے ہیں۔ابراہیم نے کاٹیج کرائے پر لیا ہوا تھا۔وہ شہباز خان کو لے کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ہاں بچے کیسے ہوں راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ابراہیم نے اسے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔نہیں سر مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی میں بالکل ٹھیک ہوں وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ماشااللہ تمہارے جیسا ہمت والا ہی لڑکا ہونا چاہیے۔بیٹا اسلام سے کتنی محبت کرتے ہو۔ابراہیم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال تے ہوئے کہا۔سر اسلام کے لئے جان دے سکتا ہوں۔شہباز خان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔بیٹا ایک بار سوچ لو ابھی بھی تمہارے پاس ٹائم ہے۔تم واپس اپنے گھر جا سکتے ہو۔میں تم کو واپس تمہارے گھر پہنچ سکتا ہوں لیکن اگر یہاں سے آگے نکلو گے تو پھر واپسی کا راستہ بند ہو جائے گا۔ایک بار سوچ لو وہ آدمی ابھی بھی باہر بیٹھا ہوا ہے وہ تم کو واپس لے جا سکتا ہے ابراہیم نے باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔نہیں سر میں اسلام پر جان دینے کے لیے گھر سے نکلا ہوں اب شہادت ہی میرا اصل مقصد ہے شہباز خان کا چہرہ پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ابراہیم کچھ دیر تک اُس کا چہرہ دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔اس کی آنکھوں میں ایک شیطانی مسکراہٹ آ چکی تھی۔شہباز خان اسے کروڑوں روپیہ دلوانے والا تھا۔ایک اسلام کے لیے جان دینے کے لیے پر عزم تھا جبکہ دوسرا اسی جذبے کو آگے فروخت کر کے پیسہ کمانے کے چکر میں تھا۔آج کے دور میں ہم مسلمان قوم کی یہی سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔اسلام کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیے جان دینے والے ہمیشہ اسلام کے دشمنوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔اس سے الٹا اسلام کو وہی نقصان پہنچتا ہے۔آج اسلام کو انہیں شہباز خانوں سے خطرہ ہے جو اسلام کے لیے جان دینے کی بات کرتے ہیں۔مسلمان ہی مسلمان قوم کا گلا کاٹ رہا ہے۔جب کہ مدرسوں اور مسجد کے منبر پر کھڑے ہوئے مولوی صاحبان محبت اور امن کے پیغام کو بھول کر نفرت کا پرچار کر رہے ہیں۔ابراہیم نے شہباز خان کو لے کر آنے والے آدمی کو واپس بھیج دیا اور دوبارہ واپس کمرے میں آ گیا۔اس بار اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا ہینڈ بیگ تھا۔جیسے کمر کے ساتھ باندھا جا سکتا تھا۔یورپ میں ایسے بیگ اکثر نظر آتے ہیں۔جینز کی پینٹ بہت ٹائٹ ہوتی ہے اس کی جیبوں میں سگریٹ موبائل اور پرس نہیں آ سکتے ہیں۔موبایل کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں بھی ہوتی ہے۔سردیوں میں تو جیکٹ کے اندر یہ سارا سامان رکھا جا سکتا ہے۔لیکن گرمیوں میں جینز کے اندر یہ ناممکن ہے اسی لیے زیادہ تر یورپی مرد کمر کے ساتھ باندھنے والا چھوٹا بیگ ساتھ رکھتے ہیں۔ابراہیم کے ہاتھ میں بھی وہی بیگ تھا۔وہ شہباز خان کے پاس جا کر بیٹھ گیا اس نے بیگ سے ایک پاسپورٹ نکالا اور اسے شہباز خان کو دکھایا۔یہ کسی عمر دراز کے نام سے بنا ہوا تھا۔اور سویزرلینڈ کا تھا۔

اس کے اوپر شہباز خان کی ھی تصویر لگی ہوئی تھی۔بیٹا یہ سوئس پاسپورٹ ہے۔عمر دراز کے نام سے اس کے اوپر تمہاری تصویر لگی ہے۔تم اس پاسپورٹ پر لکھا ہوا نام پتا اور تاریخ پیدائش وغیرہ سب یاد کر لو ہم ایک گھنٹے تک گھر سے نکلیں گے۔رات کو استنبول میں ہی رکیں گے دوسرے دن بلغاریہ سے ہوتے ہوئے رومانیہ اور پھر رومانیہ سے آگے یورپ میں داخل ہو جائیں گے۔پرسوں تک ہم جرمنی میں بیٹھے ہوں گے۔بیٹا ان یورپ والوں نے ہم مسلمانوں پر بہت ظلم کئے ہیں اب بدلہ لینے کا وقت آ گیا ہے۔مسلمان جاگ گئے ہیں ہم ان کافروں کو بتا دیں گے کہ ہم مسلمان اپنے اسلام پر کٹ مرنے پر تیار رہتے ہیں۔ابراہیم نے ایک چھوٹی سی تقریر کی۔اسکی آنکھیں شہباز خان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔جہاں شہادت کی تمنا جیسے ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت اسلام سے محبت ہے۔ہم اسلام کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں یہی ہماری سب سے بڑی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طاقت ہے اور شاید آج کے حالات میں یہی سب سے بڑی کمزوری۔ دہشتگرد ہماری اسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ ہماری اس محبت کو غلط راہ پر لگا دیتے ہیں۔ شہباز خان بھی اسلام سے بہت محبت کرتا تھا لیکن وہ اپنی نادانی میں اپنے ہی اسلام کو بدنام کرنے جا رہا تھا۔ وہ خود بھی مرتا اور اپنے ساتھ پتا نہیں کتنے جرمنوں کو بھی لے کر مرتا۔ عرب اور افریقی ممالک میں اس وقت دہشت گردی سے آگ لگی ہوئی تھی۔ لاکھوں مسلمان اس آگ میں جل کر ختم ہو چکے تھے جبکہ کروڑوں گھر سے بے گھر دوسرے ملکوں میں پناہ کی تلاش میں ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ جرمنی ان مہاجرین کا سب سے بڑا محافظ بنا ہوا تھا۔ جرمنی نے بیس لاکھ مسلمانوں کو پناہ دی ہوئی تھی۔ اس وقت یورپ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا ہمدرد جرمنی ہی تھا۔ شہباز خان اسی جرمنی میں جا رہا تھا۔ وہ جرمنی میں ایک دھماکہ کر دیتا تو کچھ لوگ اس دھماکے میں مر جاتے لیکن اس کا اثر جرمن لوگوں کی ہمدردی پر پڑتا۔ جرمن لوگ مسلمانوں سے نفرت کرنے لگتے۔ اسلام یورپ میں پھیلنے والا سب سے بڑا مذہب ہے لیکن ان دہشت گردوں کی وجہ سے لوگ اسلام اور مسلمانوں سے ڈرنے لگے ہیں۔ کوئی عیسائی یا ہندو تبھی مذہب تبدیل کرتا ہے جب اسے اسلام سے ڈر نہ لگے بلکہ محبت ہو۔ ہم لوگ اپنے اسلام سے محبت کی وجہ سے بہت زیادہ انتہا پسند ہو گئے ہیں۔ یہی انتہا پسندی اسلام کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ جہاد کے اعلان کا حق صرف اسلامی ریاست کو ہوتا ہے۔ جب کہ آج کے دور میں محلے کی مسجد کا مولوی بھی جہاد کا فتویٰ جاری کر رہا ہوتا ہے۔ یورپ یا امریکہ میں ایک دھماکہ ہوتا ہے تو اس کا اثر ان ملکوں میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ یورپ کی عیسائی حکومت میں مسلمان اور عیسائی دونوں برابر ہیں یہاں کسی کو مذہب کی تبلیغ اور اس پر عمل کرنے سے نہیں روکا جاتا۔ جب یورپ میں اسلام کی تبلیغ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہاں لاکھوں کی تعداد میں مسجدیں ہیں اور حکومت ان کو تحفظ بھی فراہم کرتی ہے تو پھر یورپ کے خلاف نفرت کا اظہار غلط ہے۔ ہم لوگ اپنے ہی محسنوں کو مار رہے ہیں۔ ایک گھنٹے تک شہباز خان نے پاسپورٹ کے اوپر موجود سبھی معلومات یاد کر لیں تو ابراہیم اسے لے کر باہر آ گیا۔ کاٹیج سے باہر ایک کار کھڑی تھی جس پر جرمنی کی نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ ابراہیم اسے جرمنی سے چلا کر لایا تھا۔ یورپ میں ایک ملک سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسرے ملک جانا انتہائی آسان ہے۔ جرمن یا سوئس پاسپورٹ پر ترکی آنے کے لیے کسی ویزے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلغاریہ سے لے کر آگے سپین تک شینگن زون ہے۔ جہاں آنے جانے کے لیے پاسپورٹ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان ملکوں میں بارڈر پر کوئی چیک پوسٹ ہی نہیں ہوتی۔ لوگ بلا روک ٹوک ایک ملک سے دوسرے ملک آتے جاتے رہتے ہیں۔ ابراہیم نے شہباز خان کو کار میں بٹھایا اور وہ لوگ استنبول پا گئے۔ یہاں ایک رات رک کر وہ صبح صبح استنبول سے نکلے دس بجے کے قریب انہوں نے بلغاریہ کا بارڈر کراس کیا اور رومانیہ کی طرف بڑھنے لگے۔ بلغاریہ بہت چھوٹا سا ملک ہے دس بجے ان کی کار بلغاریہ میں داخل ہوئی تھی اور دو گھنٹے میں ہی انہوں نے دوسوتیس کلومیٹر کا سفر طے کر لیا تھا اور وہ رومانیہ پہنچ گئے تھے۔ سوا بارہ بجے کے قریب انہوں نے رومانیہ کے دارالحکومت بخارسٹ کو کراس کر لیا۔ یہاں سے ہنگری اور آسٹریا سے ہوتے ہوئے وہ پوری رات سفر کرتے تو آسانی سے صبح جرمنی پہنچ سکتے تھے۔ شہباز خان جرمنی آ رہا تھا وہ میرے ہی شہر کارلسروہے آ رہا تھا۔ دریائے رائن کے کنارے آباد اس چھوٹے سے شہر میں بہت بڑے بڑے دھماکے ہونے والے تھے۔ میرا چھوٹا سا شہر پورے انٹرنیشنل میڈیا کا مرکز بننے والا تھا۔

میرا آج ریسٹورانٹ میں آخری دن تھا کل سے میرے چھٹیاں شروع ہونے والی تھیں۔ میں نے پاکستان جانے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ میری ٹکٹ بھی کنفرم ہوگئی تھی۔ میں یہاں سے پہلے فرانس جاتا اور پھر پیرس سے فلائٹ پکڑ کر پاکستان چلا جاتا۔ اگلا پورا ایک مہینہ آرام سے بہاولپور کے ریگستان کے بیچوں بیچ بسے ایک خوبصورت سے گاؤں میں گزار کر آجاتا۔

میں بہاولپور کے ایک چھوٹے سے ریگستانی گاؤں سے تھا۔ گاؤں والوں کی نظر میں میں کراچی میں کام کرتا تھا۔ میں نے کسی کو بھی اپنے جرمنی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ جرمنی میں بھی میں ریسٹورنٹ کی جاب صرف عارضی دکھاوے کے لیے کرتا تھا۔ میرا اصل کام پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کے ساتھ تھا۔ میں پاکستان آرمی کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کا ایک آفیسر تھا اور جرمنی میں ایک خفیہ ایجنٹ کے طور پر کام کر رہا تھا۔ دوپہر کی بریک کے بعد شام کو میں نے ریسٹورنٹ دوبارہ کھولا اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

گاہکوں کا انتظار کرنے لگا۔اس بار بھی پہلے آنے والے گاہک پینتالیس سالہ ندیم ہی تھا۔یہ وہی آدمی تھا جس نے مجھے پہلے بھی ایک آدمی کو ٹارگٹ کرنے کی ذمہ داری دی تھی۔اسی ندیم نے ہی میرے ساتھ ملک جعفر کو مارا تھا۔وہ ایک بار پھر ریسٹورنٹ کے اندر آکر بیٹھ گیا۔گوٹن ٹاگ سر میں نے جلدی سے جا کر ان کو سلام کیا۔گوٹن ٹاگ راضی کیسے ہو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔مجھے اپنی چھٹی ختم ہوتی ہوئی نظر آرہی تھی۔بہاولپور کے صحرا مجھے پکار رہے تھے لیکن میرے ملک کی محبت ان صحراؤں سے زیادہ تھی۔ملک تھا تو صحرا تھے اگر ملک ہی نہ ہوتا تو صحرا کہاں ہوتے۔صحرا کی خوشبو کہاں سے آتی۔راضی سوری یار تمہاری چھٹی خراب ہوگئی ہے۔ایک کام آگیا ہے کافی بڑا کام ہے۔انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔کوئی بات نہیں سر پاکستان کے لیے تو جان بھی حاضر ہے یہ تو صرف ایک مہینے کی چھٹی ہی ہے۔میں نے نارمل انداز سے کہا۔یہ حقیقت تھی آئی ایس آئی پاکستان کا ایک ایسا ادارہ تھا جس کا ایک ایک سپاہی ملک کی خاطر کٹ مرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔جرمنی اور امریکہ جیسے ممالک میں رہنا کسی خواب سے کم نہیں ہوتا۔یہاں ایک عام مزدور کی تنخواہ بھی دو لاکھ روپے سے اوپر ہوتی ہے۔یہاں ایک چھوٹی سے چھوٹی دکان بھی ماہانہ لاکھوں روپے دیتی ہے۔جرمنی اس دنیا کے چند طاقتور ترین ممالک میں سے ایک ہے۔ہم لوگ ایسے ملک میں بالکل تلوار کی نوک پر رہتے ہیں۔اپنے ملک میں بھی ہمیں چوبیس گھنٹے چوکس رہنا پڑتا ہے اور بیرون ملک میں تو ہلکی سی غلطی کی گنجائش بھی نہیں ہوتی۔یہاں ہلکی سی غلطی سے بھی ہماری شناخت اوپن ہو جاتی ہے۔اور پھر ساری زندگی جیل کی سلاخیں ہی ہمارا مقدر بنتی ہیں۔بیرون ملک میں پکڑے جانے کی صورت میں ہماری ایجنسی ہمیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیتی ہے۔اس سے ملک کی بدنامی ہوتی ہے۔آئی ایس آئی اپنے ملک کی عزت کی خاطر اپنے بہترین سے بہترین ایجنٹ کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ہمارے ایجنٹ بھی تو پاکستان کی حفاظت کے لیے چوبیس گھنٹے تیار رہتے ہیں۔پاکستان ایسے سرپھروں کی وجہ ہی سے تو قائم ہے۔راضی سوئزرلینڈ میں ایک آدمی اپنی فیملی کے ساتھ رہتا ہے۔کافی بڑا آدمی ہے اس کے پاس سیکیورٹی گارڈز بھی ہوتے ہیں۔ہم نے اس شخص کو مارنا ہے۔فائل کے اندر اس کی پوری تفصیل موجود ہے تم آرام سے اس فائل کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مطالعہ کرو میں آج رات کارلسروہے میں ہی ہوں۔کل صبح 10 بجے ہم دونوں نے ادھر سے نکلنا ہے اس نے ایک چھوٹی سی فایل میری طرف بڑھائی۔ یہ اصل میں فائل نہیں تھی بلکہ ایک پھولا ھوا لفافہ تھا جس میں کافی سارے کاغذات کو فولڈ کر کے رکھا گیا تھا۔میں نے لفافے کو پکڑا اور اسے جیب میں ڈال لیا۔ٹھیک ہے راضی تم اچھی طرح مطالعہ کر لینا میں اب نکلتا ہوں۔ ابھی کل دس بجے ہی فون کروں گا تم تیار رہنا وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔سر آپ چائے یا کافی تو پی کر جائیں صرف ایک منٹ لگے گا میں نے ان سے کافی کا پوچھا۔نہیں یار ابھی کافی پینے کا کوئی موڈ نہیں ہے میرے پاس وقت بھی بہت کام ہے۔ابھی میں نے کچھ اور لوگوں سے بھی مشن کے لیے رابطہ کرنا ہے۔سوئزرلینڈ میں اسلحے کا بندوبست بھی کرنا ہے۔ٹارگٹ کو مارنے کی منصوبہ بندی تو ہم ادھر جا کر ہی کریں گے۔انہوں نے کافی پینے سے معذرت کر لی اور باہر چلے گئے۔میں نے واپس کاؤنٹر پر آ کر جیب سے لفافہ نکالا اور اس کے اندر سے کاغذات نکال کر موٹی موٹی نظر ڈالی۔فائل کے اندر ٹارگٹ کی پوری تفصیل موجود تھی۔اس کے بیوی بچے سکیوٹی گارڈ اس کے گھر کا مکمل ایڈریس اور نقشہ سوئزرلینڈ کے شہر برن کی بھی پوری تفصیل موجود تھی۔فائل کے اندر ٹرین اور بسوں کے ٹائم ٹیبل تک موجود تھے۔تا کہ مشن مکمل کرنے کے بعد اگر کوئی پرابلم ہو جائے اور ہمارا ایک دوسرے سے رابطہ کٹ جائے تو اکیلے ہی پبلک ٹرانسپورٹ سے بھی شہر سے باہر نکل سکیں۔میں نے ایک موٹی موٹی نظر کاغذات پر ڈالی اور اسے دوبارہ جیب کے اندر رکھ لیا۔شام کو گاہک جلدی آنا شروع ہو جاتے تھے ریستوران میں گاہک آنا شروع ہو گئے تو میں ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔رات کو آٹھ بجے کے قریب مما لک بھی آ گیا۔مالک نے آج تنخواہ دینی تھی اس کے بعد سب ایک مہینے کی چھٹی پر چلے جاتے۔صرف صفائی والا ایک لڑکا ہی مزید دو تین دن تک ریسٹورانٹ میں رکتا۔وہ کھانے پینے کے سامان کو کلوز کرتا خراب ہو جانے والے اور کھلے ہوئے سامان کو دوسرے ریسٹورنٹ میں منتقل کرتا اور پھر وہ بھی چھٹی پر چلا جاتا۔ہم سب چھٹی کے لیے کافی پر جوش تھے۔مالک نے آتے ہی ایک نیا دھماکہ کر دیا۔راضی ریسٹورنٹ اس مہینے بند نہیں ہو رہا ہے۔ہم اگلے مہینے ریستوران بند کریں گے۔کیا پاہ جی یہ آپ کیا کہہ رہے ہو۔اس مہینے کی بجائے آپ اگلے مہینے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیوں بند کر رہے ہو۔ میں نے حیرانگی سے کہا۔ یار دو ہفتے بعد جرمن چانسلر کارلسروہے آ رہی ہے۔ ان کی آمد کے موقع پر یہاں کافی رش ہوگا۔ جرمنی میں ملک کا آئینی سربراہ اور سب سے بڑا عہدہ چانسلر کا ہوتا ہے۔ اس کے اختیارات وزیر اعظم کے برابر ہوتے ہیں اور اسے عوامی ووٹوں کے ذریعے چار سال کے لئے چنا جاتا ہے۔ ملک کے اندر سبھی چھوٹے بڑے فیصلے چانسلر ہی کرتا ہے۔ ایک بار منتخب ہونے کے بعد اسے پارلیمنٹ یا سپریم کورٹ بھی نا اہل قرار دے کر عہدے سے معزول نہیں کر سکتی۔ چانسلر کو مکمل استثنٰی حاصل ہوتا ہے اور وہ بلا خوف ہو کر فیصلے کرتا ہے۔ انجیلا میرکل جرمنی کی چانسلر ہیں اور وہ اس عہدے پر مسلسل چوتھی بار سلیکٹ ہو چکی ہیں۔ کیا پاہ جی چانسلر ادھر کارل سروہے آ رہی ہیں میں نے سوال کیا۔ ہاں یار کارل سروہے کی سالانہ تقریبات میں اس بار وہ بھی شامل ہو رہی ہیں۔ اس بار کی تقریبات بہت بڑے پیمانے پر ہوں گی اور عوام بھی بہت ہوگی۔ ہمارا ریسٹورنٹ کا بزنس بھی کافی ہوگا۔ آنے والے سیاح انڈین کھانا بھی ٹرائی کریں گے۔ یار یہ کارل سروہے پیلس بہت پرانا محل ہے مالک نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جی پاہ یہ محل ستارویں صدی میں بنایا گیا ہے۔ کارلسروہے پیلس کو میوزیم بنا دیا گیا ہے۔ پیلس کے سامنے ایک بہت بڑا پارک ہے اور پارک کے بعد بالکل ایک تکون کی طرح بتیس گلیاں نکلتی ہیں۔ محل کے پیچھے ایک بہت اونچا ٹاور ہے اس ٹاور کے اوپر سے دیکھنے پر پورا شہر ایک پنکھے کی طرح نظر آتا ہے۔ اسی لیے کارلسروہے کو فین سٹی بھی کہتے ہیں۔ جرمن چانسلر کے آنے کا یہی مطلب تھا کہ شہر کے اندر سیاحوں کا سیلاب آنے والا ہے۔ راضی جرمن چانسلر اگر تقریبات میں شرکت کرتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ہزاروں سیاح بھی ان تقریبات میں شرکت کے لیے آئیں گے۔ سیاح انڈین کھانے بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ پندرہ بیس دنوں کے اندر اندر ہم لوگ چھ مہینے کا بزنس کر جائیں گے۔ چھٹی کا کیا ہے چھٹی ہم اگلے مہینے کر لیں گے۔ میں اندر کیچن میں بھی بول دیتا ہوں وہ اٹھے اور اندر کیچن کی طرف چلے گئے۔ جب کہ میں ایک ٹیبل پر جا کر خالی برتن اکٹھے کرنے لگا۔ میں نے وہاں سے برتن اٹھا کر کچن میں رکھے اور واپس آ کر ٹیبل سے گندا کپڑا اٹھایا اور وہاں تازہ کپڑا بچھا دیا۔ اتنی دیر میں ایک اور ٹیبل آ گئی تھی۔ میں نے جلدی سے جا کر انکو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مینو کارڈ دیے۔ مالک نے اندر کچن میں جا کر لڑکوں کو بتایا اور باہر داخلی دروازے پر موجود نوٹس بورڈ پر چھٹی کے اعلان کو کاٹ کر وہاں نیا ٹائم ٹیبل لکھ دیا۔ راضی تم پاکستان تو نہیں جا رہے تھے مالک نے سرسری انداز سے کہا۔ میں نے انکو کچھ دن پہلے بتایا تھا کہ میں پاکستان نہیں جا رہا ہوں بلکہ اس سال یورپ میں گھومنے جاؤں گا۔ میں نے ان سے جھوٹ بولا تھا نہیں پاہ جی میں ادھر ہی تھا۔ میرا فرانس جانے کا پروگرام تھا۔ میرے کاغذات میں مسئلہ تھا میں نے وہ ٹھیک کروانے تھے۔ پرسوں کی میری اپوائنٹمنٹ بھی تھی میں نے جلدی سے ایک بہانہ بنایا۔ مجھے کل اپنے افسر ندیم کے ساتھ مشن پر سویزرلینڈ جانا تھا۔ اوہ کاغذات میں کیا پرابلم ہوگئی ہے مالک نے فکرمندی سے کہا۔ بھاٹیہ صاحب اپنے سٹاف کا بہت خیال رکھتے تھے۔ پاہ جی زیادہ پرابلم نہیں ہے۔ میں نے ویزا فرانس کا لیا تھا بعد میں اسے جرمن ویزا کے ساتھ تبدیل کر لیا ہے۔ ابھی کچھ ٹیکس کے معاملات چل رہے ہیں میں ان کو ٹھیک کروانا چاہتا ہوں۔ تین چار دن کا کام ہے اگر آپ چھٹی دے دیتے تو میں آرام سے ٹیکس کے سارے معاملات ٹھیک کروالیتا میں نے اپنی مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے یار چانسلر کو آنے میں ابھی پورے دو ہفتے باقی ہیں تم آرام سے جا کر واپس آسکتے ہو۔ مالک نے مجھے فرانس جانے کی اجازت دے دی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کام پر لگ گیا۔ رات کو گیارہ بجے ریسٹورنٹ بند کر کے میں نے ریسٹورنٹ کو تالا لگا کر چابی دوسرے ویٹر کے حوالے کی اور گھر آ گیا۔ کھانا ہم لوگ ادھر ریسٹورانٹ میں ہی کھا لیتے تھے۔ میں نے جلدی سے نہا کر کپڑے بدلے اور ایک بار پھر لفافہ کھول کر مشن کی تفصیلات دیکھنے لگا۔ کوئی دو گھنٹے تک میں نے فائل کے سبھی کاغذات کا اچھی طرح مطالعہ کر لیا اور اس کے بعد میں نے سارے کاغذات کو جلا کر راکھ واش بیسن میں بہا دی۔ مشن کی ساری تفصیلات اب میرے ذہن میں حفظ ہوگئی تھی۔ میں نے موبائل سے میپ نکال کر سوئزرلینڈ کے شہر برن کا اچھی طرح نقشہ دیکھ لیا تھا اور میں مشن کے لیے مکمل طور پر تیار ہو چکا تھا۔ دوسرے دن ٹھیک دس بجے ندیم کا فون آیا اور انہوں نے مجھے ٹرین سٹیشن پر پہنچنے کا کہا۔ میں ان کے فون آنے سے پہلے ہی مکمل تیار ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے فون سنتے ہی میں نے کمرے سے باہر نکل کر اسے تالا لگایا اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسٹیشن جانے کے لئے ٹرام کا انتظار کرنے لگا۔ پورے کارلسروہے شہر میں ٹرام لائنوں کا جال بچھا ہوا تھا۔

شہر کے اندر سفر کرنے کے لیے ٹرام کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ صبح پانچ بجے سے لے کر رات 12 بجے تک چلتی تھیں۔ شہر کے اندر کوئی دوسو سے اوپر ان کے سٹاپ تھے اور سبھی کمپیوٹرائزڈ تھے۔ جن کے اوپر ٹرام کے آنے کا ٹائم اور اس کی منزل لکھی ہوئی ایک سکرین پر چلتی تھی۔ میری مطلوب ٹرام آ گئی تو میں اس میں سوار ہوا اور مین اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ وہ آدمی ندیم پہلے ہی میرا انتظار کر رہا تھا۔ میرے پہنچتے ہی انہوں نے مجھے ساتھ لیا اور پلیٹ فارم پر آ گئے۔ کارلسروہے سے سٹٹگارٹ جانے والی ٹرین لگی ہوئی تھی۔ ہم دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ کارلسروہے سے ڈائرکٹ سوئزرلینڈ کے شہر زیورچ کی ٹرین مل جاتی تھی لیکن انہوں نے سیدھے جانے کی بجائے پہلے سٹٹگارٹ جانا مناسب سمجھا۔ اسٹوٹ گارٹ سے ہم نے ذیورخ کی ٹرین پکڑی اور زیورخ سے ہم ایک بس کے ذریعے برن آ گئے۔ برن سویزرلینڈ کا دارالحکومت ہے۔ دریائے آری برن شہر کے اندر ایک زگ زیگ بناتا ہوا گزرتا ہے۔ ڈیڑھ لاکھ کی آبادی والا یہ شہر دنیا کے دس محفوظ ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ سرسبز وشاداب پہاڑیاں اور شہر کے اندر بھول بھلیاں بناتا ہوا دریائے آری برن شہر کو انتہائی خوبصورت بنا دیتا ہے۔ شہر کے تقریباً سبھی امکانات ایک منزلہ یا دومنزلہ ہیں ان کی چھتیں گلابی اینٹوں سے بنی تکونی ہیں۔ یہ برف باری سے بچاؤ کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ سردار مہلاب برن شہر سے باہر شمالی جانب لاندلی میں رہتا تھا۔ لاندلی کالونی دریا کے دوسرے کنارے پر تھی۔ اس چھوٹی سی کالونی کے تین اطراف سے دریا بہتا تھا۔ انتہائی خوبصورت اور اتنی ہی امیر کالونی تھی۔ پہاڑی علاقہ تھا کالونی میں سارے ہی بنگلے تھے جن کے آگے بڑے بڑے گھاس کے پلاٹ بنے ہوئے تھے۔ بنگلے بھی کم سے کم آدھے آدھے ایکڑ پر پھیلے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے ایک ٹیکسی لی اور دریا کراس کر کے لاندلی آ گئے۔ سردار مہلاب کا بنگلہ دریا کے بالکل اوپر ایک بہت بڑے قلعے کی طرح لگ رہا تھا۔ نوفٹ سے اونچی دیوار تھی۔ سامنے لوہے کا بڑا گیٹ تھا جبکہ ایک چھوٹا دروازہ بھی موجود تھا جو بند تھا۔ گیٹ کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چیک پوسٹ بنی ہوئی تھی۔ چھوٹا دروازہ اسی چیک پوسٹ کا تھا۔ جو دوسری طرف ایک اور دروازے سے اندر گھر میں داخلے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یہاں دو سکیورٹی گارڈ دن کو ڈیوٹی دیتے تھے۔ اور دو گارڈ رات کو ڈیوٹی پر ہوتے تھے۔ جب کہ ایک سکیورٹی گارڈ اندر بنگلے میں بھی ہوتا تھا۔ چیک پوسٹ کے ساتھ ہی ایک اور کواٹر بھی تھا اس میں تین کمرے تھے۔ گارڈ ڈیوٹی کے بعد ادھر ہی سوتے تھے۔ پانچ سیکیورٹی گارڈ کے علاوہ تین اور ملازم بھی تھے یہ بنگلے کے اندر کام کرنے والے ملازم تھے۔ راضی سکیورٹی گارڈ سمیت ٹوٹل 13 لوگ ہیں بنگلے کے اندر۔ بنگلہ مکمل طور پر سکیورٹی سیلڈ ہے۔ نو فٹ اونچی دیوار ہے اور اس کے اوپر تار لگی ہوئی ہے۔ جن میں انتہائی طاقتور کرنٹ دوڑ رہا ہے۔ بنگلے میں سکیورٹی سسٹم کے علاوہ کتے بھی موجود ہیں جو اندر آزادانہ گھومتے رہتے ہیں۔ اندر بنگلے میں کھڑکیوں میں بھی لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں دروازے ایلومینیم کے ہیں۔ ہم اگر کسی طرح بیرونی سکیورٹی کو توڑ کر اندر داخل ہونے میں کامیاب بھی ہو گئے تو بھی بلڈنگ کے اندر گھسنا ناممکن ہو جائے گا۔ پولیس اسٹیشن یہاں سے صرف دو کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ پولیس زیادہ سے زیادہ دس منٹ کے اندر اندر یہاں پہنچ جائے گی جب کہ 10 منٹ تو ہمیں باہر سیکیورٹی گارڈ سے لڑتے لڑتے ہی گزر جائیں گے۔ راضی یہ ناممکن سا آپریشن لگ رہا ہے۔ کرنل ندیم نے پریشانی سے کہا۔ ہم دونوں بنگلے کا ایک چکر لگا کر آ گئے تھے اور اب واپس ہوٹل کی طرف جا رہے تھے۔ کرنل صاحب نے اس بار اپنا تعارف کروا دیا تھا۔ وہ لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر فائز تھے ان کے پاس پورے یورپ کا چارج تھا۔ یہ براہ راست اسلام آباد میں ہیڈ کوارٹر کو جواب دہ تھے اور وہیں سے احکامات وصول کرتے تھے۔ سر جی کوئی بھی کام ناممکن نہیں ہوتا اس شخص نے میرے ملک کے ہزاروں بے گناہوں کا خون بہایا ہے اب اتنی آسانی سے ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ اسے اس کے جرم کی سزا ملنی چاہیے اور وہ سزا اسے ہم دے کر ہی رہیں گے۔ میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ بچے تمہارے جیسے نوجوان ایجنٹ اس ملک کا فخر ہیں کوئی دشمن ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کرنل صاحب نے میرے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ سر بڑے بڑے قلعے کبھی موت کو نہیں روک سکتے۔ جو میرے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچائے گا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسے دنیا کی کوئی طاقت موت سے نہیں بچا سکتی۔آئی ایس آئی کا ایک ایک ایجنٹ پوری کی پوری فوج پر بھاری ہوتا ہے تو پھر یہ 5 سیکورٹی گارڈ کیا چیز ہیں۔میں نے فخر سے سینہ تانتے ہوئے کہا۔صحیح کہتے ہو یار لیکن ایک بات میں بتانا بھول گیا ہوں۔یہ نارمل سیکورٹی گارڈز نہیں ہیں یہ بھی ایجنٹ ہی ہیں۔خفیہ ایجنسی کے مین شوٹر ہیں اور خاص طور پر انہیں اس جگہ تعینات کیا گیا ہے۔سردار مہلاب بہت بڑی چیز ہے۔اس کی حفاظت ہمارا ہمسایہ ملک کر رہا ہے۔بنگلے کے اندر کام کرنے والے تینوں ملازمین تک ایجینسی کے تربیت یافتہ ایجنٹ ہیں۔

کرنل ندیم نے کہا۔ہم دونوں نے دریا کراس کیا اور دوسری طرف شہر کے اندر ایک نسبتاً بڑی کالونی میں آ گئے۔کرنل ندیم نے یہاں ایک کوٹھی لی ہوئی تھی۔یہ برن شہر کے اندر آئی ایس آئی کا خفیہ سے ہاؤس ہاؤس تھا۔کرنل ندیم نے دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی بجائی۔کون ہے گھنٹی کے ساتھ لگے ہوئے اسپیکر سے آواز آئی۔احمد ندیم ہوں میں میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہے۔کرنل ندیم نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔وہ دوسری طرف گھر میں موجود آدمی کو احمد کے نام سے بلا رہے تھے۔تھوڑی دیر بعد ہی دروازہ کھولا اور ایک پچیس تیس سال کا نوجوان باہر نکلا۔سوری سر آپ کو تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا۔آنے والے نوجوان آدمی نے کرنل ندیم سے معذرت کی اور ہمیں لے کر گھر کے اندر چلا گیا۔گھر کے اندر مزید سات اور لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔سبھی نوجوان لڑکے تھے وہ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔آرمی میں سادہ کپڑوں اور ٹوپی کے بغیر سیلوٹ نہیں کیا جاتا ہے۔اگر ایک فوجی سپاہی نے ٹوپی نہیں پہنی ہوئی ہے تو وہ کسی بھی افسر کو ہاتھ اٹھا کر سیلوٹ نہیں کرتا۔یہاں ہم سب ہی سادہ کپڑوں میں ملبوس تھے لیکن پھر بھی وہ سارے لوگ کرنل ندیم کو سیلوٹ کر رہے تھے۔جن کا کرنل صاحب مسکراتے ہوئے جواب دے رہے تھے۔سلام جواب سے فارغ ہو کر ہم سب ایک بڑی ٹیبل کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔سر کافی یا چائے کیا پسند کریں گے۔اس بار بھی احمد نے پوچھا۔راضی کیا پیو گے چائے یا کافی کرنل ندیم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔سر آپ کی مرضی ہے آپ سینئر افسر ہوں جو پسند کریں گے ہم وہی پیں گے۔میں نے نارمل لہجے میں کہا۔نہیں یار یہاں کوئی بھی سینئر جونیئر نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔آپریشن کے وقت ہم سب ایک ہی ہوتے ہیں۔دشمن کی چلائی ہوئی گولی کبھی سینئر اور جونیئر نہیں دیکھتی ہے۔جب پاکستان جائیں گے اپنے ملک۔تو اپنے ملک میں ہی میں ایک کرنل ہو یہاں آپ لوگوں جیسا ہی ہوں۔موٹروے کرنل صاحب نے عاجزی سے کہا۔ٹھیک ہے سر پھر میرے خیال سے چائے ہی ٹھیک رہے گی باقی اگر کسی نے کافی پینی ہو تو چینج کر سکتے ہیں۔میں ابھی تک اپنا حتمی فیصلہ نہیں دے رہا تھا۔آرمی میں سینئر افسر جتنا مرضی بے تکلف ہو جائے جونیئر کبھی بھی ایک حد سے آگے نہیں بڑھتے ہیں۔ایک افسر پاکستان کے اندر بھی افسر ہی ہوتا ہے اور پاکستان سے باہر بھی۔یہ افسر تو انڈین بارڈر پر بھی چلے جائیں تو دوسری طرف کے فوجی جوان بھی انہیں سلیوٹ مارتے ہیں جبکہ پاکستان میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔پاکستانی فوجی بھی انڈین افسروں کو سلیوٹ مارتے ہیں۔آرمی میں یہی ڈسپلن سکھایا جاتا ہے یہاں آدمی اس کی ذات یا مذہب کو نہیں بلکہ اس کے کندھے پر لگے سٹارز کو سلیوٹ مارتا ہے۔عزت بھی ان کے کندھے پر لگے ان سٹارز کی ہی ہوتی ہے۔یہ عزت ملک سے باہر بھی اتنی ہی ہوتی ہے۔راضی میرے خیال میں تم چائے پینا ہی پسند کر رہے ہوں اس لئے چائے ہی ٹھیک رہے گی۔کرنل صاحب نے احمد کو چائے کا ہی کہا تو احمد نے ایک لڑکے کو اشارہ کیا اور وہ جلدی سے اٹھ کر کچن میں چلا گیا۔احمد سردار مہلاب کے بنگلے کا نقشہ بھی لے آؤ اور اسلحے کی تفصیل بھی بتاؤ۔ہمارے پاس کون کون سا اسلحہ موجود ہے کرنل ندیم نے احمد سے کہا تو وہ جلدی سے اٹھا اور کمرے کے کونے میں رکھّی ایک لکڑی کی الماری کھول کر اس میں موجود ایک فائل اٹھا کر لے آیا۔اس فایل میں نقشہ بھی موجود تھا اور اسلحے کی بھی پوری تفصیل موجود تھی۔سر ہمارے پاس ہر قسم کا اسلحہ موجود ہے۔چھوٹی مشین گنوں سے لے کر دستی بم تک سب موجود ہے۔باقی آپ ایک بار لسٹ دیکھ لیں اور مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں ہم بندوبست کر سکتے ہیں۔اٹالین مافیا کا ایک گروپ ہم سے رابطے میں ہے۔یہ سارا اسلحہ اور بارود ہم نے اُن سے ہی منگوایا ہے وہ لوگ پیسہ لے کر آپکو ٹینک تک فراہم کر سکتے ہیں احمد نے فائل میز پر رکھتے ہوئے کہا۔راضی تم ایک بار فایل کا اچھی طرح مطالعہ کر لو اور آپریشن کی منصوبہ بندی بھی کر لو۔کوئی اور اسلحہ یا سامان چاہیے تو بتا دینا ہمارے پاس پیسوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔پاکستان کی سالمیت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور حفاظت کے آگے پیسے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ایجنسی کے پاس اربوں کا فنڈز موجود ہے کرنل ندیم نے مجھے فایل دیکھنے کا کہا۔ میں نے خاموشی سے فائل پکڑی اور احمد اور اس کے گروپ کی ریکی کی تفصیلات پڑھنے لگا۔ احمد سردار مہلاب کے بنگلے کی اس وقت کوئی نگرانی کر رہا ہے۔ یا پھر ادھر کوئی بھی نہیں ہے۔ چائے بن کر آ گئی تھی میں نے ایک کپ چائے کا پکڑا اور احمد سے نگرانی کا پوچھنے لگا۔ دو لڑکے وہیں بنگلے کے نزدیک ایک پارک میں بیٹھے نگرانی کر رہے ہیں۔ وہاں سے ڈائریکٹ بنگلے پر نظر تو نہیں رکھی جاسکتی ہے ہم نے روڈ پر بنے ہوئے دو کھمبوں پر چھوٹے کیمرے لگا دیئے ہیں اور یہاں سے ڈائرکٹ بنگلے کو دیکھ رہے ہیں۔ وہاں ان لڑکوں کے پاس گاڑی بھی موجود ہے اور وہ چوبیس گھنٹے الرٹ ہیں کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں وہ فوراً حرکت میں آ سکتے ہیں۔ احمد نے مجھے پوری تفصیل سے آگاہ کیا تو میں نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک بار پھر فائل پر جھک گیا۔

میں آئندہ کا لائحہ عمل بنا رہا تھا۔ کرنل ندیم نے اس آپریشن کی پوری ذمہ داری مجھے دی ہوئی تھی۔ میں نے ہی مکمل پلاننگ بنانی تھی۔ ایک آدمی کو مارنے کے لیے آئی ایس آئی کے بارہ تربیت یافتہ ترین کمانڈوز سوئزرلینڈ کے بنگلے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سبھی کے چہرے پُرعزم تھے۔ بہادری اور جرات جیسے سبھی کے چہروں پر ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک انجان ملک کے انجان شہر میں سبھی کمانڈوز کے چہروں پر خوف کی ایک رمق تک موجود نہیں تھی۔ یہاں دُشمنوں سے بھی لڑائی تھی اور دوستوں سے بھی۔ دشمن کی گولی بھی ہمارا انتظار کر رہی تھی اور سوئزرلینڈ کی پولیس بھی۔ موت دونوں طرف ہی موجود تھی۔ یورپی پولیس کبھی بھی گرفتار کرنے کا چانس نہیں لیتی انہیں خودکش جیکٹ کا ڈر ہوتا ہے اس لیے وہ کبھی بھی نزدیک آ کر نہیں پکڑتے بلکہ پہلے گولی مارتے ہیں اور پھر مرنے کے بعد ہی پولیس دہشت گرد کے نزدیک آتی ہے۔ یورپی ممالک کے نزدیک تو ہم دہشت گرد ہی ہیں۔ ہماری ایجنسی تو ہمیں پاکستانی تک ماننے سے انکار کر دیتی ہے۔ مرنے سے پہلے بھی ہم ایجنٹوں کی کوئی شناخت نہیں ہوتی اور مرنے کے بعد بھی ہم گمنامی کی موت ہی مرتے ہیں۔ ہماری لاشیں یہاں کے میڈیکل کالجوں کے طالبِ علموں کے چیرنے پھاڑنے کے کام آتی ہیں۔ مرنے کا اصل مزہ بھی یہی ہے ورنہ موت تو بستر پر بھی آ جاتی

ہے۔انسان پیدا ہوتا ہے ساٹھ ستر سال تک بے مقصد سا جیتا ہے اور پھر خاموشی سے مر جاتا ہے۔ یہ تو کوئی زندگی نہ ہوئی۔آئی ایس آئی کے سبھی جاسوس پاکستان کی حفاظت کے لئے کٹ مرنے پر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔یہی محبت اور وفاداری پاکستان کو دشمن کی ایک ایک بری نظر سے بچا لیتی ہے۔احمد راکٹ لانچر مل جائیں گے میں نے فائل بند کی اور احمد کی طرف دیکھنے لگا۔

روہت کنو اور لکھویندر کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔کنو کے ماں باپ اور دونوں چھوٹے بھائیوں کو اس نے اغوا کر کے اسی وقت دہلی روانہ کر دیا تھا۔جبکہ کنو کو ساتھ لے کر وہ امرتسر کے گاؤں کو ٹکڑ کلاں پہنچا تھا۔وہاں اس نے لکھویندر کے دونوں دوستوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا جبکہ لکھویندر کو ساتھ لے کر وہ بھی دلی پہنچ گیا۔باس نے اسے دلی شہر کے اندر کی بجائے مضافات میں فارم ہاؤس پر بلایا تھا اس لئے وہ سیدھا ادھر ہی چلا گیا۔فارم ہاوس دہلی شہر سے باہر تھا اور ایسے کاموں کے لیے بہترین تھا۔وہ لوگ اپنے دشمنوں کو مار کر یہیں ان کی لاشوں کو جلاتے تھے اور راکھ کو پانچ سو میٹر کے فاصلے پر بہنے والے دریائے گنگا میں بہا دیتے تھے۔یہاں کسی کو کانوں کان خبر ہی نہیں ہوتی تھی۔کنو کے ماں باپ اور دونوں چھوٹے بھائی پہلے ہی اس فارم ہاوس پر پہنچ گئے تھے۔اب روہت بھی ان دونوں کو لے کر پہنچ گیا۔باس لڑکی اور لڑکا دونوں آگئے ہیں آگے کا کیا پلان ہے روہت نے باس کو سلام کیا اور اس کے اشارے پر سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔وہ بہت زبردست کام کیا ہے تم نے روہت تم بلاشبہ میرے رائٹ ہینڈ بننے کے قابل ہو۔باس نے روہت کو شاباش دی تو وہ باس کے تعریفی کلمات سن کر خوش ہو گیا۔دینو تم ایسا کرو لڑکی اور لڑکے دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر آپریشن روم میں پہنچا دو میں تھوڑی دیر میں آ کر دیکھتا ہوں۔باس نے پاس کھڑے ایک آدمی کو کہا تو وہ فوراً کمرے سے باہر چلا گیا۔باس آپ بہت جلدی کر رہے ہیں روہت نے سرسری انداز سے پوچھا۔یار وہ لوگ کافی تنگ کر رہے ہیں بار بار فون کر کے لڑکی کا پوچھ رہے ہیں مجھے کل شام تک لڑکی ان کے حوالے کرنا ہو گی۔باس نے اس سے کہا۔اوہ باس یہ تو واقعی بہت جلدی ہے اتنی دیر میں تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں آپ ان کو انکار کر دیتے ہم لوگ کوئی اور پارٹی تلاش کر لیں گے اس نے جلدی سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہا۔اسے لڑکی سے دستبرداری اچھی نہیں لگ رہی تھی وہ لڑکی کو کچھ دن اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔نہیں یار میں اس پارٹی کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا۔صرف ایک لڑکی کے ہمیں وہ لوگ تین ارب روپے دے رہے ہیں۔اتنی بڑی ڈیل ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں ہماری ایک سال کی کمائی بھی کبھی 50 کروڑ سے اوپر نہیں گئی جبکہ یہاں ہم تین ارب روپے اکٹھے کما رہے ہیں۔روہت ہمیں صرف اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے پیسہ بہت زیادہ ہے لڑکی کا کیا ہے اس ملک میں لڑکیوں کی کون سی کمی ہے ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی ہے اس ملک میں باس نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔دینو نے سارا انتظام کر دیا تو وہ واپس کمرے میں آیا اور اس نے باس کو اوکے رپورٹ دے دی۔ٹھیک ہے روہت میں نکلتا ہوں۔تم ایک گھنٹہ انتظار کر لو اس کے بعد تمہیں بھی پورا موقع ملے گا۔ہمارے پاس آج کی رات اور کل کا پورا دن پڑا ہوا ہے ہم اس دوران بہت کچھ کر سکتے ہیں باس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں کنو اور اسکا دوست لکھویندر دونوں بندھے ہوئے پڑے تھے۔کیسی ہو جان من تم تو بہت خوبصورت ہو باس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کنو کی طرف دیکھا۔اسکی آنکھوں میں نشے کی وجہ سے سرخی دوڑ رہی تھی۔جبکہ کنو اور لکھویندر دونوں خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔

دونوں کو ان لوگوں کی دہشت کا اندازہ امرتسر میں ہی ہو گیا تھا جہاں انھوں نے دونوں لڑکوں کو بلا دریغ گولی مار دی تھی۔ناراض ہو جان من جواب نہیں دے رہی ہوں باس نے کنو کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔آپ۔۔۔۔آپ ہمیں کیوں پکڑ کر یہاں لائے ہیں ہمارا کیا قصور ہے کنو نے اٹک اٹک کر سوال کرتے ہوئے کہا۔اوہ میری پیاری سی شہزادی قصور تو تمہارا بلکل ہی نہیں ہے قصور تو صرف ہمارا ہے تو مجھے پسند آ گئی ہو باس کا ہاتھ ابھی تک کنو کے چہرے کا طواف کرر رہا تھا۔انکل پلیز مجھے چھوڑ دیں میں آپ کی بیٹی کی طرح ہوں کنو نے اس کی منتیں کرتے ہوئے کہا۔ابے چپ سالی بکواس کرتی ہو میں یہاں تمہیں شہزادی بنانے کے چکر میں ہوں اور تم مجھے باپ بنا رہی ہو۔باس نے ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر مارتے ہوئے کہا۔دیکھو کنو تمہارے ماں باپ اور دونوں بھائی اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وقت ہمارے قبضے میں ہیں تم میری دہشت سے بہت اچھی طرح واقف ہو چکی ہو۔ میں یہاں کا باس ہو اور مجھے کسی کو بھی گولی مارنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تم آرام سے میری خواہش پوری کر دو تو میں ایک دو دن تک تمہیں اپنے پاس رکھوں گا اس کے بعد چھوڑ دوں گا۔ ورنہ سب سے پہلے یہ لکھویندر مرے گا اس کے بعد میں ایک ایک کا گلہ کاٹ دوں گا۔ سوچ لو گ کیا فیصلہ ہے باس نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔ بھگوان کے لئے مجھے چھوڑ دو کنو کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز آرہی تھی وہ ابھی تک باس کی منتیں کر رہی تھی۔ ارے بھگوان نے تمہیں اتنا خوبصورت بنایا ہی اس لئے ہے کہ تم میرے پاس آؤ۔ میرے خیال میں مجھے کسی ایک کو مارنا ہی پڑے گا پھر ہی تم مانوں گی۔ باس نے جیب سے ریوالور نکال کر لکھویندر کے سر پر رکھ دیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش ہی پڑا ہوا تھا انہوں نے اسے ہوش میں نہیں لایا تھا۔ نہیں انکل بھگوان کے لیے انہیں مت مارنا میں آپ کی سبھی شرطیں ماننے کے لئے تیار ہوں کنو نے چلاتے ہوئے کہا اُس نے اس بار باس کو پھر انکل کہہ کر بلایا تھا۔ وہ نئے زمانے کی نوجوان لڑکی تھی جہاں موت سے بچنے کے لئے عزت کی قربانی دے دی جاتی ہے۔ وہ کوئی فلمی ہیروئن نہیں تھی جو عزت کی خاطر موت کو گلے لگا لیتی۔ کیا بات ہے میری شہزادی کی بہت اچھا فیصلہ کیا ہے جو بات پیار اور محبت سے ختم ہو سکتی ہے تو پھر کیا ضرورت ہے فالتو کے خون خرابے کی۔ باس نے اس بار اپنے ہاتھ کو اس کی قمیض کے اندر ڈال دیا۔ آپ جو چاہتے ہیں وہ میں کرنے کے لئے تیار ہوں پلیز بھگوان کے لئے مجھے اور میرے گھر والوں کو کچھ مت کہنا وہ ایک بار پھر اس کی منتیں کرنے لگی۔ بے فکر رہو یار تمہیں اور تمہارے گھر والوں میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ باس نے اس کے پیر کھول دیے اور اسے لے کر ایک بیڈ پر چلا گیا۔ بیڈ اسی کمرے کے ایک کونے میں لگا ہوا تھا باس نے اس کے ہاتھ نہیں کھولے تھے وہ بندھے ہاتھوں کے ساتھ ہی ایک بار اچھا سا اڈوینچر رومانس کرنا چاہتا تھا۔ تم بہت خوبصورت ہو کنو کوئی بھی آدمی تجھے ایک بار دیکھ کر ہی پاگل ہو سکتا ہے باس نے شیطانی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔ اُس نے کنو کی شرٹ کا ایک کونہ دانتوں سے پکڑا اور ان کی مدد سے وہاں ایک کٹ لگا یا۔ کٹ لگتے ہی اُس نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے زور لگا یا اور کنو کی شرٹ پھٹتی چلی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گئی۔ نیچے اس نے گلابی رنگ کا نازک سا بریزر پہنا ہوا تھا۔وہ بے چارا کہا مزاحمت کرسکتا تھا۔اس لئے خاموشی سے اتر کرعلیحدہ ہوگیا۔اگلے ایک گھنٹے تک کنو باس کی شیطانیت کا شکار ہوتی رہی باس کے چھوڑنے کے بعد روہت آ گیا اُس نے بھی جی بھر کر اپنے ارمان نکالے اور پھرلکھویندر کو ہوش دلا کر اسے کنو کے پاس لے گئے۔لکھویندر نے مزاحمت کی لیکن وہ لوگ پروفیشنل تھے آدھے گھنٹے کے ٹارچر نے ہی لکھویندر کوسب کچھ ماننے پر مجبور کر دیا۔انہوں نے لکھویندر کو طاقت کی گولیاں اور نشے کے ٹیکے لگائے ہوئے تھے۔روہت نے باس کے ساتھ مل کر کمرے میں کیمرا لگایا اور پھر دونوں کی فلم بنانے لگے۔اگلے دن تک انہوں نے لکھویندر اور کنو کی کوئی بیس سے اوپر بہترین ویڈیوز حاصل کر لی تھیں۔شام کو کنو کو لینے کے لیے ایک پارٹی پہنچ گئی۔آنے والے تین بڑی بند گاڑیوں میں آئے تھے۔یہ تعداد میں دس تھے اور سبھی کے پاس جدید ترین ہتھیار موجود تھے۔تم میں سے باس کون ہے آنے والے دس لوگوں میں سے ایک بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی نے پوچھا وہ ان کا سردار لگ رہا تھا۔جی میں یہاں کا باس ہوں۔باس نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ٹھیک ہے تم اپنے اکاؤنٹ میں پیسے چک کرلو رقم ٹرانسفر ہوگئی ہے۔لڑکی اور اس کے گھر والے ہمارے حوالے کر دو مونچھوں والے آدمی نے باس سے مرغوب ہوئے بغیر کہا۔جی جی سر میں ابھی چیک کر کے بندوبست کرتا ہوں اس بار باس ان سے مرعوب ہو گیا تھا۔اس نے جلدی سے کمپیوٹر آن کیا اور اس پر اپنے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات دیکھنے لگا۔ساری رقم اس کے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو چکی تھی۔روہت کنو اور اس کے گھر والوں کو لے آؤ۔باس نے روہت سے کہا تو وہ اندر سے لوگوں کو لانے چلا گیا۔وہ جلدی سے سب کو لے کر آ گیا۔

سبھی کے ہاتھ پیر باندھ ہوئے تھے اور اُن کے منہ سکاچ ٹیپ سے بند تھے۔آپ نے پانچ لوگ کہے تھے یہ چھ کیوں ہیں مونچھوں والے آدمی نے کنو اور اس کی فیملی کو بندھے ہوئے دیکھا تو باس پوچھنے لگا۔اوہ سوری میں بتانا بھول گیا تھا یہ لکھویندر ہے کنو کا دوست ویڈیو اسی لڑکے کے ساتھ بنی ہوئی ہے میں نے سوچا شاید آپ لوگوں کے کام آ جائے باس نے جلدی جلدی بتاتے ہوئے کہا۔نہیں نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ لڑکی اوراس کے گھر والے ہی ہمارے لیے بہت ہی موچھوں والے نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔اس نے کندھے سے مشین گن اتاری اور بندھے پڑھے لکھویندر کی طرف کر کے ایک برسٹ مار دیا۔ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں درجنوں گولیاں سٹین گن کی نال سے نکلیں اورانہوں نے لکھویندر کو چاٹ لیا۔دریائے راوی کے کنارے پاکستانی بارڈر پر آباد خوبصورت سے گاؤں کگڑ کلاں کا وہ سب سے خوبصورت لڑکا تھا۔جس نے سٹین گن کی نال کے سامنے ایک سیکنڈ بھی نہیں گزرا تھا۔کل رات سے وہ مسلسل نشہ اور طاقت کی گولیاں کھا رہا تھا۔اوراس وقت وہ بالکل آدھ مرا ہو چکا تھا اس لئے چیخ بھی نہیں مار سکا اور فوراً ہی مر گیا۔اس کی چھوٹی سی غلطی نے آج اس کی جان لے لی تھی۔کنو اور اسکے ماں باپ کی آنکھیں خوف سے پھٹ رہی تھی ان لوگوں کے منہ بند ہونے کی وجہ سے وہ چلا نہیں سکتے تھے لیکن پھر بھی ان کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز آرہی تھیں۔روہت نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر انہیں گاڑی میں سوار کرایا اور موچھوں والے آدمی نے روہت اور باس دونوں سے ہاتھ ملایا اور وہ لوگ دارالحکومت دہلی سے آگرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔آگرہ سے وہ اندور پہنچے اور وہاں سے گجرات کی مشہور ترین بندرگاہ سورت آگئے۔یہاں بندرگاہ پر ایک پرائیویٹ بحری جہاز لنگرانداز تھا۔یہ بہت بڑا شپ تھا جو بندرگاہ پر بالکل تیار کھڑا تھا۔ان لوگوں نے کنو اوراس کی فیملی کو جہاز میں سوار کرایا اور جہاز انہیں لے کر کھلے سمندر کی طرف جانے لگا۔اگلے ایک گھنٹے تک وہ بحر ہند کے کھلے سمندر میں پہنچ چکے تھے۔جب کہ پیچھے روہت اوراس کے باس کے اڈے پر انڈین انٹیلی جنس کا چھاپا پڑھ چکا تھا۔انڈین انٹیلی جنس انسپکٹر وجے کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔انسپکٹر وجے کے اکاؤنٹ میں بہت بڑی رقم جمع کروائی گئی تھی اوراسی وقت وہ بم بلاسٹ میں ہلاک ہو گیا تھا۔چونکہ معاملہ سائبر کرائم کے انسپکٹر کے مرنے کا تھا اس لیے انٹیلی جنس والے اسی وقت اکاؤنٹ ہولڈر کو تلاش کرنے لگے تھے۔باس کے اکاؤنٹ سے ہی انسپکٹر وجے کو رقم ٹرانسفر ہوئی تھی اور آج تین ارب روپیہ بھی اسی اکاؤنٹ میں ڈالا گیا تھا۔باس نے رقم چیک کرنے کے لیے لوکل انٹرنیٹ استعمال کر لیا تھا۔اس نے جیسے ہی اکاؤنٹ اوپن کیا اسی وقت اس کے نیٹ کنکشن کی تفصیلات دوسری طرف پہنچ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گئیں۔انٹیلی جنس اورسی بی آئی نے انتہائی تیز رفتار ایکشن کیا لیکن پھر بھی ساری چھان بین اور آپریشن میں کافی دیر ہوگئی۔وہ لوگ دو گھنٹے بعد پہنچے جبکہ باس کا کھلوتے کھلواتے مزید ایک گھنٹہ اور گزر گیا۔سی بی آئی والوں نے روہت اور باس کے علاوہ سبھی کو مار دیا تھا۔سی بی آئی نے ان سے معلومات لے کر گاڑیوں کو ڈھونڈنا شروع کیا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔وہ لوگ جس وقت پیچھا کرتے کرتے سورت کی بندرگاہ تک پہنچے اس وقت تک کنو کا شپ صومالیہ پہنچ چکا تھا۔صومالیہ کے ایک ویران سے ساحل پر ان لوگوں نے کنو کے ماں باپ اور دونوں چھوٹے بھائیوں کو اتارا اور کنو کو لے کر شپ یورپ کی طرف جانے لگا۔وہ شپ اٹلی جا رہا تھا جہاں سے کنو کو رسیو کیا جاتا اور پھر اسے کسی بھی لوکل بس یا ٹرین کی مدد سے جرمنی بھیج دیا جاتا۔کنو بھی میرے ہی شہر میں آ رہی تھی۔جرمن چانسلر دو ہفتے بعد کارلسروہے آ رہی تھی اور اس کے استقبال کے لیے ایک لڑکا پاکستان سے آ رہا تھا جبکہ دوسری لڑکی انڈیا سے آ رہی تھی۔یہ تو صرف دو پارٹیاں تھیں۔ابھی مزید اور پارٹیاں بھی آنے والی تھیں۔بہت سے لوگ تھے جو چوری چھپے اپنے مذموم مقاصد کے لئے حرکت میں آ رہے تھے۔جرمن چانسلر اس وقت دنیا کی طاقتور ترین عورتوں میں سے ایک تھی۔پچھلے 12 سال کی چانسلر شپ میں اس عورت نے جرمنی کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔جب کہ وہ اگلے چار سال کے لیے پھر سلیکٹ ہوگئی تھیں۔وہ مسلسل چوتھی بار جرمنی کی چانسلر بن گئی تھیں۔ایک عیسائی عورت ہونے کے باوجود وہ پوری دنیا میں مسلمان مہاجرین کے لیے کسی فرشتہ سے کم نہیں تھی۔اس نے نہ صرف لاکھوں مہاجرین کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی بلکہ اس کی وجہ سے دوسرے ممالک نے بھی کھول کر مہاجرین کی مدد اور ان کو پناہ فراہم کی تھی۔مسلمان مہاجرین کے لیے نرم گوشہ رکھنے کی وجہ سے ان کے دوست بھی کافی بنے تھے اور دشمنوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی تھی۔یہی دشمن ان کو راستے سے ہٹانے کے لیے سازشیں کر رہے تھے۔کنو کا کیس انٹیلی جنس اور سی بی آئی سے باہر نکلا تو اس میں را بھی ملوث ہوگئی۔را نے روہت اور اس کے باس پر بہت تشدد کیا لیکن ان دونوں کو کچھ بھی پتہ نہیں تھا۔

موبائل نمبر بھی ترکی کے تھے جہاں پاکستانیوں کی کافی تعداد موجود ہے۔انہیں پاکستان پر شک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہونے لگا۔شاید کچھ لوگ کنو کو بلیک میل کر کے پاکستان میں دھماکہ کرنے والے تھے۔را نے انکوائری شروع کی تو وہ سائبر کرائم سیل تک بھی پہنچ گئی۔کڑی سے کڑی ملاتے ملاتے وہ جلد ہی انسپکٹر وجے کے کار بم دھماکے کا معمہ بھی حل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔سر وہ لوگ کنو اور اس کے خاندان کو انڈیا سے باہر نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔پہلے ہمیں پاکستانی ایجنسی پر شک تھا لیکن اب ایسا نہیں ہے اس میں پاکستان ملوث نہیں ہے۔را کے مرکزی ہیڈ کوارٹر میں اس وقت ایک میجر رینک کا افسر بریفنگ دے رہا تھا۔سامنے را کے بڑے بڑے افسران بیٹھے ہوئے تھے۔میجر صاحب آپ کیسے یہ بات کہہ سکتے ہیں آئی ایس آئی کے علاوہ اور کون سی ایجنسی ایسا کام کرے گی۔ایک بریگیڈیئر نے سوال کیا۔سر سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں تین ارب روپے کی بہت بڑی رقم لگی ہوئی ہے۔اتنی بڑی رقم کبھی بھی آئی ایس آئی والے نہیں لگاتے۔یہ کسی یورپی یا امریکی ایجنسی کا کام ہے ان کے پاس بہت پیسہ ہوتا ہے وہ لوگ پیسے کے بل بوتے پر ہی سب کچھ کرتے ہیں جب کہ پاکستانی اور ہماری ایجنسیاں پیسے کی بجائے بہادری کے بل بوتے پر لڑتی ہیں۔ہم بہت کم بجٹ میں کام کرتے ہیں۔دوسری بات ان کو یہاں سے صومالیہ شفٹ کیا گیا ہے۔شپ صومالیہ کی ایک ویران بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا اور ان لوگوں کو وہاں اتار کر آگے روانہ ہو گیا۔صومالیہ میں انسانی حقوق کی تنظیموں کی آڑ میں درجنوں امریکی اور یورپی ایجنسیاں کام کر رہی ہیں۔وہ لوگ وہاں سے پورے عرب خطے کو کنٹرول کر رہے ہیں۔میجر نے اس بار پوری تفصیل سے بریفنگ دی۔سر اگر ان لوگوں نے کنو کو پاکستان ٹرانسفر کر دیا اور وہ کسی بھی کارروائی میں پکڑی گئی تو حالات ایک بار پھر خراب ہو جائیں گے۔انڈیا کا نام بھی خراب ہو گا اور بیرونی دنیا ہمیں شک کی نگاہ سے بھی دیکھنے لگے گی۔سر پاکستان کے ساتھ حالات ٹھیک ہو گئے ہیں اگر کنو پاکستان میں پکڑی جاتی ہے تو ہم پھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ جائیں گے۔میجر نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔اومائی گاڈ یہ تو کافی سیریس معاملہ ہے ہمیں اس کو ایزی نہیں لینا چاہیے۔بریگیڈیئر نے تشویشناک انداز میں کہا۔سر یورپ اور امریکا میں کوئی بھی نہیں چاہتا کہ پاکستان اور انڈیا کی صلح ہو۔ہم آپس میں لڑتے رہیں گے تو تب ہی ان کا سامان بکتا رہے گا۔ان کی معاشی ترقی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہماری آپس کی لڑائی سے بندھی ہوئی ہے۔اس لیے یہ چھوٹے چھوٹے کروڑ کروڑ کی آبادی والے ممالک آج ترقی یافتہ ترین ملک بنے ہوئے ہیں۔جب کہ ہم ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود غربت کی سطح سے بھی نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔میجر نے اپنی بریفنگ مکمل کی اور اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔برگیڈیئر صاحب آپ ایسا کریں دو لیٹر بنوایں ایک لیٹر ہم وزارت خارجہ کی طرف سے پاکستانی حکومت کو دیں گے جبکہ دوسرا لیڈر آرمی چیف کی طرف سے اس فلیگ میٹنگ میں بھیج کر انہیں الرٹ کردیں گے۔پاکستانی انٹیلیجنس والے ایک بار الرٹ ہوگئے تو وہ آسانی سے کنو اور اس کی فیملی کو پکڑ لیں گے۔را کے اسسٹنٹ چیف نے برگیڈیئر کو کہا اور میٹنگ برخاست ہوگئی۔اسی شام کو ایک لیٹر پاکستانی وزارتِ خارجہ کے پاس پہنچ گیا۔جبکہ دوسرے دن دوسرا لیٹر بھی انھوں نے فلیگ میٹنگ میں پاکستانی رینجرز کے حوالے کردیا۔دونوں لیٹرز آئی ایس آئی کے ہیڈکواٹر پہنچے تو ایجنسی نے کراچی اور بلوچستان میں اپنے ایجنٹوں کو متحرک کردیا۔وہ لوگ کنو اور اسکی فیملی کو انتہائی تندھی سے تلاش کرنے لگے۔انڈین اور پاکستانی ایجنسیاں کنو کو پاکستان میں تلاش کررہی تھیں جب کہ وہ ان سے بہت دور اٹلی پہنچ چکی تھی۔اٹلی میں اسے ایک انڈین آدمی نے رسیو کیا اور وہ اسے لے کر جرمنی پہنچ گیا۔کنو ہمارا تعلق داعش سے ہے ہم نے تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو تین ارب روپے میں خریدا ہے تم نے داعش کا نام تو سنا ہی ہوگا۔اس آدمی کا نام ابھیجیت تھا اور وہ کنو کو لے کر میرے شہر کارل سروہے کی کالونی مول برگ کے ایک مکان میں بیٹھا ہوا تھا۔یہ دو کمروں کا فلیٹ تھا آدمی کی عمر پچاس سال سے اوپر تھی۔انکل بھگوان کے لئے مجھے چھوڑ دیں ہم لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے کنو ایک بار پھر اس آدمی کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔مسلسل بھگوان کے واسطے دیتے دیتے اب اسکا بھگوان پر سے اعتماد ہی اُٹھ رہا تھا۔وہ داعش کا نام سن کر ہی خوفزدہ ہوگئی تھی۔داعش اس وقت دنیا کی طاقتور ترین دہشت گرد تنظیم تھی۔ان کے پاس وسائل بھی بہت تھے اور ان کے نزدیک انسانی جان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔داعش گلے کاٹنے نے کافی شہرت رکھتی تھی۔کنو داعش نے تمہیں چھوڑنے کے لیے تو اتنا خرچہ نہیں کیا ہے تم ہمارا کام کردو تو بدلے میں ہم تمہیں بھی چھوڑ دیں گے اور تمہارے گھر والوں کو بھی ہمارا کام کردو اور اپنے گھر والوں کو آزاد کروا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لو۔ابھیجیت اٹھ کر کنو کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔اس نے کنو کی ٹانگ پر ہاتھ رکھا اور اسے پیار سے سہلانے لگا۔

کنو تم بہت خوبصورت اور نوجوان لڑکی ہوں کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ تمہیں نقصان پہنچے تم خاموشی سے ہمارے احکامات مانتی رہوں گی تو تین چار مہینوں کے اندر اندر ہم تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو چھوڑ دیں گے۔ابھیجیت نے دوسرا ہاتھ بھی کنو کے سر کے اوپر سے گزار کر اس کے سینے پر رکھ دیا۔بائیس سال کی چھوٹی سی معصوم ہرنی پچاس سال سے اوپر کے موٹے اور بھدے بھیڑیے کے چنگل میں پھنسی پھرپھڑا رہی تھی۔دنیا بہت ظالم ہے اور اس دنیا میں رہنے والے لوگ جانوروں سے بھی زیادہ ظالم اور خونخوار ہیں۔کنو خاموشی سے یہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان بچانا چاہ رہی تھی۔کنو اچانک ابھیجیت نے اسے آواز دی تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔یہاں ایک انڈین ریسٹورینٹ ہے میری ریسٹورنٹ کے مالک سے بات ہوگئی ہے۔انہیں ایک ویٹر کی ضرورت ہے آج شام میں تمہیں وہاں لے کر جاؤں گا تم نے اب اس ریسٹورنٹ میں کام کرنا ہے۔بھاٹیہ صاحب بہت اچھے آدمی ہیں اور ان کا ریسٹورنٹ بھی بہت چلتا ہے۔بھاٹیہ صاحب اور انکی بیوی نے ریسٹورنٹ کو بلکل گھر کی طرح رکھا ہوا ہے وہ اپنے سٹاف کو بھی اپنے بچے ہی سمجھتے ہیں۔تمہارا دل آسانی سے وہاں لگ جائے گا۔وہ آدمی اب کنو کے پورے جسم پر آزادانہ اپنے ہاتھ پھیر رہا تھا۔

کارلسروہے فرانس کی سرحد کے ساتھ ایک چھوٹا سا سرحدی شہر ہے یہاں پر سات انڈین ریسٹورنٹ ہیں۔ان میں دو پاکستانی ریسٹورنٹ تھے لیکن وہ بھی انڈین کچن اور انڈین کھانوں کے نام سے ہی مشہور تھے۔یورپ میں پاکستانی کھانوں کی بجائے انڈین کھانے زیادہ مشہور ہیں۔انڈین کھانے اور انڈین کلچر یورپ اور امریکہ میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔پاکستانی اور انڈین کھانوں اور ملبوسات میں کوئی فرق نہیں ہوتا دونوں ایک جیسے ہی ہیں اس لیے پاکستانی بزنس مین بھی انڈین نام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انڈین نام ہی استعمال کرتے ہیں۔ریسٹورنٹ کے اندر سٹاف بھی مکس ہی ہوتا ہے۔آپکو انڈین ریسٹورنٹ میں پاکستانی باورچی بھی نظر آئیں گے اور پاکستانی ریسٹورنٹ کے اندر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انڈین سٹاف بھی کام کرتا ہوا نظر آئے گا۔سات ریسٹورنٹ میں سے دو پاکستانی جبکہ باقی پانچ میں سے تین بھاٹیہ فیملی کے تھے۔گلشن کمار بھاٹیہ ساٹھ کی دہائی میں انڈیا سے جرمنی آئے تھے۔انھیں جرمنی میں رہتے ہوئے پچاس سال سے اوپر ہو چکے تھے۔ان کے بچے بھی یہیں پیدا ہو کر بڑے ہوئے تھے۔کارلسروہے میں یہ تین بھائی رہتے ہیں اور تینوں کے پاس ہی ایک ایک ریسٹورنٹ ہے۔جبکہ سٹٹ گارٹ میں بھی ان کے دو ہوٹل موجود ہیں۔ بھاٹیہ صاحب نے ایران میں بھی ایک سال گزارا تھا۔اس کے بعد یہ ایران سے جرمنی پیدل آئے تھے۔غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن انتہائی جینئس اور پیدائشی بزنس مین ہیں۔ جرمنی میں پہنچنے کے ایک سال کے اندر اندر ہی انہوں نے مزدوری سے پیسے اکٹھے کیے تھوڑا بینک سے قرض لیا اور اپنی پہلی پیزا شاپ کھول لی۔وہ کارلسروہے شہر میں پہلے انڈین تھے جنھوں نے یورپی کھانوں کی بجائے انڈین کھانوں کو متعارف کروایا۔یورپی کھانے ابلے ہوئے اور سادہ ہوتے ہیں جبکہ انڈین کھانے مثالوں سے بھرپور اور انتہائی چٹ پٹے ہوتے ہیں۔انہوں نے بہت جلد کارلسروہے کے شہریوں کو انڈین کھانوں کے ذائقے کی انفرادیت کی طرف متوجہ کرالیا۔آج کارلسروہے میں یورپین اور چائنیز کھانوں کے بعد انڈین کھانوں کو ہی پسند کیا جاتا ہے۔کارلسروہے کے اندر سات بڑے جبکہ کل بیس سے اوپر چھوٹے چھوٹے ریسٹورنٹ ہیں جن میں انڈین اور پاکستانی کھانے پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ ساری بھاٹیہ صاحب کی مسلسل محنت اور ان کے ہاتھ کا ذائقہ ہی تھا جو انڈین کچن کارلسروہے میں اپنا ایک الگ مقام بنا چکا تھا۔گلشن کمار بھاٹیہ یہاں کے امیر ترین لوگوں میں سے ایک ہیں جنہیں پورا شہر ہی جانتا ہے۔ یہ شہر کی چند مشہور ترین فیملی میں سے ایک ہے۔اتنے امیر ھونے کے باوجود بھی وہ اور اُن کی بیگم ریسٹورنٹ کے اندر سٹاف کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔وہ کام کو عبادت اور آنے والے گاہک کو بھگوان کا درجہ دیتے تھے۔اور گاہک کی اتنی ہی عزت بھی کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ آج اتنے زیادہ ریسٹورنٹ ہونے کے باوجود انکا ریسٹورنٹ سب سے زیادہ چلتا تھا۔لوگ دوسرے شہروں سے بھی سپیشل ان کے پاس کھانا کھانے کے لیے آتے تھے۔ان کا ریسٹوریںٹ نہ صرف پورے کارلسروہے میں مشہور تھا بلکہ آس پاس کے چھوٹے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چھوٹے دیہات میں بھی بھاٹیہ صاحب اوران کے کام کی دھوم تھی۔یہی دھوم جرمن چانسلرکوبھی کھینچ کر لانے والی تھی۔انڈین کھانوں کے لیے جرمن لوگوں کی پہلی ترجیح ہمیشہ مغل محل ہی ہوتی تھی۔یہ میرا رستورنٹ تھا۔میں بھاٹیہ صاحب کے ریسٹورنٹ میں کام کرتا تھا۔وہ میرے مالک تھے کنوبھی اسی ریسٹورنٹ میں کام کرنے کے لیے آرہی تھی۔ایک آئی ایس آئی کے ایجنٹ کے پاس ایک لڑکی کو دہشت گرد بنا کر بھیجا جارہا تھا۔کارلسروہے میں بہت بڑے بڑے دھماکے ہونے والے تھے۔شہباز خان بھی یہیں پہنچ چکا تھا۔جبکہ کنوبھی اب یہاں آگئی تھی۔دونوں الگ الگ ملکوں سے الگ الگ دہشت گرد تنظیموں سے آئے تھے۔

کام دونوں کا ایک ہی تھادونوں ہی چانسلرکو مارنے کے لئے آئے تھے۔دونوں ہی دہشت گردی کے فروغ کے لیے آئے تھے۔مقصد دونوں کا ایک ہی تھادونوں ہی اسلام کے دشمن تھے۔دونوں نے ہی اسلام کونقصان پہنچانا تھا۔شام سے ایک اورخودکش حملہ آوراحمد بھی چل پڑا تھا۔احمد اسنائپرشوٹرز تھا۔وہ دوکلومیٹر کے فاصلے سے کسی چڑیا کوبھی نشانہ بنا سکتا تھا۔سارے اسلام کے دشمن کارلسروہے شہر میں اکٹھے ہورہے تھے۔جرمن میں رہنے والے مسلمان ہی ان کا ٹارگٹ بننے والے تھے۔

سر کتنے راکٹ لانچر چاہیے آپ کواس کے علاوہ اورکوئی اسلحہ وغیرہ چاہیے احمد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔میں کرنل ندیم کے ساتھ سوئزرلینڈ کے شہر برن میں پہنچ چکا تھا۔ہم نے ایک چکرسردار مہلاب کے بنگلے کا بھی لگالیا تھااورمیں نے بنگلے کا پورانقشہ بھی دیکھ لیا تھا۔ابھی بھی میری نظر نقشے پر ہی لگی ہوئی تھی۔احمد مجھے کم ازکم بیس راکٹ لانچر جبکہ دستی بم اوردیگر گولہ باروبھی چاہیے۔اس کے علاوہ پندرہ کے قریب گاڑیاں بھی لگیں گی۔پانچ گاڑیاں ہمارے ساتھ ہوں گی جبکہ پانچ پانچ کرکے دو الگ الگ جگہوں پرمتبادل گاڑیاں کھڑی ہوں گی۔یہاں سے فرانس کی سرحدنزدیک ہے اس لیے ہم فرانس کی طرف ہی جائیں گے۔وہ بڑا ملک ہے اور وہاں اتنی سختی بھی نہیں ہوتی ہم آسانی سے اس طرف نکل سکتے ہیں۔کل تک اگرآپ سامان کا انتظام کرلیں توپرسوں صبح صبح چاربجے کے قریب ہم حملہ کرسکتے ہیں۔میں نے احمد سے کہا۔سرکل تک سارا انتظام ہوجائے گا آپ صرف جگہ کی نشاندہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر دیں جہاں جہاں گاڑیاں کھڑی کرنے ہیں میں وہاں آپ کی مطلوبہ گاڑیاں کھڑی کر دوں گا۔ احمد نے پوچھا تو میں نے اسے نقشے پر مطلوبہ جگہ دکھائی جہاں اس نے گاڑیاں کھڑی کرنی تھیں۔ میں نے دو مختلف جگہ رکھی تھیں تا کہ ایمرجنسی کی صورت میں ایک علیحدہ راستہ موجود ہو۔ مشن کے ذمہ داری میرے اوپر تھی اور میں کوئی کوتاہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے معمولی سی غلطی سے بھی کسی ایجنٹ کی جان جاسکتی تھی۔ احمد کو جگہ کی نشاندہی کے بعد میں مشن کی باقی تفصیلات بیان کرنے لگا۔ رات کو کھانا ایک مارکیٹ سے لا کر کھایا گیا احمد دودھ کے چار ڈبے اور رس لے آیا تھا۔ ہم نے اسی سے کھانا کھایا دس آدمی تھے اس لیے باہر جا کر کھانا نہیں کھا سکتے تھے اور نہ ہی اتنے آدمیوں کا کھانا یہاں لا سکتے تھے۔ زیادہ سختی تو نہیں تھی ہم ہوٹل سے کھانا کھا سکتے تھے لیکن پھر بھی کرنل صاحب کے حکم سے ہم نے دودھ کے ساتھ رس ہی کھائے۔ وہ کوئی بھی چانس نہیں لینا چاہتے تھے۔ دوسرے دن البتہ انہوں نے مہربانی کی اور ہمیں ایک پاکستانی ہوٹل سے کھانا لا دیا۔ گاڑی آ گئی تھیں اس لیے نقل و حمل میں کوئی پرابلم نہیں ہو رہی تھی۔ رات تک احمد نے ہمارا مطلوبہ اسلحہ بھی پورا کر دیا اور ہم صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ اسلحہ اور بارود ہم نے کوٹھی کے اندر رکھنے کی بجائے باہر گاڑیوں میں ہی رہنے دیا اور گاڑیاں باہر گلی میں ہی کھڑی رہنے دیں ں۔ یورپ میں کاریں باہر ہی کھڑی کی جاتی ہیں یہاں چھوٹے چھوٹے فلیٹ ہوتے ہیں دس دس منزلہ بلڈنگ کے اندر کم از کم پچیس کے قریب فلیٹ ہوتے ہیں یہاں کاریں انتہائی سستی مل جاتی ہیں اور تیل بھی تنخواہ کے مقابلے میں انتہائی سستا ہے۔ جرمنی میں ایک عام مزدور کی تنخوادو ہزار یورو کے قریب ہوتی ہے جبکہ استعمال شدہ کار بہترین حالت میں پندرہ سو سے دو ہزار کے قریب مل جاتی ہے۔ یعنی مزدور کے ایک مہینے کی تنخواہ سے کار خریدی جاسکتی ہے۔ جب کہ ایک دن کی مزدوری سے تقریباً ستر لیٹر پٹرول بھی آ جاتا ہے۔ جو کہ ایک مہینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ یورپ نے قاری اسی لئے عام ہیں یہاں گٹر صاف کرنے والے سویپر کے پاس بھی بی ایم ڈبلیو کار ہوتی ہے۔ سروس اسٹیشن اور سپیئر پارٹس کی دکان پر گورمنٹ بہت سخت نگرانی کرتی ہے اس لیے گاڑی چوری ہونے کے چانس زیرو فیصد ہیں۔ یورپ میں گاڑی جنگل میں بھی کھڑی ہو تو تب بھی وہاں سے اسے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی اٹھا کر نہیں لے جاتا۔ گاڑی چوری کرنا آسان ہے لیکن اسے آگے کہیں بیچا ہی نہیں جا سکتا۔ جب چوری کا سامان بیچنے کے لئے جگہ ہی نہیں ہوگی تو کوئی چوری بھی نہیں کرے گا۔ یورپ میں اسی لیے گھروں سے باہر روڈ پر ہی گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں۔ دوسرے دن صبح صبح دو بجے کے قریب اٹھ کر سب نے وضو کر کے نفل پڑھے اور دعا کرنے لگے۔ تین بجے کے قریب ہم مکمل تیار ہو چکے تھے۔ میں نے باری باری ایک ایک سے مشن کے بارے میں سوال کیے اور مطمئن ہو کر ہم نے خدا سے اپنے ملک کی سلامتی کی دعا کی اور گھر سے باہر آ گئے۔ آدھے لڑکے پہلے ہی گھر سے روانہ ہو چکے تھے اور انہوں نے سردار مہلاب کے بنگلے کے قریب جا کر اپنی اپنی پوزیشن لے لی تھی۔ ابھی کرنل صاحب کے ساتھ میرے اور احمد کے علاوہ تین اور لڑکے بھی تھے۔ راضی ایک بار پھر دیکھ لو کیا اتنی تیز رفتاری سے ہم ایکشن کر سکتے ہیں سوئس پولیس کے پاس ہیلی کاپٹر تک موجود ہیں۔ انہیں پانچ منٹ بھی نہیں لگیں گے یہاں تک پہنچنے میں کرنل ندیم نے تشویش سے کہا۔ سر میں مطمئن ہوں۔

گھر کے اندر ایجنسی کے آٹھ تربیت یافتہ ایجنٹ ہیں۔ عام چوکیدار ہوتے تو ہم گیٹ کی طرف سے بات کر کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے لیکن وہ لوگ ہم کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔ گھر سے باہر بھی سردار مہلاب بلٹ پروف گاڑی میں آتا ہے اور اُس گاڑی پر ایٹم بم بھی اثر نہیں کرتا ہمیں سردار مہلاب کو ٹارگٹ کرنے کے لئے تیز ایکشن ہی کرنا پڑے گا۔ یورپ میں دہشت گردی نہی ہوتی وہ لوگ مطمئن ہو کر ڈیوٹی دیتے ہیں ہم ان لوگوں کے سنبھلنے سے پہلے ہی ان کے سروں پر پہنچ جائیں گے۔ سر میں دل سے پاکستانی ہوں۔ سردار مہلاب کی موت آج پکی ہے اور وہ آج ہی مرے گا۔ اس شخص نے میرے ملک پاکستان کے ہزاروں بچوں کو مارا ہے آج اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ سوئس پولیس یا فوج بھی رستے میں آئی تو وہ بھی اسے مرنے سے نہیں بچا سکے گی میری آنکھیں عزم سے بھری ہوئی تھیں۔ ہم بنگلے کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے لڑکوں کی تین تین کی ٹولیاں بنائیں ایک ٹولی نے سامنے کی طرف سے اٹیک کرنا تھا۔ ایک بنگلے کے عقبی طرف سے حملہ کرتی جبکہ میں تیسری ٹولی کے ساتھ تھا۔ میں نے سائیڈ کی دیوار پھلانگ کے اندر کودنا تھا۔ میرے ساتھ احمد بھی تھا جبکہ کرنل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ندیم سامنے مین گیٹ کی طرف تھے۔دو لڑکوں کو میں نے بنگلے سے کچھ دور پوزیشن لینے کے لیے کھڑا کیا تھا یہ لڑکے بیک اپ کے لیے تھے۔اگر ہم اپنے مشن میں ناکام ہوتے یا کوئی پرابلم ہو جاتی تو پھر انہوں نے حملہ کرنا تھا۔میں کسی بھی حالت میں سردار کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔میں نے اس کی پوری فائل پڑی تھی بلوچستان کے اندر اس شخص نے ہزاروں نوجوانوں کی جان لی تھی۔اب اس کی باری تھی اگر وہ ہمارے ہاتھ سے بچ نکلتا اور بھاگنے کی کوشش کرتا تو باہر کھڑے ہوئے لڑکے اسے ٹارگٹ کرنے کی کوشش کرتے۔میں نے ساری تیاری مکمل کر لی سب لوگوں نے اپنی اپنی جگہ پوزیشن سنبھال لیں۔احمد تیار ہو میں نے احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جی سر تیار ہوں۔اس نے بنگلے کی دیوار کے ساتھ زمین کھود کر تار نکال لی تھی۔یہ بجلی کی مین پاور سپلائی کی لائن تھی جو بنگلے کی دیوار کے ساتھ ساتھ زمین میں دبی ہوئی تھی۔یہیں سے پورے بنگلے کو بجلی سپلائی ہوتی تھی۔دیوار کے اوپر تاروں میں بھی کرنٹ چھوڑا گیا تھا۔خاردار تاروں کو کراس کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا ہے اس چیز کے ہمیں ٹریننگ دی جاتی ہے۔ہم تین تین فیز میں لگے ہوئے تاروں کو بھی آسانی سے کراس کر جاتے ہیں اور یہاں تو صرف دیوار پر ایک ہی فیز میں تار لگی ہوئی تھی۔اصل پرابلم صرف کرنٹ کی تھی۔دیوار کے اوپر لگی ہوئی خاردار تار میں تین ہزار واٹ سے بھی اوپر کرنٹ دوڑ رہا تھا۔جو ایک سیکنڈ میں ہی انسان کو جلا کر خاک کر سکتا تھا۔بنگلے کے اندر بجلی کا متبادل انتظام بھی موجود تھا۔جیسے ہی لائٹ جاتی خودکار طریقے سے ہی دوسرا سسٹم ان ہو جاتا اور فوراً ہی بجلی بحال ہو جاتی۔مین اور متبادل انتظام کے درمیان صرف دو سیکنڈ کا وقفہ ہوتا تھا۔لائٹ جانے کے دو سیکنڈ کے اندر ہی خودکار نظام کے تحت لائٹ بحال ہو جاتی تھی۔مجھے ان دو سیکنڈ میں ہی دیوار پھلانگنی تھی۔اگر ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو میں دیوار کے اوپر ہی جل کر ختم ہو جاتا۔سر میں تیار ہوں آپ احتیاط سے کام کرنا ہمیں آپ کی ضرورت ہے احمد نے سرگوشی سے کہا۔احمد صاحب اتنا نرم گوشت نہیں ہے میرا جو سوئزرلینڈ کی ہلکی سی بجلی جلا دے ہمیں جلانے کے لیے پورے کے پورے جنگل چاہئیں۔میں نے مسکراتے ہوئے احمد کی بات کا جواب دیا اور گاڑی سے نکال کر اسے دیوار کے ساتھ لگا یا۔یہ لکڑی کی سیڑھی تھی اور دیوار کی بلندی تک ہی تھی۔میں نے انتہائی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

موٹے موٹے دستانے پہنے ہوئے تھے جبکہ پیروں میں بھی موٹے سول کے جوتے تھے۔ سیڑھی لگتے ہیں میں نے ایک راکٹ لانچر اور اس کے ساتھ تین راکٹ لیے ایک راکٹ لانچر میں ہی لگا ہوا تھا اس کے علاوہ میں نے ایک اسٹین گن اور اس کی بھی ایک اضافی میگزین لے لی۔ اب میں آپریشن کے لیے مکمل تیار تھا۔ میں نے سیڑھی پر پیر رکھا اور اوپر دیوار کے سرے تک چلا گیا۔ میں نے ایک نظر تاروں کے دوسری طرف بنگلے کے اندر ڈالی۔ بنگلے میں چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی گارڈ مرکزی دروازے کی طرف پہرہ دے رہے تھے جبکہ دوسرے گارڈز آرام سے سرونٹ کواٹر میں سو رہے تھے۔ بنگلے کے اندر دو کتے بھی تھے جو ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ایک نظر ان کتوں کی طرف دیکھا۔ کتوں کی نظر بھی مجھ پر پڑ گئی تھی۔ اور وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ میں نے نیچے کھڑے احمد کو اشارہ کیا تو اس نے فوراً ہی بجلی کی مین سپلائی لائن کاٹ دی۔ اچانک ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ میں نے بجلی کی سی تیزی سے ایک تار کو پکڑا اور قلابازی لگائی۔ اگلے ہی لمحے میں اُڑتا ہوا نیچے صحن میں گرا جبکہ میرے دونوں دستانے اوپر تاروں میں ہی اٹکے رہ گئے تھے۔ میں نے اپنے ہاتھوں میں باریک پلاسٹک کے دستانے بھی پہنے ہوئے تھے اور ان کے اوپر ہی میں نے بڑے اور موٹے دستانے پہنے تھے۔ باریک دستانوں کی وجہ سے میری انگلیوں کے نشانات تار کے اوپر لگے ہوئے دستانوں پر نہیں آئے تھے۔

اس لیے مجھے ان دستانوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔ سوئس پولیس بعد میں ان دستانوں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ یورپ میں انگلیوں کے نشانات بہت اہمیت رکھتے ہیں ہر چار پانچ مہینے کے بعد کہیں نہ کہیں آپ کی چیکنگ ہو جاتی ہے۔ پولیس انگلیوں کے نشانات ضرور لیتی ہے کسی بھی جرم میں اگر آپ کی انگلیوں کے نشانات بن گئے تو اسے پورے یورپ کے ڈیٹا بیس پر ڈال دیا جاتا ہے اس کے بعد یورپ کے اندر اس شخص کا رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ میرے دستانے اوپر تاروں پر ہی لٹکے ہوئے تھے لیکن ان پر میری انگلیوں کے نشانات نہیں تھے اس لئے مجھے اس طرف سے کوئی پرابلم نہیں تھی۔ نیچے زمین پر گرتے ہیں میں نے اٹھنے کی بجائے وہیں زمین پر ہی پوزیشن لے کر بیٹھ گیا۔ دونوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کتے میری طرف بھاگتے ہوئے آرہے تھے۔ یہ جرمن نسل کے انتہائی طاقتور شکاری کتے تھے جو اپنے شکار کو ایک سیکنڈ میں ہی چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ لائٹ واپس آگئی تھی میں نے جیب سے خنجر نکالا اور جیسے ہی کتے میرے نزدیک آئے میں نے ایک پیر آگے بڑھا دیا۔ سب سے آگے والے کتے نے میرے پیر کو منہ میں دبا لیا۔ موٹے اور مضبوط جوتے ہونے کی وجہ سے اس کے دانت میرے پیر تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس چیز کا مجھے پتا تھا اور اسی لیے میں نے اپنا پیر اس کے آگے بڑھایا تھا۔ وہ جانور تھا اسے اتنا سینس نہیں تھا۔ اس لئے جو چیز بھی اس کے سامنے آئی اس نے اسے پکڑ لیا۔ میں ایک کو انگیج رکھ کر دوسرے سے نپٹنا چاہتا تھا۔ میرے پاس اسٹین گن بھی موجود تھی لیکن میں آخری وقت تک خاموش رہ کر کام کرنا چاہتا تھا۔ دوسرا کتا جیسے ہی میرے نزدیک آیا میں نے بایاں ہاتھ اُسکے سامنے لہرایا۔ وہ اسے پکڑنے کے لیے جیسے ہی لپکا میرے سامنے اس کی گردن آگئی میں نے انتہائی تیز رفتاری سے خنجر اس کی گردن میں گھونپ دیا۔ خون کا ایک تیز فوارہ نکلا اور وہ وہیں میرے پیروں میں گر گیا اسے دوسرے ہاتھ تک پہنچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ پہلے کتے سے فارغ ہوتے ہی میں نے خنجر باہر نکالا اور اپنے پیر کے ساتھ نمرد آزما دوسرے کتے کی شہہ رگ بھی کاٹ دی۔ دونوں کتے زمین پر پڑے تڑپنے لگے میرے کپڑے کتوں کے خون سے لتھڑ چکے تھے۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اندر گارڈ روم میں اس وقت تین گارڈ بیٹھے ہوئے تھے۔ لائٹ جانے کا ان لوگوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا لیکن کتوں کے بھونکنے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر کتوں کو دیکھنے باہر آیا۔ اس وقت تک میں کتوں کو مار چکا تھا جب وہ صحن میں آیا۔ بنگلے کے اندر بڑی بڑی سرچ لائٹ لگی ہوئی تھیں اور ان کی روشنی میں سامنے کھڑا میں واضح نظر آرہا تھا۔ او مائی گاڈ حملہ ہو گیا ہے اس نے اونچی آواز میں چیختے ہوئے کہا اور رائفل سیدھی کی لیکن اسے دیر ہو چکی تھی اس سے پہلے ہی میری رائفل تیار تھی میں نے ٹریگر دبایا اور رائفل کی گولی سیدھی اس کے سر میں گھس گئی۔ اسے تڑپنے کا بالکل بھی موقع نہیں ملا تھا۔ رائفل پر سائلنسر لگا ہوا تھا اس لیے اس کی آواز دور تک نہیں گئی۔ البتہ اس آدمی کی چیخ اندر بیٹھے ہوئے دوسرے گارڈز کو متوجہ کر چکی تھی۔ انہوں نے کمرے کے اندر ہی پوزیشن لے لی وہ تجربہ کار

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کمانڈوز تھے۔اس لیے انہوں نے باہر آنے کی غلطی نہیں کی انہیں معلوم تھا باہر جو بھی آدمی ہے اس کی نظریں دروازے پر ہی ہوں گی اور وہ باہر نکلتے ہی ہٹ کردے گا۔اس لیے انہوں نے باہر آنے کی غلطی نہیں کی۔اندر گارڈز روم میں چاروں طرف دیوار میں چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے ہوئے تھے۔وہ لوگ ان سوراخوں سے دیکھ بھی سکتے تھے اور فائرنگ بھی کرسکتے تھے۔ان کی طرف سے ایک طویل برسٹ میری طرف آیا میں صحن میں کھڑا تھا۔ان کے بالکل سامنے یہاں سے میں آسانی سے ہٹ ہوسکتا تھا۔جیسے ہی براسٹ میری طرف آیا میں نے ایک طویل قلابازی کھائی اور اگلے ہی لمحے میں ایک چھوٹے چھوٹے پودوں کی ایک کیاری میں گھس گیا۔یہ 3 فٹ کے گلاب کے پودوں کی ایک کیاری تھی۔میں کیاری میں گھستے ہی تیزی سے ہاتھوں کی مدد سے کرالنگ کرتے ہوئے بنگلے کی طرف بڑھنے لگا۔مجھے کیاری میں چھلانگ لگاتے ہی ان لوگوں نے دیکھ لیا تھا۔چھوٹی سی کیاری تھی رائفل کے ایک برسٹ سے ہی میں آسانی سے مارا جاسکتا تھا۔انہوں نے جیسے ہی کیاری کی طرف رائفلیں کیں اُسی لمحے باہر کھڑے کرنل ندیم کی پارٹی حرکت میں آگئی۔انہوں نے مین گیٹ اور اس کے ساتھ بنی ہوئی چیک پوسٹ پر اندھادھند فائرنگ شروع کردی۔کرنل ندیم کی فائرنگ سے بروقت میری جان بچا لی۔ان کی فائرنگ سے ایک لمحے کے لیے ان کا دھیان بٹا اور اس دوران میں نے بھاگ کر ایک پلر کی آڑ لے لی۔اب میں ان کے حملے سے بچ گیا تھا۔چیک پوسٹ کے ساتھ ہی ملحقہ سرونٹ کواٹر بھی تھا۔یہ بیرونی دیوار کے ساتھ ہی تھا اور اس کے اندر بھی خفیہ سوراخ بنے ہوئے تھے جو باہر سڑک پر دھیان رکھنے کے لیے تھے۔نقشہ میں ان سوراخوں کا کوئی ذکر نہیں تھا۔کرنل صاحب کو بھی ان کا علم نہیں تھا اس لئے وہ بے فکر ہوکر چیک پوسٹ پر فائرنگ کررہے تھے۔اندر سوئے ہوئے باقی گارڈز بھی فائرنگ کی آواز سن کر اٹھ گئے۔انہوں نے فوراً سوراخ اوپن کیا سامنے ہی کرنل ندیم اور اس کی پارٹی پوزیشن لے کر فائرنگ کررہی تھی۔ایک گارڈ نے رائفل کی نال سوراخ پر لگائی اور ایک طویل برسٹ مارا۔اسٹین گن کی نال سے گولیاں نکلی اور سامنے کھڑے کرنل ندیم کو چاٹ گئیں۔کرنل ندیم کے ساتھ کھڑے دوسرے آدمی کو دو گولیاں لگیں جبکہ تیسرے نے بروقت زمین پر لیٹ کر جان بچائی۔اس نے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

زمین پر گرتے ہیں پلٹ کر فائرنگ کی اور سوراخ کے اردگرد گرد کا ایک طوفان بن گیا۔اتنی دیر میں اندر میں بھی پوزیشن لے چکا تھا میں نے راکٹ لانچر کا رخ سرونٹ کواٹر کی طرف کیا اور راکٹ فائر کر دیا۔راکٹ اُڑتا ہوا سرونٹ کواٹر کے دروازے سے ٹکرایا اور اسے توڑتا ہوا اندر گھُس گیا۔ایک زوردار دھما کہ ہوا اور اندر موجود دونوں گارڈز کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔باہر موجود میرے آدمی کو موقع مل گیا۔وہ زمین پر گرے ہوئے کرنل ندیم کو اٹھانے کے لیے نیچے جھکا جیسے ہی اس کے ہاتھ کرنل کے جسم کو ٹچ ہوئے تو کرنل کے بے جان جسم نے اسے فوراً ہی بتا دیا کہ کرنل صاحب شہید ہو چکے ہیں۔کیپٹن راضی کرنل صاحب شہید ہو چکے ہیں۔جاری ہے

میں آرمی میں کیپٹن تھا۔جبکہ احمد ابھی لیفٹیننٹ تھا باقی لڑکے این سی او تھے۔این سی او کا مطلب نان کمیشنڈ آفیسر ہوتا ہے۔یہ سپاہی سے لے کر حوالدار تک ہوتے ہیں اس کے بعد جی سی او جونیئر کمیشنڈ آفیسر رینک کے صوبے دار ہوتے ہیں۔جبکہ کمیشنڈ آفیسر سیکنڈ لیفٹیننٹ سے لے کر کرنل اور جرنل تک ہوتے ہیں۔بارہ آدمیوں کی ہماری پارٹی میں کرنل ندیم لیفٹیننٹ احمد اور میں کیپٹن راضی آرمی آفیسر تھے جبکہ باقی جوان تھے۔کرنل ندیم کے شہید ہونے کے بعد میں اب ان کا سنیئر تھا۔میرے ائیرفون میں جیسے ہی کرنل صاحب کی شہادت کی خبر آئی میری آنکھیں غم سے بھر آئیں انکا سروس میں آخری سال چل رہا تھا۔اگلے سال وہ فوج سے ریٹائرڈ ہو رہے تھے۔سر کیا آپ سن رہے ہیں مجھے دوبارہ آواز سنائی دی۔ہاں ہاں میں سن رہا ہوں میں نے جلدی سے اپنے جذبات پر قابو پالیا۔سر قیصر بھی کافی زخمی ہے اسے دو گولیاں لگی ہیں مجھے دوسری طرف کی آواز سنائی دی۔ٹھیک ہے احمد تمہارے پاس آ رہا ہے۔تم قیصر کو گاڑی میں منتقل کرو اور جلدی سے واپس پوزیشن پر آؤ میں مین گیٹ کو دھماکے سے اڑانے لگا ہوں میں نے جلدی جلدی اسے حکم دیا اور احمد کو ہدایات دینے لگا۔ہم سب کے ایئرفون ایک ہی فریکوئنسی پر لگے ہوئے تھے۔اس لئے سبھی کو آواز سنائی دے رہی تھی۔سر میں ابھی ایک منٹ میں گیٹ پر پہنچ رہا ہوں آپ راکٹ فائر کریں۔احمد نے جلدی سے مجھے جواب دیا اور وہ فوراہی مین گیٹ کی طرف چلا گیا۔چیک پوسٹ کے اندر سے ابھی تک مزاحمت جاری تھی۔میں نے دو برسٹ چیک

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

پوسٹ کی طرف فائر کئے اور جیسے ہی وہ پیچھے ہٹے میرے پاس راکٹ لانچر تیار تھا میں پلر سے سائیڈ پر ہوا اور مین گیٹ کا نشانہ لینے لگا۔ گیٹ انتہائی مضبوط لوہے کا بنا ہوا تھا مجھے معلوم تھا راکٹ گیٹ پر کوئی اثر نہیں کرے گا۔ میرا نشانہ گیٹ کی بجائے دیوار اور گیٹ کے درمیان موجود پلر تھا۔ راکٹ اگر صحیح نشانے پر لگتا تو اس پلر کو اکھاڑ سکتا تھا۔ میں نے نشانہ باندھ کر فائر کیا اور راکٹ سیدھا پلر سے ٹکرایا اور پھر ایک دھماکے سے گر گیا۔ پلر کے ساتھ ہی بھاری بھرکم گیٹ بھی زمین بوس ہو گیا۔ راکٹ کے لگتے ہیں گرد وغبار کا ایک طوفان سا اٹھا اب کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور بھاگتا ہوا چیک پوسٹ کی دیوار تک پہنچ گیا۔ چیک پوسٹ کا دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ یہ دروازہ پہلے والے گارڈ نے کھولا تھا۔ اسکے بعد میں نے اس دروازے کو بند کرنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ میں نے مسلسل دروازے پر فائرنگ کی تھی۔ اتنی فائرنگ میں وہ دیوار کے ساتھ ہی چپکے رہے تھے۔ دونوں میں سے کسی نے بھی دروازے کے پاس آنے اور اسے بند کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ اب بھی راکٹ کی وجہ سے دونوں کی نظریں باہر کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ وقتی طور پر شاک میں آ گئے تھے۔ یہ میرے لیے بہترین موقع تھا۔ میں نے ایک لمبی قلابازی کھائی اور کھلے دروازے سے اندر چلا گیا۔ اندر پہنچتے ہیں میں نے تیز رفتاری سے رائفل کے ٹریگر پر انگلی رکھی اور اسے کمرے میں چاروں طرف گھما دیا۔ دونوں گارڈز دیوار کے ساتھ لگے باہر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں امید نہیں تھی کہ کوئی اتنی ہمت کر کے اندر بھی آ سکتا ہے۔ اس لیے وہ اس طرف سے مطمئن تھے لیکن میں ہمت کر گیا تھا۔ میں نے اندر پہنچتے ہیں چاروں طرف گھوم کر فائرنگ کی اور وہ دونوں ہی میری فائرنگ کی زد میں آ گئے۔ گیٹ کے نیچے گرتے ہیں احمد گاڑی لے کر اندر آ گیا۔ اتنی دیر میں میں نے دونوں کو مار دیا تھا۔ بنگلے کے باہر موجود سبھی گارڈز مارے جا چکے تھے۔ جبکہ اندر والے ابھی محفوظ تھے۔ اندر اب سردار مہلاب اس کے بیوی بچے اور نوکر تھے۔ اسکے نوکر بھی سکریٹ ایجنٹ تھے۔ ہمیں اب ان سے نپٹنا تھا۔ احمد جلدی سے گاڑی کو ریورس کرو اور اسے بنگلے کے سامنے لے کر آؤ۔ میں نے چیختے ہوئے احمد کو حکم دیا اور خود دوڑتا ہوا بنگلے کے ایک کونے کی طرف چلا گیا۔ یہاں یو پی ایس کی مین تار تھی جو چیک پوسٹ اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیوار کے اوپر تار کے لئے تھی۔ میں نے اس تار کو بھی کاٹا اور عقبی طرف موجود تیسری پارٹی کو بھی اندر آنے کے لئے کہا۔ تار کا کرنٹ اف ہوتے ہیں انہوں نے چھلانگیں لگائیں اور وہ بھی بنگلے کے اندر آ گئے۔ احمد نے اتنی دیر میں گاڑی بیک کر کے بنگلے کے بلٹ پروف شیشے کے سامنے لگا دی تھی۔ ہمارے پاس انتہائی طاقتور کلمپ موجود تھے۔ یہ مقناطیسی قوت سے جڑتے تھے اور پاور آن ہونے کے بعد ان کو کرین بھی الگ نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے جلدی سے ان کلمپ کو نکال کر بنگلے کے سامنے والے بلٹ پروف شیشے پر لگایا اور رسے کی مدد سے اسے گاڑی سے باندھ دیا۔ گاڑی فور بائی فور کی انتہائی طاقتور ہارس پاور والی جیپ تھی۔ احمد نے اسٹیئرنگ سنبھالا تو میں نے اور احمد کے ساتھ آئے ہوئے دوسرے لڑکے نے پوزیشن سنبھال لی۔ احمد نے جیسے ہی جیپ کو آگے بڑھایا اسی وقت ہم دونوں نے بھی راکٹ فائر کر دیئے۔ بلٹ پروف شیشے کے دونوں سروں پر راکٹ لگے اور اس کے ساتھ جیپ کا انتہائی طاقتور جھٹکا لگا تو شیشہ اپنی جگہ سے اکھڑ گیا۔

جیسے ہی شیشہ نیچے گرا اسے وقت ہمارے پیچھے آنے والے لڑکوں نے مزید راکٹ فائر کیے جو سیدھے اندر جا کر گرے۔ بنگلے کے اندر قیامت کا منظر بنا ہوا تھا۔ راکٹوں کے اندر فائر ہوتے ہیں ہم سب بھاگتے ہوئے بنگلے کے اندر داخل ہو گئے۔ اندر ایک کمرے میں ہمیں سبھی نوکر اکٹھے ہی مل گئے جو باہر فائرنگ کر رہے تھے۔ میں نے ایک دستی بم کمرے میں پھینکا اور اس کے پیچھے پیچھے ہی اندر داخل ہو گیا۔ ایک منٹ کی فائرنگ کے تبادلے میں ہی وہ تینوں مارے گئے۔ ابھی گھر میں مقابلے کے لیے کوئی بھی نہیں بچا تھا۔ صرف سردار مہلاب اور اسکی فیملی ہی بچی تھی جو بنگلے کے اندر کہیں چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔ سردار تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ احمد نے میرے نزدیک آ کر کہا۔ وہ ادھر ہی کہیں چھپا ہوا ہے تم سب لڑکوں کو پھیلا کر تلاشی لو۔ آج اسے بچ کر نہیں جانا چاہئے میں نے چیختے ہوئے کہا۔ اور ایک کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ احمد خاص طور پر تہ خانہ تلاش کرو اور جلدی کرو پولیس کبھی بھی یہاں پہنچتی ہو گئی۔ ہمیں ان سے پہلے پہلے آپریشن کر کے ادھر سے نکلنا ہے۔ میں نے اسے پیچھے سے آواز دی اور خود بھی بھاگتا ہوا ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ بچوں کا کمرہ تھا میں نے ایک سرسری نظر وہاں ڈالی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور وہاں سے دوسرے کمرے کی طرف بھاگتا چلا گیا۔ دوسرا کمرہ سردار مہلاب کے سونے کا کمرہ تھا۔ میں نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن مجھے کہیں بھی کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ کمرے میں سب کچھ ٹھیک لگ رہا تھا۔ میں واپس جانے کے لیے کمرے سے باہر نکلنے ہی لگا لیکن پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ بیڈ کے سرہانے کے قریب ایک چھوٹی دراز تھی۔ میں نے ایک نظر دراز کی طرف دیکھا اور پلٹ کر واپس آ گیا۔ دراز بند تھی اسے تالا لگا ہوا تھا لیکن یہ میرے لئے معمولی بات تھی۔ میں نے جیب سے ایک پن نکالی اور اس کی مدد سے دراز کھولی۔ اندر کچھ کاغذات وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔ میں نے ایک سرسری نظر ان کاغذات پر ڈالی یہ بہت قیمتی کاغذات تھے۔ ان میں سے کچھ سوئس بینکوں کے اکاونٹ نمبر تھے اور ان کے کاغذات تھے۔ جبکہ کچھ کاغذات انتہائی سکرٹ تھے۔ یہ بی ایل اے کے متعلق تھے۔ پاکستان میں سردار مہلاب کے کچھ لڑکے دہشتگردوں کو کنٹرول کر رہے تھے۔ یہ انہی کے متعلق کاغذات تھے۔ میں نے ایک نظر ان کاغذات پر ڈالی اور سارے کاغذ اٹھا کر جیب میں رکھ لئے۔ دراز کے سب سے نچلے خانے میں ایک تصویر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے تصویر اٹھا کر اسے دیکھا تو مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ یہ شہباز خان کی تصویر تھی۔ وہی شہباز خان جو پشاور کے علاقے حیات آباد سے کراچی اور پھر کراچی سے ایران چلا گیا تھا۔ یہ پاسپورٹ سایز کی تصویر تھی۔ اس تصویر کی یہاں موجودگی بہت بڑے خطرے کی طرف نشاندہی کر رہی تھی۔ اگر اس کا یہاں دو نمبر پاسپورٹ بنوایا گیا ہے تو وہ لڑکا بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ سر یہاں ایک کمرے میں تہ خانہ مل گیا ہے اچانک میرے ائیر فون سے آواز آئی۔ ٹھیک ہے اسے کھولنے کی کوشش مت کرو سیدھا بم لگا کر اڑا دو ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ میں نے فون پر کہا اور جلدی سے تصویر اٹھا کر جیب میں ڈال لی۔ میں بھاگتا ہوا دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔ میرے پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے تہہ خانے کے دروازے کو بم سے اڑا دیا تھا۔ میں نے ایک دستی بم نیچے تہہ خانے میں پھینکا اور ایک لڑکے کو ساتھ لے کر نیچے چلا گیا۔ میرے پیچھے پیچھے احمد بھی آ رہا تھا۔ وہ مسلسل آگے فائرنگ کرتے ہوئے مجھے کور دے رہے تھے۔ جب کہ ہم دونوں بھی فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ تہ خانے میں نیچے اترتے ہیں ہمیں سردار

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مہلاب کی بیوی اور تینوں بچے سامنے ہی نظر آ گئے۔ وہ زمین پر آڑے ترچھے پڑے ہوئے تھے۔ جبکہ خون کا ایک تالاب سا بنا ہوا تھا وہ مر چکے تھے۔ سردار نے انہیں ڈھال کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسی لیے انہیں دروازے کے سامنے لے کر آیا تھا۔ تاکہ جیسے ہی ہم دروازہ کھولیں ہمیں وہ نظر آ جائیں۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس ٹائم انتہائی کم تھا۔ اس لیے ہم نے فائرنگ کی آڑ میں نیچے آنے کی بجائے پہلے دستی بم نیچے پھینکتے تھے۔ کمانڈوز آپریشن ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہم ریسکیو آپریشن نہیں کر رہے تھے۔ وہ یہاں پر غلطی کر گیا۔ اس نے اپنی فیملی کو تہہ خانے کے کسی کونے میں حفاظت سے رکھنے کی بجائے بالکل سامنے لے کر آ گیا۔ ہم نے جیسے ہی اندر دستی بم پھینکا وہ سارے اس کی زد میں آ کر مارے گئے۔ جبکہ سردار مہلاب دوسری طرف تھا۔ وہ فائرنگ کی زد میں آ کر نیچے گرا تو ہم اس کے سر پر پہنچ گئے۔ گولیاں اس کی ٹانگوں میں لگی تھی اس لیے وہ ابھی تک زندہ تڑپ رہا تھا۔ کیوں سردار صاحب یورپ کے سب سے پرامن ترین ملک میں بیٹھ کر تجھے کیا لگا تو بچ جائے گا۔ موت کبھی بھی تیری طرف نہیں آئے گی۔ میں نے رائفل کی نال اس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ مجھے معاف کر دو اس کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز آئی۔ نہیں سردار تم نے میرے ملک کی ہزاروں ماؤں کے بچے مارے ہیں۔ تم نے ہزاروں بیواؤں کے سہاگ اجاڑے ہیں۔ میرے ملک کی سرزمین کو خون سے رنگین کیا ہے۔

ہزاروں بچوں کو یتیم کیا ہے۔ پتا ہے کتنے گھر تمہاری دہشت کی نذر ہوئے ہیں۔ تمہاری بیوی اور بچے بھی مارے جا چکے ہیں۔ وہ بے گناہ تھے لیکن یقین کرو مجھے ان کے مرنے کریں مجھے انکے وس نہیں ہے۔ اگر میرے ملک کے ہزاروں بے گناہ بچے مر سکتے ہیں تو تمہارے کیوں نہیں۔ میں نے ان کو جان بوجھ کر نہیں مارا لیکن پھر بھی مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ سردار صاحب ہم پاکستانی مجاہد اپنے مجرموں کو دنیا کے آخری کونے سے بھی پکڑ کر سزا دے سکتے ہیں۔ تم نے اگر میرے ملک کو خون سے رنگین کیا ہے تو تمہیں بھی مرنا ہوگا۔ دنیا کا کوئی ملک اور طاقت تمہیں اس موت سے نہیں بچا سکتی۔ میں نے رائفل کا ایک طویل برسٹ مارا اور سردار مہلاب کی کھوپڑی ہزاروں ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ وہ مر چکا تھا۔ ایک دہشتگرد آج اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ تم سب جلدی سے پورے بنگلے میں پھیل کر تلاشی لی یہاں پر کوئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

بھی کاغذی یا فائیل ہو تو اسے اپنے ساتھ لے لو کوئی بھی چیز یہاں نہیں چھوڑنی ہے۔موبائل فون یا ایس پی کمپیوٹر ہو تو اس کی ہارڈ ڈسک وغیرہ سب کچھ لے لو اور دو منٹ کے اندر اندر یہاں سے نکلو۔جلدی کرو میں نے چیختے ہوئے حکم دیا تو سارے لڑکے جلدی سے باہر نکل گئے۔ میں نے ایک نظر تہہ خانے پر ڈالی۔ایک کونے پر ٹیبل کرسی پڑی ہوئی تھی اور اس کے اوپر کمپیوٹر رکھا ہوا تھا۔میں نے کٹر کی مدد سے سی پی یو کی چادر کاٹی اور اندر سے ہارڈ ڈسک نکال کر جیب میں ڈال لی۔ باہر نکل کر میں نے سردار مہلاب کے کمرے میں رکھے ہوئے کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک بھی نکال لی۔اتنی دیر تک لڑکے تلاشی سے فارغ ہو چکے تھے۔ہم جیسے ہی باہر نکلے تو پولیس بھی آ گئی۔ یہ دو گاڑیوں میں آئے تھے۔یہ دوسرے تھانے سے آئے تھے پہلے والے تھانے سے تین گاڑیاں آئی تھیں جنہیں راستے میں کھڑے لڑکوں نے واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا۔میرے 2 لڑکے اس طرف پولیس کو روکنے کے لیے کھڑے تھے۔ جیسے ہی پولیس کی کاریں آئیں تو انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔انتہائی شدید فائرنگ نے تینوں کاروں کے ٹائر برسٹ کر دیے تھے جبکہ شیشے اور باڈی بھی فائرنگ کی زد میں آ کر ٹوٹ گئے تھے۔ ہماری پولیس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی۔ اس لئے لڑکوں نے پولیس والوں کو کچھ نہیں کہا تھا۔انہوں نے صرف کاروں کو نشانہ بنایا تھا۔ پولیس والے سبھی محفوظ رہے تھے۔صرف دو پولیس والوں کی ٹانگوں میں گولیاں لگی تھیں۔ وہ بھی اس وقت جب انہوں نے مقابلے پر فائرنگ شروع کی تھی۔ ہمارے پاس اسلحہ کی کمی نہیں تھی۔ وہ ایک گولی فائر کرتے تھے تو ادھر سے 50 گولیوں کا برسٹ جاتا تھا۔دو لڑکوں نے ہی ان سبھی پولیس والوں کو واپس بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ پولیس والے دوسری طرف سے آئے تھے۔ہم جیسے ہی باہر نکلے تو گولیوں کی ایک بوچھاڑ ہماری طرف آئی۔ہم سب نے جلدی سے دیوار کی اوٹ لے کر جان بچائی۔ احمد گرنیڈ پھینکو ان کی طرف میں نے چلا کر احمد سے کہا اور خود بھی جیکٹ کی جیب سے گرنیڈ نکالنے لگا۔سر گرنیڈ سے وہ مارے جا سکتے ہیں۔ یہ سادہ پولیس والے ہیں احمد نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔جو بول رہا ہوں وہ کرو یہ میرا حکم ہے میں نے چلاتے ہوئے کہا۔پوری قوت سے حملہ کرو مجھے ایک منٹ کے اندر اندر ہر چیز صاف چاہیے۔کوئی کوتاہی نہیں جو بھی سامنے آتا ہے اسے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مار دو۔ اسلام آباد والوں کو میں جوابدار ہوں۔ میں نے جیکٹ کی جیب سے گرنیڈ نکالا اور اس کی پن نکال کر اسے پولیس کی ایک گاڑی کی طرف اچھال دیا۔ میرا پھینکا گیا گرنیڈ بلکل کار کے نیچے چلا گیا اور ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ پولیس کی کار دھماکے کے زور سے کوئی چار فٹ تک اوپر گئی اور پھر نیچے آ گئی۔ اس میں آگ لگ چکی تھی۔ احمد اور دوسرے لڑکوں نے بھی گرنیڈ دوسری کار کی طرف پھینکے اور وہ کار بھی دھماکے سے تباہ ہوگئی۔ کاروں کے اڑتے ہیں انکے پیچھے پناہ لیے ہوئے پولیس والے اٹھ کر بھاگے لیکن وہ ہماری گولیوں کی زد میں آ گئے۔ صرف تین پولیس والے تھے جبکہ باقی پولیس والے کاروں کے ساتھ ہی گرنیڈ کی زد میں آ گئے تھے۔ وہ مارے جا چکے تھے۔ باقی پولیس والوں کو ہم نے پیروں میں ہی گولیاں ماری تھیں۔ ان کی زمین پر گرتے ہی ہم سب جلدی سے باہر نکلے اور گاڑیوں کی طرف بھاگنے لگے۔ پولیس والوں سے ہم نے اسلحہ لے کر علیحدہ کیا اور ایک لڑکے کو حفاظت کے لیے ادھر ہی چھوڑ دیا۔ دوسری طرف ہم نے ایک لڑکے کو حفاظت کے لیے پہلے ہی چھوڑا ہوا تھا۔ یہ آپریشن کے وقت ہمارے ساتھ بنگلے میں اندر نہیں گیا تھا بلکہ باہر بیک اپ کے لیے کھڑا تھا۔ سر قیصر بھی شہید ہوگیا ہے۔ میرے وہاں پہنچتے ہیں اس لڑکے نے آگے بڑھ کر مجھے سلام کرتے ہوئے اطلاع دی۔ انا للہ وانا الیہ راجیون۔ اللہ شہادت قبول کرے میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ نوید دونوں لاشوں کو گاڑی سے باہر نکالو میں نے جلدی سے کہا تو وہ لاشوں کو گاڑی سے باہر نکالنے لگا۔ باقی لڑکے بھی اس کے ساتھ مدد کرنے لگے۔ احمد پٹرول کے کین گاڑی کی ڈگی میں موجود ہے وہ نکالو میں نے احمد سے کہا اور خود نوید کے ساتھ مل کر کرنل ندیم اور دوسرے لڑکے قیصر کے کپڑوں کی تلاشی لینے لگا۔ ہم نے ان کے کپڑوں سے سارا سامان نکال لیا۔ سعر پیٹرول احمد نے پیٹرول کا کین میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے ان کو اچھی طرح لاشوں کے اوپر پھینکو اور آگ لگا دو۔ دونوں لاشوں کے ہاتھوں اور پیروں پر خاص طور پر پٹرول ڈالنا ان کی انگلیوں کا ایک بھی نشان اگر سوئس پولیس کو مل گیا یا ان کی شہریت کی شناخت ہوگئی کہ یہ پاکستانی ہے تو سیدھا کوٹ مارشل ہی ہوگا تمہارا سمجھ گئے میری بات یا پھر سمجھاؤں۔ میں نے غصّے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ آپریشن کے وقت گرنیڈ پھینکتے ہوئے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھوڑا ہچکچایا تھا اور اس نے سوال کیا تھا۔ جلدی کرو ہم اپنے گھر میں نہیں بیٹھے ہوئے ہیں میں نے اونچی آواز میں حکم دیا۔ یس سر اس نے جلدی سے کہا اور دونوں لاشوں پر پیٹرول چھڑکنے لگا۔ جبکہ باقی لڑکے جلدی سے کاروں میں بیٹھنے لگے۔ احمد نے دونوں لاشوں پر اچھی طرح پٹرول چھڑکا اور پھر انہیں آگ لگادی۔ کرنل ندیم اور قیصر دونوں کی لاشیں ہمارے سامنے جل رہی تھیں۔ میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا تو احمد میرے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔ میں نے پولیس والوں کی طرف کھڑے ہوئے لڑکے کو بھی واپس بلالیا تھا۔ سوری سر مجھ سے غلطی ہوگئی تھی مجھے آپ سے سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ احمد معافی مانگنے لگا۔ کوئی بات نہیں یار تم ابھی نوجوان افسر ہو تم نے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ حالات کے مطابق ہمیں بہت سے ایسے فیصلے بھی لینے پڑ جاتے ہیں جنہیں ہمارا دل تسلیم نہیں کرتا لیکن پھر بھی ہم ایسے فیصلے کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ہم اگر انسانی ہمدردی دکھاتے ہوئے گرنیڈ استعمال کرنے کی بجائے پولیس کو وہاں سے بھگانے کی کوشش بھی کرتے تو ہمیں بہت دیر ہو جاتی۔ یہ سوئزرلینڈ ہے ہم اگر دس منٹ بھی زیادہ ادھر رک جاتے تو وہاں سوئزرلینڈ کی پوری پولیس آجاتی۔ فرانس کا ایئر بیس یہاں سے صرف ساٹھ کلومیٹر دور ہے۔ فرانسیسی ایئر فورس کو یہاں پہنچنے میں دس پندرہ منٹ ہی لگیں گے۔ ہم اگر فوری ایکشن نہ کرتے تو ابھی تک ادھر ہی پھنسے ہوتے۔ ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچتا۔ احمد بھائی جب تک کرنل ندیم تھے یہ ان کی جواب داری تھی۔ اب ان کے بعد میں سینئر ہوں۔ تم سب کی حفاظت میری ذمہ داری ہے اور میں اپنی ذمہ داری کو سمجھتا ہوں۔ جنگیں جذبوں سے لڑی جاتی ہیں۔ لیکن جیتتا وہی ہے جو میدان جنگ میں بروقت فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ مجھے معلوم ہے شہادت کی تمنا تم سب کے دل میں ہے لیکن پاکستان کو تم جیسے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ تمہاری عمر شہید ہونے کی نہیں ہے۔ احمد مجھے کرنل صاحب اور قیصر دونوں کی شہادت کا بھی دکھ ہے۔ سات سمندر پار ایک انجان ملک کے انجان سے شہر میں مرنے کو کس کا دل کرتا ہے۔ یہ مسلمان تھے لیکن انہیں تو مرنے کے بعد قبر کی مٹی بھی نصیب نہیں ہوئی۔ ابھی یہ لوگ پتا نہیں کتنے عرصے تک ان کی جلی ہوئی لاشوں پر بھی تجربات کرتے رہیں گے۔ ان کی لاشوں کو آگ میں نے تمہارے ہاتھ سے اسی لیے لگوائی تھی تا کہ تم سیکھو۔ جنگ میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہاں دل سے نہیں صرف اور صرف دماغ سے سوچا جاتا ہے۔ ہم برن شہر سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ راستے میں پولیس کی مزید گاڑیاں بھی آ گئیں۔ ہم نے ان سے بھی مقابلہ کیا۔ ہمارے پاس راکٹ لانچر اور اسلحہ کافی تعداد میں موجود تھا۔ جب کہ ہمارے مقابلے میں پولیس والوں کے پاس صرف سٹین گنیں ہی تھیں۔ ہم نے آسانی سے ان کاروں کو مار گرایا۔ شہر سے باہر نکلتے ہی آرمی کے دو گن شپ ہیلی کاپٹر بھی آ گئے۔ احمد تیار ہو میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جی سر میں تیار ہوں اس نے ہاں میں سر ہلایا اور ایک راکٹ لانچر اٹھا لیا۔ احتیاط سے ہمارے پاس دوسرا موقع نہیں ہوگا۔ میں نے ہیلی کاپٹروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سر ہمیں دوسرا موقع چاہیے بھی نہیں ایک ہی کافی ہے۔ اس نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا اور کار کی کھڑکی سے باہر نکل آیا۔ دوسری طرف میں بھی باہر آ گیا۔ او کے رائیٹ سائیڈ والا ہیلی کاپٹر میرا ہے میں نے اونچی آواز میں کہا اور راکٹ لانچر سے ہیلی کاپٹر کا نشانہ لینے لگا۔ اگلے ہی لمحے میں نے سانس اندر کھینچا اور نشانہ باندھ کر فائر کر دیا۔ راکٹ اڑتا ہوا گیا اور سیدھا ہیلی کاپٹر سے جا ٹکرایا۔ دوسری طرف احمد نے بھی اپنے ٹارگٹ کو ہٹ کر دیا تھا۔ اس کے ہیلی کاپٹر نے اوپر اٹھ کر راکٹ سے بچنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ راکٹ اس کے نچلے حصے سے ٹکرایا اور دونوں ہیلی کاپٹر ہی زمین بوس ہو گئے۔ ہمارے پیچھے اب کوئی بھی نہیں رہ گیا تھا۔ میں نے سبّھی لڑکوں کو کاریں تبدیل کر کے دوسری کاریں استعمال کرنے کے کا کہا۔ آگے آنے والے موڑ سے ہم نے کار دوسری سڑک پر ڈال لی اب ہم بیک اپ پر کھڑی دوسری گاڑیوں کی طرف جا رہے تھے۔ آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ہم سب نے گاڑی تبدیل کی اور الگ الگ ہو کر فرانسیسی سرحد کی طرف بڑھنے لگے۔ بیل شہر سے ہم سب الگ الگ ہو کر فرانس کی طرف جانے لگے۔ میں اور احمد ایک ہی کار میں موجود تھے۔ کار میں چلا رہا تھا۔

جبکہ احمد میرے ساتھ دوسری سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ بیل سے ہم دونوں ڈیلی مونٹ اور پھر وہاں سے باسل چلے گئے۔ باسل سے ایک لوکل ٹرین کی مدد سے جرمنی کے سرحدی شہر لوراخ اور پھر وہاں سے دوسری ٹرین پکڑ کر فرائی برگ چلے گئے۔ یہاں سے اب ہم نے الم جانا تھا۔ الم میں ہمارے مین

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایجنٹ نے آنا تھا جسے سامان دینا تھا۔اور مشن کی تفصیلات بھی بتانی تھیں۔مشن کی ساری بریفنگ دینے کے بعد ہم فری تھے اور واپس جا سکتے تھے۔باقی لڑکے فرانس میں داخل ہوئے ان میں سے آدھے پیرس کی طرف جبکہ باقی لڑکے نیس کی طرف چلے گئے۔کینز اور نیس فرانس کے دو مشہور شہر ہیں۔دونوں شہروں کے ساتھ ہی منا کو ایک چھوٹا سا ملک بھی ہے۔یہ فرانس کے اندر ہی ایک چھوٹا سا ملک ہے جو ایک ہی شہر پر مشتمل ہے۔شہر کا نام مونٹی کارلو ہے۔یہ شہر اپنے جوئے خانوں اور دلفریب مقامات کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔کینیز نیس اور مونٹی کارلو یہ تینوں شہر ایک ہی ساحلی پٹی پر واقع ہیں۔ایک دوسرے سے انتہائی قریب یہ تینوں شہر سیاحوں کے لیے جنت کی حیثیت رکھتے ہیں۔جبکہ یہاں سے اٹلی کی سرحد بھی صرف 20 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔لڑکے آسانی سے یہاں سیاحوں کی آڑ لے کر ملک سے باہر جا سکتے تھے۔جبکہ پیرس سے بھی آسانی سے نکلا جا سکتا ہے۔میں اور احمد الم شہر پہنچ گئے ایک کیفے ٹیریا میں ہماری ملاقات ہمارے مین ایجنٹ سے ہوئی تو میں نے سارے کاغذات اس کے حوالے کر دیئے اور مشن کے متعلق موٹی موٹی بریفنگ بھی دے دی۔باقی مین تفصیلات کی احمد نے رپورٹ بنانی تھی۔میں چونکہ فیلڈ ایجنٹ تھا اس لیے مجھے دفتری کاروائی سے دور رکھا جاتا تھا۔راضی اسلام آباد والے تمہاری اس کارروائی سے خوش نہیں ہیں تم نے طاقت کا زیادہ اور بے جا استعمال کیا ہے۔ایک آدمی کو مارنے کا ٹارگٹ دیا گیا تھا لیکن تم نے پچاس سے اوپر لوگوں کو مارا ہے۔اگر تم طاقت کا استعمال تھوڑا کم کرتے تو اتنی تباہی نہیں ہوتی۔مین ایجنٹ نے سرسراتی آواز میں کہا۔راضی تمہاری وجہ سے بہت سے معصوم لوگوں کی جانیں گئیں ہیں تمہارے پاس اس کا کوئی جواب ہے۔اس نے مجھ سے سوال کیا ہم سب اس وقت کیفے ٹیریا کے ایک الگ تھلگ کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔سر کرنل صاحب اور قیصر میری وجہ سے شہید نہیں ہوئے۔اس وقت کمانڈ کرنل صاحب کے ہاتھ میں تھی۔نقشے پر سرونٹ کواٹر میں موجود سراخ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔تینوں بغیر آڑ لیے فائرنگ کر رہے تھے اس لیے ہٹ ہو گئے۔ایک لڑکے نے بروقت زمین پر لیٹ کر جان بچائی جبکہ دونوں نہ بچ سکے۔سر میری کمانڈ کرنل صاحب کی شہادت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ان کے بعد کوئی ایک لڑکا بھی زخمی نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوا ہے۔سر میں نے اپنا کام پوری ایمانداری سے انجام دیا ہے۔ میں نے اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ مجھے اس کو مطمعین کرنا تھا۔ وہ سب ٹھیک ہے راضی لیکن اس قدر تباہی کا کیا مقصد ہے۔ پولیس کی 15 گاڑیاں اور دو ہیلی کاپٹر تباہ ہوئے ہیں جبکہ پچاس کے قریب ہلاکتیں بھی ہوئی ہیں۔تم ایک آدمی کو مارنے گئے تھے یا پوری فوج کو مارنے۔تمہیں اس کے لیے ہیڈکوارٹر میں جواب دینا پڑے گا اس نے کہا۔ٹھیک ہے سر میں جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔ میں اگر ایکشن نہ کرتا اگر راکٹ لانچر اور گرنیڈ استعمال نہ کیے جاتے تو ہم لوگ کبھی بھی وہاں سے زندہ بچ کر نہیں آسکتے تھے۔کوئی ایک لڑکا بھی وہاں سے صحیح سلامت بچ کر نہیں آسکتا تھا۔سر ان سب لڑکوں کی جوابداری میرے اوپر تھی۔ اگر ہم انہیں نہ مارتے تو وہ ہم کو ماردیتے۔ جنگ میں یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ مجھے جو اچھا لگا جو فیصلہ مجھے اس وقت بہتر لگا میں نے وہی فیصلہ کیا۔ مجھے ٹارگٹ کو ختم کرنا تھا اور اپنے لڑکوں کو باحفاظت واپس لانا تھا۔ باقی جو لوگ اس لڑائی میں مارے گئے ہیں مجھے ان کی موت کا افسوس ہے۔ میں ہیڈکواٹر کے سوالوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں۔آپ جب آرڈر کریں میں پیش ہونے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں ایک فیلڈ ایجنٹ ہو۔ مجھے سیاست نہیں آتی۔ میں ایک فوجی ہوں اور مجھے صرف لڑنا آتا ہے۔سامنے والے دشمن کو مارو ورنہ وہ تمھیں ماردے گا مجھے صرف یہی سکھایا جاتا ہے۔ سر فیلڈ میں کبھی کبھی انتہائی سخت فیصلے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ جنگ میں کوئی رحم نہیں ہوتا۔ اگر مارو گے نہیں تو مر جاؤ گے۔ میں اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا۔ راضی میں بھی ایک فیلڈ ایجنٹ رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے بعض سچویشن میں سخت فیصلے لینے پڑتے ہیں۔تم بہت اچھے ایجنٹ ہو میں تمہاری تعریف کروں گا۔ باقی ہیڈکواٹر کی مرضی ہے وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں اس نے مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔سر جان تو پہلے ہی ملک کے نام کی ہوئی ہے اب ہیڈکوارٹر اس سے سخت کیا سزا دے گا۔اگے میرے لیے کیا حکم ہے۔ مجھے ابھی واپس پاکستان جانا ہو گا یا اگلے مہینے ریسٹورنٹ میں چھٹی ہے۔ چانسلر بھی ہمارے شہر میں آرہی ہیں۔ شہباز خان والا معاملہ بھی موجود ہے۔ اگر مجھے موقع دیں تو میں ان معاملات کو حل کر کے ہیڈکوارٹر چلا جاؤں گا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سردار مہلاب نے اسے سوئزرلینڈ کا جعلی پاسپورٹ بنوا کر دیا ہے وہ پورے یورپ میں آزادانہ کہیں بھی آجا سکتا ہے۔کیا میں شہباز خان کے پیچھے انکوائری شروع کروں میں ان سے پوچھنے لگا۔نہیں تم واپس کارلسروہے چلے جاؤ 15 دنوں تک چانسلر وہاں آنے والی ہیں تم کو وہاں موجود ہونا چاہیے۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔جی سر جیسے آپ کہتے ہیں میں نے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔یہ صحیح رہے گا چانسلر بہت اچھی ہیں۔انہوں نے مسلمان مہاجرین کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔شام اور عراق کے لاکھوں مسلمان مہاجرین کو جرمن چانسلر نے اپنے ملک میں پناہ دے کر انہوں نے مسلمان قوم کے دل میں اپنی جگہ بنالی ہے۔راضی چانسلر کے دوست بھی بہت ہیں اور دشمن بھی بہت سے ہیں۔ان سے محبت کرنے والے بھی بہت ہیں اور نفرت کرنے والوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔پاکستان جرمنی کے مقابلے میں ایک غریب ملک ہے۔ہم جرمنی اور اس کی عوام کے لیے کوئی مدد نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی محبت کا جواب محبت سے تو دے سکتے ہیں۔ان کی حفاظت کے لیے جرمنی کی خفیہ ایجنسی اور اس کے ایجنٹ بہت ہیں لیکن پھر بھی تم ادھر موجود رہو گے تو ہمیں بھی تسلی رہے گی۔وہ مجھے ہدایات دیتے ہوئے کچھ جذباتی ہو گئے تھے۔آخر ہم بھی انسان تھے۔وردی کے پیچھے چھپا ہوا انسان ہمیں بھی کبھی کبھی جذباتی بنا دیتا تھا۔سر آپ بے فکر رہیں میں وہیں رہوں گا۔اگر کوئی غیر معمولی حادثہ ہوا تو اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کروں گا۔میں نے انہیں جواب دیا۔راضی چانسلر ہمارے لئے بہت اہم ہیں وہ پاکستان کے متعلق بھی انتہائی نرم گوشہ رکھتی ہیں۔جرمنی ہمارا دوست ملک ہے۔چانسلر کی حفاظت کرتے ہوئے اگر مرنا بھی پڑا تو مر جانا لیکن ان پر ایک کھروچ بھی مت انے دینا۔اپنے آپ کو خفیہ رکھ کر ان کی حفاظت کرنا۔یہ تمہاری ڈیوٹی ہے۔اور ڈیوٹی کے دوران مرنے والے کو شہید کہتے ہیں۔ ہمارے انٹیلی جنس کو کچھ اطلاعات ملی ہیں۔شہباز خان کو تحریک طالبان پاکستان سے پیسے دے کر خریدا گیا ہے۔پیسے سوئس اکاؤنٹ سے ہی ٹرانسفر ہوئے ہیں لیکن اسے کنٹرول جرمنی سے کیا جا رہا ہے۔ شہباز خان کے پاس پاسپورٹ سوئزرلینڈ کا ہے لیکن اسے شاید استعمال جرمنی میں ہی کیا جائے گا۔مجھے لگتا ہے اس ساری سازش کے تانے بانے جرمنی میں بھنے جا رہے ہیں۔وہ جرمنی کے اندر ہی کہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دھماکہ کرنے والا ہے۔ ہماری انٹیلی جنس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔کل تک پاکستانی وزارت خارجہ کی طرف سے ایک آفیشل لیٹر بھی جرمن حکومت کو جاری کر دیا جائے گا۔ہم شہباز خان کی پوری تفصیل جرمن حکومت کو دے دیں گے۔امید ہے وہ لوگ شہباز خان کو دہشت گردی کی کارروائی سے پہلے ہی گرفتار کرلیں گے۔باقی تم کارلسروہے میں دھیان رکھنا۔وہاں بھی ان پر حملہ ہوسکتا ہے۔ان کو داعش اور القاعدہ دونوں کی طرف سے تھریڈ ہے۔وہ لوگ کارلسروہے میں کوئی بڑی کارروائی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مجھے کچھ مزید احکامات دیئے اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔لیفٹیننٹ احمد بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔ان کے جانے کے دس منٹ بعد میں نے بل ادا کیا اور کافی شاپ سے باہر آ گیا۔الم ڈیڑھ لاکھ کی آبادی والا یہ شہر دریائے ڈینوب کے کنارے واقع ہے۔ یہ دریا پورے یورپ کا سب سے لمبا دریا ہے۔جو جرمنی کے بلیک فارسٹ جنگلات سے نکلتا ہے اور آسٹریا ہنگری اور رومانیہ سے ہوتا ہوا بلیک سی میں جا کر گرتا ہے۔الم الپس کے پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع ہے۔یہیں سے الپس کا پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا ہے جو آگے سوئزرلینڈ تک پھیلا ہوا ہے۔الپس کا پہاڑی سلسلہ دنیا کا خوبصورت ترین پہاڑی سلسلہ ہے۔سوئزرلینڈ کو اسی پہاڑی سلسلہ کی بدولت دنیا کا خوبصورت ترین حصہ کہا جاتا ہے۔ اس خوبصورتی کی تھوڑی سی جھلک جرمن شہر الم میں بھی نظر آتی ہے۔ میں کافی شاپ سے باہر آیا اور ریلوے اسٹیشن کی طرف چل پڑا۔ یہاں سے میں نے کارلسروہے کی ٹکٹ لی اور 2 گھنٹے میں گھر پہنچ گیا۔ابھی شام کے آٹھ بجے تھے ریسٹورنٹ رات کو گیارہ بجے تک کھلا تھا۔ابھی کافی ٹائم تھا۔میں نے جلدی جلدی نہا کر کپڑے تبدیل کئے اور ریسٹورنٹ چلا گیا۔ ریسٹورنٹ کے عقبی دروازے کو کھول کر میں کچن میں چلا گیا۔ست سری اکال جی میں نے اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ست سری اکال راضی تو کدھر سے آ گیا۔سکھے نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ بائیس سال کے اس نوجوان لڑکے کا نام سکھویندر تھا جسے پیار سے سکھا کہا جاتا تھا۔ یہ ریسٹورنٹ میں باورچی کا کام کرتا تھا۔سکھا انڈین پنجاب کے شہر موگھا کا رہنے والا تھا۔موگھا اور فیروزپور پاکستان کے شہر قصور کو لگتے ہیں۔ پنجابی فلموں کی سپرسٹار ہیروئن نیرو باجوہ کی دو ہزار گیارہ میں ایک ہٹ فلم آئی تھی۔ پنکی موگے والی۔۔ یہ فلم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاکستان میں بھی کافی مشہور ہوئی تھی۔ اس فلم نے موگے شہر کی پبلسٹی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ ریسٹورنٹ کے اندر سبھی لڑکے سے ازرائے مذاق اس سے پنکی کا اڈریس ہی پوچھتے رہتے تھے۔ میں بھی نیرو باجوا کا فین تھا۔اس لئے میں بھی اس سے پنکی کا پتہ پوچھتا رہتا تھا۔

تندور پر کام کرنے والے لڑکے کا اصل نام تو مجھے معلوم نہیں تھا سب لوگ اسے ٹارزن ہی کہہ کر بلاتے تھے۔وہ امرتسر کا رہنے والا تھا جبکہ صفائی کرنے والا ہندو لڑکا تھا وہ ہریانہ کا رہنے والا تھا۔ ہریانہ کے ہندو لڑکے کا نام ضلع سنگھ تھا لیکن میں اسے استاد کہہ کر بلاتا تھا۔انڈیا میں بہت سے ہندو لوگوں کے ناموں کے ساتھ بھی سنگھ آتا ہے لیکن وہ سکھ مذہب سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ یہ بات مجھے ضلع سنگھ نے ہی بتائی تھی۔ ورنہ میں پہلے سارے ہی سنگھ نام والوں کو سکھ ہی سمجھتا تھا۔ استاد ضلع سنگھ ریسٹورنٹ میں سب سے پرانا لڑکا تھا۔اس نے کچھ مہینے بار پر بھی کام کیا تھا۔ مجھے اسی نے سارا کام سکھایا تھا اور میں اسی وجہ سے اسے استاد کہہ کر بلاتا تھا۔راضی پانی وغیرہ پی کر اندر ریسٹورنٹ میں جانا اندر بہت بڑا جھٹکا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ اگر ڈائریکٹ اندر گئے تو پکی بات ہے تم گر جاؤ گے۔ ضلع سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔اچھا استاد کیا خاص چیز ہے اندر ریسٹورنٹ میں میں نے سوال کیا۔ بار پر ایک شہزادی کام کر رہی ہے۔امرتسر کی ہے قسم سے ایشوریہ رائے بھی اس کے آگے کچھ نہیں ہے۔استاد نے خالص عاشقانہ انداز میں کہا۔ میں نے کچن کے دروازے کی اوٹ سے باہر جھانکا بار سامنے ہی تھا۔ میری نظر بار پر کھڑی کنو پر چلی گئی۔ وہ بار پر کھڑی بیئر کا گلاس بھر رہی تھی میری نظر وہیں رک گئی۔ انتہائی خوبصورت کتابی چہرہ اور موٹی موٹی کالی سیاہ آنکھیں اس کے بال ہلکے سنہری مائل تھے۔ پانچ فٹ چھ انچ کے قریب قد اور انتہائی پرکشش جسم تھا۔ وہ واقعی خوبصورتی کا ایک شاہکار تھی۔ راضی صاحب خیریت تو ہے ناں لگتا ہے کافی بڑا جھٹکا لگا ہے۔ استاد نے میرے کندھے کو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ استاد جی یہ کدھر سے آگئی ہے میں نے سوال کیا۔ بولا تو ہے امرتسر کی ہے ابھی کچھ دن پہلے ہی انڈیا سے آئی ہے۔ استانی ہے تمہاری اس لیے عزت سے پیش آنا۔ بلا وجہ اس پر لائن مارنے کی کوشش مت کرنا اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ استاد جی امرتسر والے اتنے خوبصورت بھی ہوتے ہیں میں نے ٹارزن کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ٹارزن بھی امرتسر کا رہنے والا تھا اسے اس ریسٹورنٹ میں کام کرتے ہوئے تین سال سے اوپر ہو چکے تھے۔ کچن میں کام کرنے والوں کے لیے کھانا کھلاتا تھا۔ بھاٹیہ صاحب اور انکی بیوی نے کبھی کسی کو کھانے سے نہیں روکا تھا۔ اسکی ہلکی سی توند نکل آئی تھی۔ ہم لوگ اس کی توند کا ہی مذاق اڑاتے رہتے تھے۔ وہ بہت اچھا اور شریف لڑکا تھا۔ عورت سے بات کرتے ہوئے بھی جھک جاتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے تیس سال کا ہونے کے باوجود ابھی تک اکیلا ہی گھوم رہا تھا۔ کنو بھی اسی کے شہر امرتسر کی تھی۔ ٹارزن یار امرتسر والے تو کافی خوبصورت ہوتے ہیں۔ اس بار میں نے براہ راست ٹارزن کو مخاطب کیا۔ یار بہت شریف لڑکی ہے اسے تنگ مت کرنا بے چاری بھاگ جائے گی اس نے سادہ لوہی سے کہا۔ ارے یار ہم کون سے بدمعاش ہیں یہ استاد ہی الٹا سیدھا بول رہا ہے۔ میرا تو تمہیں پتا ہی ہے ناں میں ان پنگوں میں پڑھتا ہی نہیں ہوں۔ میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ایجنسی ہمیں ہر کام کرنے کی اجازت دیتی تھی۔ بس لڑکی رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم یہاں شادی نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی کوئی گرل فرینڈ رکھ سکتے تھے۔ ہم لڑکی سے دوستی کر سکتے تھے اس کے ساتھ ایک آدھ رات بھی گزار سکتے تھے لیکن ہمیں مستقل گرل فرینڈ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم کسی بھی لڑکی کو اپنے گھر نہیں لا سکتے تھے۔ ہم کسی کے ساتھ اپنا کمرہ شیئر نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں کسی کو بھی اپنے گھر میں رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ کوئی بھی کسی بھی وقت ہم سے رابطہ کر سکتا تھا۔ ہمارے گھر میں کبھی کبھی انتہائی خفیہ دستاویزات یا اسلحہ بھی آجاتا تھا۔ گرل فرینڈ کی صورت میں ایک لڑکی مستقل ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہتی تو اس سے ایجنسی کے معاملات میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے گرل فرینڈ یا بیوی کی اجازت نہیں ملتی۔ باقی سب کاموں کی اجازت ہوتی ہے۔ صحیح بات ہے رازی تم اسے ایک استانی کی نظر سے ہی دیکھو گے۔ سکھے کے پاس اپنی گرل فرینڈ موجود ہے ٹارزن ویسے ہی شریف آدمی ہے اسے ان معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم ویسے بھی جونیئر ہو۔ پہلے استاد کا حق بنتا ہے اس لئے آج سے کنو میری ہے۔ کوی بھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ استاد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ استاد جی پہلے بھاٹیہ صاحب سے تو پوچھ لو۔ میں ان کو جا کر بتاتا ہوں ہمارے استاد محترم کنو سے محبت

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے لگے ہیں۔ میں نے مذاق سے کہا۔ ہو یار کیا نوکری سے نکلوانا ہے۔ باجی کو اگر پتہ چل گیا تو وہ ایک منٹ بھی نہیں لگائیں گے مجھے نوکری سے جواب دینے میں اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ویسے راضی بچ کے آج ہی باجی نے ہم سب کو خبردار کیا ہے کنو بہت شریف لڑکی ہے۔ انہوں نے بولا ہے جس نے بھی کنو سے فلرٹ کرنے کی کوشش کی وہ فوراً اسے کام سے نکال دیں گے۔ راضی بھائی کنو نے ایک شکایت بھی لگا دی تو اسی وقت نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

ٹارزن نے مجھے خبردار کرتے ہوئے کہا۔ اوہ راضی تم آ گئے ہو۔ بھاٹیہ صاحب کچن میں ایک آرڈر دینے کے لیے آئے تو ان کی مجھ پر نظر پڑ گئی۔ جی پاہ جی ابھی آیا ہوں کافی ٹائم تھا اس لئے سوچا ریسٹورنٹ چلا جاتا ہوں۔ آپ کی مدد ہو جائے گی میں نے جواب دیا۔ ارے یار آج آرام کر لیتے کل سے کام پر آ جاتے اتنی بھی پرابلم نہیں تھی۔ باہر صرف تین ٹیبلز ہیں۔ ہم لوگ آدمیوں کا حساب کرنے کی بجائے ٹیبلز کا حساب کرتے تھے۔ ہم لوگ آرام سے کام کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ٹارزن کو آرڈر کی پرچی پکڑاتے ہوئے کہا۔ کوئی بات نہیں پاہ جی ادھر آ کر دل بھی لگا رہتا ہے گھر میں کیا کرنا ہے۔ میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے تو پھر کھانا کھا لو اس کے بعد باہر آ جانا۔ انہوں نے مجھے کہا اور واپس ریسٹورنٹ چلے گئے۔ ٹارزن ایک چکن نان لگا کر مجھے بار پر دے دینا کھانا رات کو آپ لوگوں کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔ میں نے ٹارزن سے کہا اور ریسٹورنٹ کے اندر چلا گیا۔ ارے یار تم کھانا تو کھا لیتے مالک نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ شیف میں نے ٹارزن کو ایک چکن نان بولا ہے وہی کھا لوں گا۔ جرمنی میں مالک کو شیف کہا جاتا ہے۔ کھانا سب کے ساتھ ہی کھاؤں گا میں نے اندر کیچن والی بات یہاں پر بھی دوہرا دی۔ ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی ان سے ملو یہ کنو ہیں۔ کملیش لتا ان کا نام ہے لیکن سارے کنو ہی کہتے ہیں۔ ہماچل پردیش کے رہنے والے ہیں بھاٹیہ صاحب نے مجھے کنو کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ ہماچل پردیش پاجی میں نے سوال کیا۔ ہاں یار ہماچل پردیش کی ہی ہے البتہ اب امرتسر شفٹ ہو گئی ہے۔ بہت اچھی اور محنتی لڑکی ہے انہوں نے کنو کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ میری نظریں کنو کے خوبصورت چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی خوبصورتی شاید ستاروں کو بھی ماند کر سکتی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھی۔نمستے جی کیسی ہیں آپ میں نے اس کے سامنے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔نمستے جی میں ٹھیک ہوں آپ بار پر کام کرتے ہو۔اور آپکا نام ہی راضی ہے۔اسکی آواز بھی اسی کی مانند بہت خوبصورت اور میٹھی تھی۔صرف بار ہی نہیں یہ سبھی کام کرتا ہے۔بارٹینڈر ہے ویٹر ہے صفائی کا بھی کام کرتا ہے اور یہ تو کچن میں بھی چلا جاتا ہے۔بہت اچھا لڑکا ہے۔پورے ریسٹورنٹ کو اسی نے ہی سنبھالا ہوا ہے۔بھاٹیہ صاحب تعریف کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔وہ کھول کر تعریف کرتے تھے اور اسی طرح تنقید بھی کھل کر ہی کرتے تھے۔راضی تم ابھی سنبھال لینا میں گھر جا رہا ہوں۔کنو ابھی نئی ہے اسے کام بالکل نہیں آتا تو اسے کام سمجھا دینا۔اچھی لڑکی ہے محنتی بھی بہت ہے۔آرام سے کام سکھاو گے تو سمجھ جائے گی۔مالک نے مجھ سے کہا۔شیف آپ بے فکر رہو میں سنبھال لیتا ہوں میں نے جواب دیا۔میں مالک کے ساتھ کیش کاونٹر پر گیا۔ایک نظر پیسوں پر ڈالی اور انہیں دروازے تک چھوڑنے چلا گیا۔راضی بچے بیچاری غریب لڑکی ہے اسے تنگ مت کرنا۔پتا نہیں گھر میں کیسی کیسی مجبوریاں ہوتی ہیں جو اس جیسی نوجوان لڑکیاں گھر سے باہر نکل کر کام کرتی ہیں۔راضی عورت کی عزت کرنی چاہیئے۔یہ بہت نازک ہوتی ہیں چھوٹی سے چھوٹی ٹھیس بھی انہیں توڑ دیتی ہے۔میں نے ان کے لیے باہری دروازہ کھولا اور وہ باہر چلے گئے جبکہ میں واپس ایک ٹیبل پر چلا گیا۔ریسٹورنٹ میں اس وقت صرف دو ہی ٹیبل تھے جہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔دوسرے دو ٹیبل اٹھ کر چلے گئے تھے۔پورا رسٹورنٹ خالی تھا۔ہمارے پاس یہاں اس ریسٹورنٹ میں سولہ ٹیبل تھے۔ہر ٹیبل پر چار آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔اس طرح ہمارے ریسٹورانڈ میں ٹوٹل 64 لوگوں کی گنجائش تھی۔اس وقت ایک ٹیبل پر تو ایک انڈین فیملی بیٹھی ہوئی تھی جبکہ دوسری ٹیبل پر مقامی جرمن فیملی تھی۔میں نے باری باری دونوں ٹیبلوں پر ایک چکر لگا کر ان سے پوچھا کہ ان کو مزید کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ایک ٹیبل کو کھانا سرو کیا جا چکا تھا۔جبکہ دوسرے ٹیبل والے اپنے کھانے کا انتظار کر رہے تھے۔انہوں نے ابھی ابھی مالک کو آرڈر دیا تھا جو کچن میں چلا گیا تھا۔کچن سے کھانا آنے میں ابھی دس پندرہ منٹ لگنے تھے۔میں نے ان کو انتظار کرنے کا کہا اور واپس کاونٹر پر آ گیا۔کنو آپ کو انڈیا سے آئے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں میں نے اس سے سوال کیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جی آج تیسرا دن ہے اس نے مختصر جواب دیا۔اوہ پہلی بار انڈیا سے باہر آئی ہو یا اس سے پہلے بھی کسی ملک کا ویزہ ہے تمہارے پاس میں نے دوسرا سوال کیا۔نہیں پہلی بار انڈیا سے باہر آئی ہوں میرے پاس یورپی یونین کا ویزہ ہے یہ جرمنی سے ایشو ہوا ہے۔وہ بار پر رکھے ہوئے گلاس دھونے لگی۔برتن اور پلیٹیں تو اندر کچن میں جاتی تھی وہ وہیں کچن میں لگی ہوئی مشین سے دھوئی جاتی تھیں۔جبکہ گلاس ادھر بار پر ہی دھوئے جاتے تھے۔گلاس دھونے کے لئے ہمارے پاس مشین نہیں تھی۔ہم لوگ ہاتھ سے ہی گلاس دھوتے تھے۔کنوخوش تو ہو ناں جرمنی آ کر مجھے تمہاری آنکھوں میں ایک عجیب سی بے چینی نظر آ رہی ہے۔ایسا لگتا ہے جیسے تم پریشان ہو یا کوئی گھبراہٹ اور خوف وغیرہ ہو۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔مجھے وہ کچھ گھبرائی گھبرائی سی لگ رہی تھی۔نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔آپ میرے لئے پریشان مت ہوں اس نے جلدی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی شاید مجھے ہی غلط فہمی ہوئی ہے میں نے اس خیال کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔آپ پاکستان سے ہو بھاٹیہ صاحب نے بتایا تھا آپ پاکستان سے ہو جبکہ باقی سارا اسٹاف انڈیا سے ہے اس نے سوال کیا۔جی میں پاکستان سے ہوں یہاں ویک اینڈ پر کام کرنے کے لیے ظفر بھائی آتے ہیں وہ بھی پاکستانی ہیں۔وہ لاہور سے ہیں مجھے یہاں کام پر بھی انہیں نے لگوایا تھا۔ہم دو ہی پاکستانی یہاں کام کرتے ہیں۔میں فل ٹائم ملازم ہوں جبکہ ظفر بھائی صرف ویک اینڈ پر آتے ہیں۔میں نے اسے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔جی میں ظفر بھائی سے بھی ملی ہو وہ بہت اچھے انسان ہیں۔اس نے ظفر بھائی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ان کا اصل نام تو مبشر رزاق تھا لیکن یہاں انہوں نے نام تبدیل کر لیا تھا۔ان کے پاس جرمن شہریت تھی۔انہوں نے جرمنی میں ہی شادی کی تھی اور ان کے دو بہت خوبصورت سے بچے بھی تھے۔ان کی جرمن بیوی نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔گھر کا ماحول بھی اسلامی تھا بچے اسلام سے بہت مانوس تھے۔انھیں جرمنی آئے ہوئے پچیس سال سے اوپر ہو گئے تھے۔وہ جرمن معاشرے میں مکمل طور پر رچ بس گئے تھے۔لیکن پھر بھی دل سے پاکستانی تھے۔ان کے والد فوت ہو چکے تھے والدہ تھیں جو پاکستان میں ان کے بڑے بھائی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے پاس رہتی تھیں۔ظفر بھائی سال میں ایک چکر پاکستان کا زور لگاتے تھے۔پاکستانی سیاست سے بہت گہرا لگاؤ تھا۔مجھ سے کبھی کبھی بحث کرتے تھےلیکن میں آگے سے اجتناب کرجاتا تھا۔کنو پاکستان کو دشمن تونہیں سمجھتی ہو۔میں نے مذاق سے پوچھا۔نہیں راضی مجھے پاکستانی اچھے لگتے ہیں انکی زبان بڑی صاف ہوتی ہےاورآپ لوگ عزت بھی کرتے ہو۔کنو کی بات سن کرمیں حیران رہ گیا۔ارے آپ توصرف دوہی پاکستانیوں سے ملی ہوں اورابھی سے فیصلہ بھی سنادیا۔میں نے جلدی سے کہا۔نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے راضی جب میں انڈیا میں تھی تو اس وقت فیس بک پر میرے بہت سے پاکستانی دوست بھی تھے۔راضی صاحب انڈیا کی نوجوان نسل اب آپ لوگوں سے نفرت نہیں کرتی ہے۔ہم لوگ بدل رہے ہیں۔سوشل میڈیا پاکستان اورانڈیا کے لوگوں کوقریب لارہا ہے۔نفرت کی جگہ اب دوستی ہمارے دلوں میں جگہ بنارہی ہے۔کنو اب کافی بے تکلف ہوگئی تھی۔چلو یہ تو اچھی بات ہے۔دونوں ملکوں کے درمیان دوستی بڑھ رہی ہے۔دشمنی سے کسی کا بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ہمیشہ نقصان ہی ہوتا ہے۔ستر سال سے ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے آرہے ہیں ایک باردوستی کرکے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ شاید دوستی سے ہی کام بن جائے میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔چلو پھر پاکستان اورانڈیا کی طرف سے ہم دونوں دوستی کی ابتدا کرتے ہیں۔میں انڈیا کی طرف سے دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں اس نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔میں نے خاموشی سے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔انتہائی نازک سا ہاتھ تھا۔پتلی پتلی لمبی مخروطی انگلیاں سفید گوراہاتھ اورنیل پالش سے عاری سفید ناخن۔شاید اسے نیل پالش کی ضرورت بھی نہیں تھی۔اس قدر خوبصورت ہاتھوں کوکسی بھی میک اپ کی ضرورت نہیں تھی۔اسے قدرت نے ہی بہت خوبصورت بنادیا تھا۔اب بیرونی خوبصورتی کوئی معنی ہی نہیں رکھتی تھی۔کنو بالکل ہی ایسی تھی اسے میک اپ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔اس کا رنگ بھی سفید تھا اورہونٹ بھی سرخ تھے۔میں اپنی پوری سروس کے دوران ہمیشہ عورت سے دور رہا تھا۔یورپ کی انتہائی خوبصورتی اورآزاد معاشرے میں رہتے ہوئے بھی میں نے ہمیشہ احتیاط کی تھی۔مجھے خوبصورت سے خوبصورت لڑکی بھی کبھی اٹریکٹ نہیں کرتی تھی۔لیکن پتہ نہیں کیوں کنو میں ایک عجیب سی کشش تھی۔اسے بننے سنورنے کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلکل پتہ نہیں تھا۔ وہ کپڑے بھی نارمل سے پہنتی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ خوبصورت تھی۔ اتنی خوبصورت کہ اس کے لیے لوگ جان بھی دے سکتے تھے۔ بلکل شہزادیوں کی طرح حسن جو بڑی بڑی ریاستوں کے راجے مہاراجوں کو بھی لڑنے اور مرنے مارنے پر مجبور کر دے۔ کنو آپ کو انگلش تو آتی ہے نہ میں نے اس سے پوچھا۔ جی جی میں نے کمپیوٹر سائینس میں ماسٹر کیا ہوا ہے۔ اب انڈیا میں کمپیوٹر سائنس انگلش میں ہی ہوتی ہے۔ ہندی زبان میں تو نہیں ہوتی اس نے مذاق سے کہا۔ سوری یار میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ ورنہ آپ تو شکل سے ہی پڑھی لکھی لگ رہی ہو۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ راضی صاحب چہرے پر مت جاؤ یہ چہرے بہت دھوکہ دیتے ہیں۔ اس نے فلسفیانہ انداز سے کہا۔ اچھا تو میں ایک بار پھر سوری کہہ دیتا ہوں۔ آپ کو انگلش آتی ہے تو آپ آسانی سے ویٹریس بن سکتی ہیں۔ جرمن زبان انگلش سے بہت ملتی جلتی ہے۔ بلکل ہندی اور پنجابی کی طرح آپ کو دو تین مہینوں میں ہی جرمن زبان آجائے گی۔ میں نے بات بدلتے ہوئے کہا۔ کنو کی آج مجھ سے پہلی ملاقات تھی میں زیادہ تعریف نہیں کر سکتا تھا۔

وہ مجھ سے متنفر بھی ہو سکتی تھی۔ اگر آپ مجھے جرمن زبان سکھاو گے تو میں کام بھی سیکھ جاؤں گی اور جرمن بھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ شاید اسے میرا معذرت کرنا پسند آ گیا تھا۔ یا پھر وہ اپنے کسی اندرونی زخم پر ہنسی تھی۔ یہ درد ہی تو تھا اس کے ایک طرف بھیڑیوں کی ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ جنہوں نے اس کے جسم کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ جبکہ دوسری طرف ریسٹورینٹ کے اندر انسانیت تھی۔ ریسٹورنٹ کے اندر اسے عزت دی جا رہی تھی۔ میڈم اسے چھوٹی بہن کہتی تھی تو بھاٹیہ صاحب بھی اس کی ایک فیملی ممبر کی طرح عزت کرتے تھے۔ جبکہ باقی سٹاف بھی اس کی عزت کرتا تھا۔ ہر عورت کو تعریف سننا اچھا لگتا ہے لیکن اگر تہذیب ایک دائرے میں رہ کر کی جائے۔ عورت کو ہمیشہ ایک کندھے کی ضرورت رہتی ہے۔ مرد بات کرتے ہیں بھول جاتا ہے جبکہ عورت بہت آگے تک سوچتی ہے۔ مجھے اس کی ہنسی کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ لیکن اس کی ہنسی بہرحال بہت خوبصورت تھی۔ اور مجھے اس سے آگے سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی۔ راضی صاحب آپ ایسے ہی لوگوں کے چہروں کو گھورتے رہتے ہیں کنو نے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے ٹوکتے ہوئے کہا۔ میں اس کے چہرے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ اوہ نہیں ایسے ہی میں کچھ سوچ رہا تھا۔ مجھ سے کوئی بھی بہانہ نہیں بن رہا تھا۔ آپ ایسا کریں باہر آجائیں اور ٹیبل پر جانے اور گاہکوں سے بات کرنے کی کوشش کریں۔ زیادہ رش نہیں ہے صرف دو ہی ٹیبل ہیں۔ میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔ میں نے اسے بار سے باہر آنے کا کہا تو وہ باہر آ گئی۔ اتنی دیر میں کچن کا آرڈر بھی تیار ہو گیا۔ ایک ٹیبل تو ابھی تک کھانا کھا رہی تھی جبکہ اب دوسری ٹیبل کا کھانا بھی تیار ہو گیا۔ میں نے کنو کو ساتھ لیا اور ہم دونوں کھانا سرو کرنے لگے۔ میں نے پہلے پلاتے جلائے اور انہیں ٹیبل پر رکھ کر گاہکوں کو پلیٹیں دینے لگا۔ پلاتے چھوٹے چھوٹے چولھے ہوتے ہیں جن کے اندر چھوٹی موم بتی لگائی جاتی ہے جبکہ اوپر لوہے کی جالی ہوتی ہے۔ کھانا پیتل کی کٹوریوں میں دیا جاتا ہے۔ جسے ان پلاتوں کے اوپر رکھا جاتا ہے۔ جبکہ چاول الگ برتن میں دیے جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی پیتل کی کٹوریاں ہوتی ہیں۔ جن پر کنڈے لگے ہوتے ہیں۔ گاہک پلیٹ میں چاول نکالتا ہے اور کٹوری سے اپنی ضرورت کے مطابق سالن نکالتا ہے۔ جسے چاول یا نان کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ پلاتے کے اوپر رہنے کی وجہ سے سالن گرم رہتا ہے۔ اور گاہک آرام سے کھانا کھاتے رہتے ہیں۔ پلیٹیں دینے کے بعد ہم دونوں نے کچن سے کھانا لیا اور اسے ٹیبل پر سرو کرنے لگے۔ ہم نے سارا کھانا پلاتوں کے اوپر رکھ دیا تو میں نے ایک آخری نظر ٹیبل پر ماری۔ ہر چیز موجود تھی میں نے گاہکوں سے مزید کسی چیز کا پوچھا۔ انہیں مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ گوٹن اپیٹیٹ میں نے ان سے کہا اور واپس کاونٹر کی طرف آ گیا۔ کنو ادھر کاونٹر پر ہی رک گئی جبکہ میں کچن کی طرف چلا گیا۔ راضی استانی ہے تمہاری یاد رکھنا۔ استاد ضلع سنگھ مجھے دیکھتے ہی میری طرف آیا اور مجھے سمجھانے لگا۔ استاد جی سچی بات بتاؤں تو ہم میں سے کوئی بھی اس کے قابل نہیں ہے۔ یار اتنی خوبصورت لڑکی تو پورے جرمنی میں نہیں ہے اور تم اسے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں نے صاف گوئی سے کہا۔ استاد جی کنو کا خیال چھوڑ دو اور کوئی نارمل سی لڑکی تلاش کرو۔ یہ کبھی بھی آپکے ہاتھ نہیں آئے گی کیوں ٹارزن۔۔ یار امرتسر کے لوگ اتنے بھی خوبصورت ہوتے ہیں اس بار میں نے ٹارزن کی چھوٹی سی توند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا قد 6 فٹ کے قریب تھا اور وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کافی ہینڈسم نوجوان تھا۔بس اس کا صرف تھوڑا سا پیٹ ہی باہر نکلا ہوا تھا۔جو اس کی مردانہ وجاہت کو کافی متاثر کرتا تھا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں ضلع سنگھ 5 فٹ کا چھوٹا اور گول مٹول سا لڑکا تھا۔ ہریانہ کے رہنے والے استاد ضلع سنگھ کا رنگ بھی کافی کالا تھا۔ چھوٹا قد موٹا جسم اور کالا رنگ وہ کسی بھی طرف سے کنو کے قابل نہیں تھا۔ وہ کنو کے ساتھ کھڑا دیو ہی لگتا تھا۔سکھا بھی کافی ہینڈسم تھا جبکہ میں بھی خوش شکل تھا۔لیکن ہم سب میں سے ٹارزن ہی زیادہ ہینڈسم تھا۔ وہ کنو کے شہر سے بھی تھا۔امرتسر والے شاید سارے ہی خوبصورت ہوتے ہیں۔ مجھے ٹارزن سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔لیکن بہرحال کنو کی ٹارزن کے ساتھ جوڑی کافی اچھی لگتی۔ کنو بہت خوبصورت تھی۔ مجھے میرا ڈیپارٹمنٹ گرل فرینڈ یا بیوی رکھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ میں کسی لڑکی کو اپنے فلیٹ میں لے کر نہیں جا سکتا تھا۔لیکن گھر سے باہر تو دوستی رکھ سکتا تھا۔ مجھے گرل فرینڈ کی نہیں ایک اچھے دوست کی ضرورت تھی۔ کنو بہت اچھی دوست ثابت ہو سکتی تھی۔ راضی یار مجھے ایک کوشش تو کرنے دو شاید وہ مان جائے۔ یار استاد کا اتنا حق تو بنتا ہے نہ ضلع سنگھ اب مجھے ایموشنل بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ٹھیک ہے استاد جی آپ کوشش کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کنو اگر آپ سے متاثر ہو جاتی ہے تو مجھے خوشی ہو گی۔ میں نے آرام سے کہا۔ ٹھیک ہے تو پھر موقع بھی تو دو ناں۔

بغیر موقع کے میں کیسے امپریس کر سکتا ہوں۔ استاد نے مصنوعی غصے سے کہا۔آ جاؤ استاد جی بار پر آ جاؤ اور بار پر پڑے ہوئے گلاس بھی صاف کر دو اور کنو کو ڈرنکس وغیرہ کا بھی بتا دیں۔ اس کی مدد بھی ہو جائے گی اور آپ کو موقع بھی مل جائے گا۔ میں ان کو لے کر بار پر آ گیا۔کنو بار پر آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ کنو استاد کو تو آپ جانتی ہی ہیں یہ اس ریسٹورنٹ میں سب سے پرانے ہیں۔انہیں کچن اور باہر بار سب کا پتا ہے۔ یہ ہر جگہ ہر کام کر چکے ہیں۔آپ ان سے کچھ سیکھنے کی کوشش کریں میں نے استاد کو بھی بار پر کھڑا کر دیا۔اور خود دوسری طرف گاہکوں کے پاس چلا گیا۔پہلی ٹیبل والوں نے کھانا کھا لیا تھا میں نے ان کے آگے سے خالی برتن اٹھائے اور ان سے سویٹ ڈش یا چائے کافی کا پوچھنے لگا۔ایک گاہکوں کو کافی کی ضرورت تھی۔ میں نے کافی کی پرچی کاٹی اور اسے بار پر موجود کنو کو پکڑا دیا۔کافی بار پر ہی بنائی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جاتی تھی۔ بلکہ جرمنی میں موجود سبھی رسٹورنٹ میں کافی ہمیشہ کاؤنٹر پر ہی بنائی جاتی ہے۔ گاہک سے آرڈر لینے کے بعد پہلے پرچی کاٹی جاتی ہے پرچی کے اوپر کافی کی قسم اور نمبر ہوتا ہے۔ کھانا بھی نام اور نمبر کے حساب سے ہی ہوتا ہے۔ انڈین کھانوں کے نام کافی مشکل ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں یاد کرنا مشکل ہوتا ہے۔ گاہک ہمیشہ کھانے کا نمبر ہی یاد رکھتا ہے اور آرڈر بھی نمبر سے دیتا ہے۔ ویٹر اس نمبر کو مشین میں پریس کرتا ہے تو پرچی پر کھانے کا نام اور نمبر دونوں لکھے آجاتے ہیں۔ کچن میں باورچی نام دیکھ کر کھانا بناتا ہے جبکہ ویٹر نمبر دیکھ کر مطلوبہ کھانا گاہک کو صرف کرتا ہے۔ ویٹر کو کھانوں کے نام اور نمبر دونوں زبانی یاد ہوتے ہیں۔ کنو کو ابھی کولا فانٹا اور جوس وغیرہ کا تو پتہ چل گیا تھا لیکن کافی ابھی وہ نہیں بنا سکتی تھی۔ میں نے استاد کو اشارہ کیا تو وہ کنو کو کافی بنانے میں مدد کرنے لگا۔ وہ کافی بھی بنا رہا تھا اور ساتھ میں کنو کو کافی کی مختلف قسمیں بھی بتا رہا تھا۔ پاکستان اور انڈیا میں زیادہ تر چائے ہی استعمال کی جاتی ہے۔ جبکہ کافی کی بھی ایک یا دو ہی قسمیں ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں جرمنی میں درجنوں اقسام کی کافی استعمال ہوتی ہے۔ پورا یورپ ہی کافی شوق سے پیتا ہے اور اسی حساب سے کافی کی اقسام بھی کافی ساری ہیں۔ استاد اس کو امپریس کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ کافی تیار ہوئی تو میں نے کافی ان سے لی اور جا کر گاہک کو دینے چلا گیا۔ کافی دینے کے بعد میں واپس آنے کی بجائے ریسٹورنٹ سے باہر چلا گیا۔ میں بیرونی دروازے کے ساتھ ہی کھڑا ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ وی گیٹس راضی سامنے سڑک پر ایک نوجوان جوڑا گزر رہا تھا انہوں نے مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ کے نزدیک ہی دو گلیاں چھوڑ کر رہتے تھے۔ میں ان سے حال چال پوچھنے لگا وہ دونوں ہمارے مستقل گاہک تھے اور اکثر ریسٹورنٹ میں آتے جاتے رہتے تھے۔ میں کوئی دس منٹ تک ان کے ساتھ ہی گپ شپ لگاتا رہا اس کے بعد واپس اندر آ گیا۔ استاد اندر کنو کے ساتھ گپ شپ لگا رہا تھا۔ میں نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دیا۔ میں نے بھی جوابی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی اور کھانا کھانے والی ٹیبل پر چلا گیا۔ وہ لوگ ابھی کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے ان سے مزید کسی چیز کا پوچھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے منع کر دیا۔ یورپ میں مزدور اور مالک تقریباً برابر ہی ہوتے ہیں۔ مزدور کی تنخواہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں کام کی بھی کوئی پرابلم نہیں ہوتی ایک کام چھوٹ جائے تو دوسرے دن ہی دوسرا کام مل جاتا ہے۔ جرمنی میں کام بہت زیادہ ہے اور مزدوروں کی کمی ہے۔ یہاں کام کے لیے ایک اچھا مزدور یا نوکر ملنا ایک نعمت سمجھا جاتا ہے۔لوگ کام کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ یہاں سبھی کام کرتے ہیں۔ 18 سال سے نیچے بچے کو کام نہیں کرنے دیا جاتا۔اس معاملے میں جرمنی بہت سختی کرتا ہے۔ اگر کسی فیکٹری سے کوئی بچہ کام کرتا ہوا پکڑا جائے تو اسی وقت فیکٹری سیل ہوجاتی ہے جبکہ مالک جیل چلا جاتا ہے۔ جرمنی چائلڈ لیبر کے معاملے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا۔ یہاں 18 سال سے اوپر سبھی کام کرتے ہیں۔ کام تلاش کرکے دینا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہاں ہر شہر میں ایک جاب سنٹر ہوتا ہے۔ مالکوں کو جتنی مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ جاب سنٹر والوں کو اطلاع کرتے ہیں۔ اور جاب سنٹر والے آگے بے روزگار نوجوانوں کو انٹرویو کے لئے بھیجتے ہیں۔ بے روزگاری کی صورت میں مکان کا کرایا بمع بجلی اور پانی کا بل حکومت ادا کرتی ہے۔ جبکہ علیحدہ ایک ہزار یورو کے قریب ماہانہ بے روزگاری الاؤنس بھی دیتی ہے۔ کام چھوٹ جانے کی صورت میں شہری اپنی قابلیت اور تعلیمی اسناد وغیرہ جاب سنٹر والوں کو فراہم کرتے ہیں اور جاب سنٹر والے آدمی کی قابلیت کے مطابق کام ڈھونڈ کر دیتے ہیں۔ یہاں بیس فیصد کے قریب انکم ٹیکس ہوتا ہے۔ جبکہ 17 فیصد کے حساب سے جی ایس ٹی وصول کیا جاتا ہے۔ جرمنی میں بینک ماہانہ سود یا منافع دینے کی بجائے الٹا پیسے وصول کرتے ہیں۔

یہاں بینک میں کھاتا رکھنے کی صورت میں ماہانہ سات یورو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ یعنی اکاؤنٹ کھلواؤ تو بینک آپ سے ماہانہ سات سو روپے وصول کرے گا۔ جرمن آئی ڈی کارڈ پر پچاس لاکھ روپے تک قرض لیا جاسکتا ہے۔ یہ قرضہ ہر کوئی لے سکتا ہے اس کے لیے کسی گارنٹی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ گورنمنٹ شہری کی تنخواہ سے پیسے کاٹتی ہے یا پھر بے روزگاری الاؤنس کی صورت میں صرف دو تین سو روپیہ دیتی ہے اور باقی قرض کی مد میں کاٹ لیتی ہے۔ جرمنی میں کوئی غریب نہیں ہے یہاں کی سڑکوں پر آپ کو کوئی بھکاری نظر نہیں آئے گا۔ یہاں کا بے روزگاری الاؤنس ہی ایک ایک لاکھ روپے سے اوپر ہوتا ہے تو پھر بھیک کون مانگے گا۔ یہاں تو اشارے پر کاروں کے شیشہ تک صاف نہیں کرنے دیئے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جاتے۔پولیس انتہائی سخت ہے یہاں کسی فقیر کو مانگنے کی اجازت نہیں ہے۔جرمنی تو مہاجرین کو بھی ماہانہ 40 ہزار روپے سے اوپر نقد ادا کرتا ہے جبکہ مکان کے کرائے وغیرہ الگ سے گورنمنٹ ادا کرتی ہے۔ جرمنی میں مالک اور مزدور دونوں کو ایک جیسے حقوق حاصل ہیں۔ یہاں مزدور کی عزت کی جاتی ہے لوگ ویٹر سے بھی محبت سے پیش آتے ہیں۔ میں دوسری ٹیبل پر چلا گیا ان کو بل کی ضرورت تھی۔ میں نے کاؤنٹر پر جا کر ان کا بل بنایا اور جا کر ان کے ٹیبل پر رکھ دیا۔سر کھانا آپکو پسند آیا ہے میں نے مسکراتے ہوئے ان سے پوچھا۔ ھاں ھاں بہت اچھا کھانا تھا۔انڈین کھانا ہم لوگ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔آپ انڈیا کی کس ریاست سے ہو انہوں نے کھانے کی تعریف کی اور مجھ سے میرا شہر پوچھنے لگے۔میں ویسٹ انڈیا کی ریاست راجستھان سے ہوں میں نے مختصر جواب دیا۔میں انڈین ریاست راجستھان کے دوسری طرف پاکستانی چولستان میں رہتا تھا۔ راجستھان بارڈر کے دونوں طرف تھا۔ آنے والے گاہک انڈین کھانا کھانے اور انڈین لوگوں سے گپ شپ لگانے آتے تھے میں انہیں کبھی بھی پاکستان کا نہیں بولتا تھا۔ مالک منع تو نہیں کرتا تھا اسے پاکستان بتانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔لیکن مجھے خود ہی اچھا نہیں لگتا تھا۔گاہک انڈیا کی معلومات نیٹ پر پڑھ کر پوچھنے اور گپ شپ کے لیے آتے ہیں تو میں آگے سے انہیں پاکستان نہیں بتا سکتا تھا۔ یہ بزنس ہے۔آنے والا گاہک ہی سب کچھ ہوتا ہے۔آپ اسے کھانا بھی اچھا دیتے ہیں اور اسے سروس بھی پکی انڈین دی جاتی ہے۔تا کہ وہ خوش ہو کر دوبارہ آئے۔ مجھے انڈیا کے سبھی شہروں کی معلومات تھیں اور میں گاہکوں کو ایک گائیڈ کی طرح ہی معلومات دیتا تھا۔شاید میرے کچھ قارئین میری بات سے اختلاف کریں لیکن میں یہی صحیح سمجھتا ہوں۔ مجھے ایک انڈین مالک تنخواہ دیتا ہے۔اس نے برسوں کی محنت اور پیسے سے کارلسروہے میں انڈین نام پیدا کیا ہے۔میرا کوئی حق نہیں ہے اس نام کو خراب کرنے کا۔ وہ مجھ پر اعتماد کرتا تھا تو مجھے بھی اس کے اعتماد پر پورا اترنا تھا۔اس سے میرے ملک کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا۔ پاکستانی ریسٹورنٹ میں انڈین سٹاف بھی پاکستانی ہی بولتے ہیں۔اچھا تم راجستھان سے ہو کون سے شہر سے ہو اس بار عورت نے مجھ سے پوچھا۔ وہ میاں بیوی اور ان کے دو بچے تھے۔ میں بیکانیر سے ہوں میں نے اس بار دوبارہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مختصر کہا۔انڈین شہر بیکانیر اور پاکستانی شہر بہاولپور بالکل آمنے سامنے ہیں۔دونوں شہروں کے درمیان دوسوکلومیٹر کا فاصلہ ہے۔اور دونوں ہی بارڈر سے سوسوکلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔میرا گاوں انڈین بارڈر صرف پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔میں آنے والے گاہکوں کو زیادہ تر بیکانیر کا ہی بولتا تھا۔یورپ اور امریکا میں انڈین ریاست راجستھان کافی مشہور ہے۔ہم جے پور تک گئے ہیں بیکانیر جے پور سے کس طرف ہے۔اس بار بھی عورت ہی پوچھ رہی تھیں جبکہ باقی دلچسپی سے سن رہے تھے۔بیکانیر جے پور سے مغربی طرف پاکستانی بارڈر کے بالکل قریب ہے۔ہوں آپ پاکستان بارڈر پر رہتے ہیں بارڈر پر تو حالات کافی خراب ہوتے ہیں۔وہ لوگ 2000 سے پہلے اپنی شادی کے فورا بعد انڈیا گئے تھے۔اس وقت پاکستان اور انڈیا کے حالات کافی خراب ہے۔جس وقت وہ جرمن جوڑا انڈیا گیا تھا اس وقت پاکستان سے انڈیا کے حالات کافی کشیدہ تھے۔اس لیے وہ اسی تناظر میں بات کر رہی تھی۔نہیں میم ابھی پرسکون حالات ہیں۔ بلکہ پاکستان اور انڈیا کے درمیان زیادہ تر پرسکون حالات ہی رہتے ہیں۔وقتی طور پر چار دن حالات خراب ہوتے ہیں لیکن اس کے بعد دوبارہ نارمل ہو جاتے ہیں۔جی جی ابھی تو میں نے بھی کوئی خبر نہیں سنی ہے۔پاکستان بہت اچھا ملک ہے۔ہم انڈیا سے پاکستان بھی گئے تھے لیکن صرف ایک دن ہی لاہور میں رہے تھے۔ہم دونوں بس کے ذریعے انڈیا سے لاہور گئے تھے۔ لاہور بہت خوبصورت اور اچھا شہر ہے۔عورت اب پاکستان کی تعریف کر رہی تھی۔لاہور کے لوگوں کے رنگ بھی صاف اور گورے تھے جبکہ وہاں پینٹ شرٹ اور جینز میں لڑکیاں بھی گھومتی تھیں۔بلکل یورپی ماحول تھا اس بار مرد نے گفتگو میں حصہ لیا۔ہم لوگ تو پاکستان کو ایک پرانا بیک ورڈ سا ملک سمجھتے تھے لیکن وہ کافی ایڈوانس ہیں۔بہت محبت کرنے والے لوگ ہیں۔

لاہوریے دکاندار تو ہمیں مہمان سمجھ کر پیسے تک نہیں لیتے تھے۔عورت نے اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔جی میم یہ حقیقت ہے انڈیا اور پاکستان میں سب سے مشہور ترین شہر لاہور ہی ہے۔ لاہوری بہت بڑے دل کے مالک ہوتے ہیں۔ان کے اندر نفرت بالکل نہیں ہوتی۔انڈیا سے ہر سال ہزاروں سکھ لاھور جاتے ہیں اور واپسی پر ڈھیروں محبت لے کر آتے ہیں۔دونوں ملکوں میں کتنی بھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دشمنی چل رہی ہوں لاہوریوں پر کبھی اس دشمنی کا اثر نہیں ہوتا۔ مجھے اپنے ملک کی تعریف کرتے ہوئے مزہ آرہا تھا۔ ان لوگوں نے میری بات سے اتفاق کیا۔ میں نے ان کے سامنے بل رکھ دیا تھا مرد نے بل دیکھ کر رقم ادا کی اور ساتھ میں بھاری ٹپ دے دی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور واپس آ گیا۔ جرمنی میں ٹپ دینے کا رواج ہے فاسٹ فوڈ کی دکانوں کے علاوہ۔۔۔۔وہاں سیلف سروس ہوتی ہے گاہک کاؤنٹر پر جا کر کھانا لیتے ہیں۔۔۔سبھی ریسٹورنٹس اور کافی شاپ پر ٹپ لازمی دی جاتی ہے۔ یہ پچاس سینٹ سے لے کر دو چار یورو یا اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں ٹپ نہ دینا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ چاہے کچھ سینٹ ہی کیوں نہ ہو ٹپ لازمی دی جاتی ہے۔ استاد ضلع سنگھ ابھی تک کنو سے گپ شپ لگا رہا تھا۔ میں نے کاؤنٹر پر جا کر کنو سے ایک گلاس پانی کا مانگا اور اسے پینے کے بعد دوسری ٹیبل پر چلا گیا۔ دوسری ٹیبل والوں نے بھی کھانا ختم کر لیا تھا میں نے ان کے آگے سے خالی برتن اٹھائے انہیں مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے ان کا بھی بل تیار کیا اور اسے لے کر ان کے پاس چلا گیا۔ یہ انڈین فیملی چنئی سے تھی۔ چنائی کا پرانا نام مدراس ہے۔ بہت اچھی فیملی تھی انہوں نے پیسے ادا کیے اور اٹھ کر چلے گئے۔ ابھی ریسٹورنٹ میں کوئی بھی گاہک نہیں رہ گیا تھا میں نے ٹیبل پر پڑا ہوا گندا کپڑا اٹھایا اور ادھر تازہ کپڑا اچھا کر بار پر آ گیا۔ استاد جی آپ اب بار صاف کر کے بند کر دو ابھی مزید کوئی اور گاہک نہیں آئے گا۔ میں بھی مزید پندرہ منٹ اور دیکھتا ہوں اور پھر ریسٹورنٹ بند کر دوں گا۔ میں نے استاد سے بار کلوز کرنے کے لئے کہا اور خود ایک چکر کچن کا لگانے چلا گیا۔ میں ان کو بھی کچن کلوز کرنے کا بولنے لگا۔ راضی بھائی آپ گھر فون کر کے کھانے کا پوچھ لیتے ہیں اس حساب سے روٹی لگا دیتا ہوں ٹارزن تندور پر کھڑا تھا۔ مالک کا گھر ریسٹورنٹ کے ساتھ ہی دو گھر چھوڑ کر تھا۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں ایک پراگ میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی تھی جبکہ دوسری اکنامکس کر رہی تھی۔ وہ تین لوگ تھے۔ کھانا ان کا ریسٹورنٹ سے ہی جاتا تھا۔ لیکن پھر بھی ہمیں ایک بار فون کر کے پوچھنا پڑتا تھا۔ امیر لوگ تھے روزانہ ریسٹورنٹ سے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ وہ یورپین اور چائنیز کھانا بھی شوق سے کھاتے تھے۔ اس لیے ہمیں فون کر کے پہلے پوچھنا پڑتا تھا کہ وہ ریسٹورنٹ سے کھانا کھائیں گے یا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہیں باہر سے منگوا لیں گے۔ میں نے فون کر کے گھر سے کھانے کا پوچھا لیکن وہ باہر کسی دوسرے ریسٹورنٹ سے کھانا کھا کر آ گئے تھے۔ انہوں نے مجھے کھانا بھیجنے سے منع کر دیا۔ نہیں گوپال کھانا گھر نہیں جائے گا تم صرف اپنے لیے ہی روٹی لگا لو۔ ہم لوگ ریسٹورنٹ میں ہی کھانا کھاتے تھے۔ ادھر سے فارغ ہو کر میں نے ریسٹورنٹ کا مرکزی دروازہ بند کر دیا۔ اور ہال کی لائٹیں بھی بند کر دیں۔ ہم لوگ ریسٹورنٹ بند کر کے کچن میں ہی کھانا کھا لیتے تھے۔ کنو آپ کھانا ادھر کھائیں گی یا گھر لے کر جانے کے لیے پیک کر دیں۔ میں کنو سے پوچھنے لگا۔ نہیں میں بھی آپ کے ساتھ ہیں ادھر کھانا کھا لیتی ہوں اس نے کہا تو میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اندر کچن میں چلا گیا۔ ٹارزن نے تندور پر روٹیاں لگا دی تھی میں نے کنو کے لئے ایک کٹوری میں سالن نکالا اور ساتھ میں روٹیاں لے کر باہر آ گیا۔ میں نے کنو کا کھانا اس کے حوالے کیا اور خود استاد کو لے کر دوبارہ کچن میں آ گیا۔ ہم سارے لڑکے کچن میں ہی بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کنو کو ہمارے ساتھ کچن میں کھانے کی اجازت نہیں تھی بھاٹیہ صاحب نے منع کیا ہوا تھا۔ راضی وہ ایک لڑکی ہے فاصلہ اچھا ہوتا ہے۔ جب تک فاصلہ رہتا ہے تب تک عزت رہتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ آپ لوگوں کے ساتھ زیادہ گھلے ملے اور بعد میں کوئی پرابلم ہو۔ بھاٹیہ صاحب نے جاتے ہوئے مجھ سے کہا تھا۔ میں اس لیے اس کا کھانا باہر بار پر ہی دے آیا تھا۔ دس پندرہ منٹ تک ہم نے کھانا ختم کیا اور ریسٹورنٹ بند کر کے باہر آ گئے۔ ہم سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے کنو کو لینے کے لیے ابھیجیت کار پر آیا تھا۔ میں نے خوش اخلاق سے ابھیجیت کو سلام کیا اور ان کی خیریت دریافت کر کے اپنی راہ لی۔ جبکہ کنو اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گی۔ کنو راضی سے ملی ہوں کیسا لڑکا ہے۔ ابھیجیت نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ میں ان کی باتوں سے بے خبر پیدل اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ ٹھیک ہے بہت شریف لڑکا ہے کنو نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ اسے ابھیجیت سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اس کے ماں باپ اور دونوں بھائیوں کی زندگی کی ڈور ابھیجیت کے ہاتھوں میں تھی۔

وہ ابھیجیت کے ہر حکم کو ماننے پر مجبور تھی۔ پرسوں ریسٹورنٹ سے چھٹی ہے کل اس کو اپنا نمبر دینا اور اسے کسی ریسٹورنٹ پر ملنے کا بولنا۔ پرسوں 12 بجے کا ٹائم دے دینا اور کسی بھی شخص کو اس بات کا پتہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہ چلے۔ ورنہ تم اچھی طرح جانتی ہوں میں کیا کرسکتا ہوں۔ ابھیجیت نے اسے سمجھاتے ہوئے دھمکی دینا لازمی سمجھا۔ پلیز انکل بھگوان کے لیے میں اس کے ساتھ کوئی غلط عمل نہیں کرنا چاہتی۔ مجھ میں اب مزید کوئی ویڈیو بنانے کی ہمت نہیں ہے۔ اس بیچارے کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ بھگوان کے لیے مجھ سے ایسا کام مت کرواؤ۔ کنو نے اس کے سامنے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا اسے لگا ابھیجیت اسے میرے ساتھ سلا کر خفیہ طریقے سے مذید ویڈیو بنانا چاہتا ہے۔ وہ بعد میں مجھے بھی اس ویڈیو سے بلیک میل کرسکتا تھا۔ نہیں بے بی ایسی کوئی بات نہیں ہے ہمیں راضی سے کوئی کام نہیں ہے۔ وہ ہمارے کام میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ بہت پرانا لڑکا ہے اور بہت تیز بھی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کوئی پرابلم ہوسکتی ہے۔ ہم اسے اس ریسٹورنٹ سے بھگانا چاہتے ہیں۔ تم کل راضی کو تھوڑی لفٹ کرواؤ گی تاکہ اسے لگے کہ تم اس سے امپریس ہوگئی ہو اور وہ با آسانی ہمارے جال میں پھنس جائے۔ ابھیجیت نے اس بار قدرے غصے سے کہا۔ جی جی میں آپ کا ہر حکم مانو گی بھگوان کے لیے آپ میرے گھر والوں کو کچھ مت کہنا۔ کنو اس کا غسیلا لہجہ دیکھ کر ہی لرزنے لگی۔ بے بی زیادہ پریشان مت ہوا کرو تم بہت نازک سی لڑکی ہوں ہمیں راضی سے نہیں سکھے سے کام ہے۔ تم نے راضی کو پھنسا کر کام سے نکلوانا ہے اور اس کے بعد سکھے سے دوستی لگانی ہے۔ سکھا ہی ہمارے کام آئے گا صرف پندرہ دن کی گیم ہے۔ بے بی اس کے بعد تم اور تمہارے گھر والے آزاد ہوگے تم کہیں بھی جاسکتی ہو۔ ابھیجیت اسے لے کر گھر آ گیا تھا گھر میں ایک بار پھر وہی شیطانی کھیل کھیلا گیا۔ ابھیجیت کالا سیاہ بھیڑیا تھا جو کنو کے باپ کی عمر کا تھا۔ بھیڑیا کنو کے جسم سے کھیل رہا تھا۔ لیکن وہ بے چاری سب کچھ کرنے پر مجبور تھی۔ ایسے موقع پر وہ بلکل برف کی سل بن جاتی تھی جس پر کچھ بھی اثر نہیں کرتا تھا۔ بھیڑیے نے اپنا کام ختم کیا تو کنو نے اپنے کپڑے اٹھائے اور باتھ روم میں چلی گئی۔ وہ اپنے جسم پر لگنے والی انجان گندگی کو دھو رہی تھی۔ اسکی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اس کے سر پر پڑنے والے پانی میں مکس ہو رہے تھے۔ جو اس کے پورے جسم سے ہوتا ہوا نیچے پیروں میں گرتا اور باتھ روم میں بنے ہوئے سوراخ سے باہر سیوریج کی پائپ لائن میں جا رہا تھا۔ کنو کی آنکھ سے بہنے والے آنسو کی کوئی قیمت یہاں نہیں تھی۔ وہ بے وقعت تھے اور بے وقت ہو کر ہی باہر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جارہے تھے۔ دوسرے دن کنو نے استاد کی بجائے مجھ سے نزدیکیاں بڑھانی شروع کر دیں۔ اس نے بڑی بے تکلفی دکھائی اور شام تک مجھے اپنا نمبر دے کر دوسرے دن شہر میں ملنے کے لیے بھی بلا لیا۔ کنو تمہیں لینے کے لیے جو آدمی آتا ہے وہ کون ہے میں نے اس سے پوچھا۔ میں اب اس میں ذاتی دلچسپی لینے لگا تھا۔ میں نے اسی لیے اس سے ذاتی نوعیت کا سوال کیا۔ وہ ابھیجیت وہ میرے ابو کے پرانے دوست ہیں میرے انکل ہیں بہت اچھے انسان ہیں۔ کنو نے ان کی جھوٹی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ تم کل آؤ گے یا پھر نہیں اس نے سوال کیا۔ جی جی میں ضرور آؤں گا ٹھیک بارہ بجے میں مارک پلاٹس پر پہنچ جاؤں گا تم بھی بارہ بجے پہنچ جانا میں نے جلدی جلدی کہا۔ مجھے کنو پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی تھی اس کی خوبصورتی نے پہلے دن سے ہی مجھے گرویدہ بنا لیا تھا۔ مالک نے ہمیں کنو کو تنگ کرنے سے منع کیا تھا لیکن اگر وہ خود ہی کسی سے ریسٹورنٹ سے باہر دوستی کرنا چاہتی تھی تو اس میں ان کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ میں نے اس سے دوسرے دن ملاقات کا وعدہ کیا اور ایسے ہی خوشی خوشی دن بھی گزر گیا۔ دوسرے دن ساڑھے گیارہ بجے ہی میں مارک پلاٹس پر پہنچ گیا۔ کنو ابھی تک نہیں آئی تھی میں ادھر ہی کھڑا ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ سوا بارہ بجے کے بعد جب وہ نہیں آئی تو میں نے موبائل سے اسے کال کی لیکن دوسری طرف سے کسی نے بھی اٹینڈ نہیں کی۔ میں نے دو مزید کالیں کیں لیکن اس بار بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ شاید نہا رہی ہو گی میں نے سوچا اور موبائل جیب میں ڈال کر پھر انتظار کرنے لگا۔ اس بار آدھے گھنٹے کے بعد مزید میں نے تین مس کالز کی لیکن وہ اٹھا ہی نہیں رہی تھی۔ میں نے گھر جانے کی بجائے مزید انتظار کرنا اچھا سمجھا اور ادھر ہی ایک کافی شاپ پر جا کر بیٹھ گیا۔ ایک بجے کے قریب میں نے مزید کالز کیں لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو میں واپس گھر آ گیا۔ دوسری طرف کنو کا موبائل ابھیجیت لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک بجے کے بعد میں نے کوئی مزید کال نہیں کی اس نے شام کو کنو کو اپنے ساتھ لیا اور سیدھا مالک کے گھر چلا گیا۔ پاہ جی راضی کنو کو کل سے تنگ کر رہا ہے۔ اس نے اس کا موبائل نمبر بھی لے لیا ہے اور آج سارا دن اسے کالیں کرتا رہا ہے۔ اس نے کنو کا موبائل نکالا اور اسے بھاٹیہ صاحب کے سامنے رکھ دیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ابھیجیت اور میرا مالک دونوں ہم عمر تھے۔لیکن چونکہ میرے مالک سوشلی طور پر کافی مضبوط تھے اس لیے سبھی چھوٹے اور بڑے انہیں پاہ جی ہی کہتے تھے۔ پاہ جی مینے پہلے دن ہی کہا تھا یہ بیچاری غریب لڑکی ہے لیکن عزت دار گھرانے کی ہے۔ میں صرف آپ کو بتانے آ گیا ہوں کل سے یہ کام پر نہیں آئے گی۔ ابھیجیت نے دنیا جہان کی مظلومیت اپنے لہجے میں سموتے ہوئے کہا۔کنو کیا واقعی راضی تمہیں تنگ کرر ہا ہے بھاٹیہ صاحب نے اس بار ڈائریکٹ کنو سے پوچھا۔جی پاہ جی کنو نے صرف دو الفاظ ہی ادا کیے وہ بدستور نیچے زمین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کنو مجھے پوری بات تفصیل سے بتاؤ کل ریسٹورنٹ میں کیا ہوا تھا اور آج وہ تمہیں فون کیوں کرر ہا ہے۔ان کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا میں نے اس ریسٹورنٹ میں ان کے ساتھ کافی عرصہ گزارا تھا۔انہیں میرے کردار پر کبھی بھی شک نہیں ہوا تھا۔ میں نے کبھی بھی بھاٹیہ صاحب اور میڈم کے اعتبار کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی۔ پاہ جی وہ پرسوں رات سے ہی مجھ پر ٹرائی کرنے کی کوشش کرر ہا تھا۔کل بھی سارا دن جان بوجھ کر مجھے بہانے بہانے سے ہاتھ لگاتا رہا ہے۔اس نے میرے موبائل سے نمبر بھی لے لیا تھا اور مجھے کہہ رہا تھا کہ میں انکل ابھیجیت کو چھوڑ کر اس کے ساتھ شفٹ ھو جاؤں۔ پاہ جی اس نے تو کل مجھے شادی کی آفر بھی کر دی تھی۔ کنو ابھیجیت کی زبان بول رہی تھی۔ ابھیجیت نے اسے یہاں آنے سے پہلے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔اب کنو اسی کے پڑھائے ہوئے سبق کو دہرا رہی تھی۔ پاہ جی میں کل سے کام پر نہیں آؤں گی۔ جرمنی بہت بڑا ملک ہے کہیں نہ کہیں کام مل ہی جائے گا۔ وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ابھیجیت آپ لوگ بیٹھو۔ کاروبار اپنی جگہ پر ہے لیکن میں کسی غریب کی آہ نہیں لینا چاہتا۔ راضی نے اگر زیادتی کی ہے تو وہ کام پر نہیں آئے گا میں نے سب لڑکوں کو بولا ہوا ہے میں اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں کرتا ہوں۔تم کل کام پر آنا راضی کو میں ابھی جواب دے دیتا ہوں۔ انہوں نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود موبائل اٹھالیا۔ انہوں نے موبائل پر ظفر بھائی کا نمبر ڈائل کیا اور اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگے۔ ست سری اکال ظفر راضی کو فون کر کے اسے رسٹورنٹ آنے سے منع کر دوں تم کل شام کو ریسٹورنٹ آجانا میں تمہیں اس کے سارے بقایاجات دے دوں گا۔ اسے آب میرے ریسٹورنٹ پر آنے کی کوئی ضرورت نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔انہوں نے ظفر بھائی کے فون اٹھاتے ہی بات کرنی شروع کر دی۔ پاہ جی بات کیا ہوئی ہے راضی سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو میں خود اسے کان سے پکڑ کر آپ کے پاس لاؤ گے۔اور آپ کے سامنے اسے جوتے ماروں گا۔ظفر بھائی بھاٹیہ صاحب کا لہجہ سن کر پریشان ہو گئے۔ مجھے چونکہ ظفر بھائی ہی ان کے پاس کام پر لے کر آئے تھے۔اس لیے بھاٹیا صاحب نے کام سے جواب بھی ظفر بھائی کو ہی دیا تھا۔ ظفر بھائی کے بھاٹیہ صاحب سے پندرہ سال پرانے تعلقات تھے۔ میری ایک سورس کے ذریعے ظفر بھائی سے ملاقات کروائی گئی تھی۔اسی سورس نے ظفر بھائی کو میرے لئے کام ڈھونڈنے کا کہا تھا۔آئی ایس آئی بہت بڑا ادارہ ہے۔ان لوگوں نے ظفر بھائی کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں اور جلد ہی لاہور ان کے بھائی تک پہنچ گئے۔ایک جاسوس کو سپیشل ظفر کے بھائی سے ملوایا گیا۔اس نے ظفر کے بھائی کے ساتھ مل کر ایک چھوٹا سا کاروبار کیا۔چھوٹے کاروبار سے بڑا منافع بنایا گیا جس کا بڑا حصہ ظفر کے بھائی کے پاس گیا۔تین مہینے کی محنت کے بعد جاسوس نے اسے میرا بتایا۔اس نے مجھے اپنا بھائی بتایا جسے جرمنی میں کام کی تلاش تھی۔خفیہ ایجنسیاں ایسے ہی کام کرتی ہیں۔ یہ کوئی فلم نہیں ہوتی جو ایک دم تیزی سے کام ہوتے ہیں۔ایجنسیاں سالوں کی پلاننگ کرتی ہیں۔آئی ایس آئی نے بہت بڑا جال بچھایا تھا۔ظفر بھائی آرام سے اس جال میں آ گئے۔ وہ مجھے اپنے گھر لے کر آ گئے۔انہوں نے بھاٹیہ صاحب سے بات کی اور مجھے ریسٹورنٹ میں جاب مل گئی۔ جاب ملنے کے بعد میں نے علیحدہ گھر لے لیا۔تنظیم کے پاس پیسوں کی کمی نہیں ہوتی ہے ہمیں کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔لیکن جرمنی کے اندر بغیر کام کے نہیں رہا جا سکتا۔ جاب سنٹر اور سوشل ہیلپ والے ادارے بھی تنگ کرتے ہیں۔ اور بغیر کام کے رہنے کی صورت میں پیسے کی آمدن کا ذریعہ نہیں ہوتا۔ یہاں زیادہ تر ادائیگی بینک کے ذریعے ہوتی ہے۔جس کے پل پل کی خبر جرمن حکومت کو ہوتی ہے۔بغیر کسی کام کے ایجنٹ کبھی بھی چھپ کر نہیں رہ سکتا۔ایسے معاشرے میں ضم ہونے کے لیے کام کرنا پڑتا ہے۔ مجھے ظفر بھائی نے ہی کام پر لگوایا تھا۔میری کسی بھی غلطی کی صورت میں وہ ظفر بھائی کو ہی کہتے تھے۔ابھی بھی انہوں نے براہ راست مجھے انکار کرنے کی بجائے ظفر بھائی کو کہہ دیا۔انہوں نے فون پر ہی کنو کو تنگ کرنے اور بار بار

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فون کرنے کا بھی بتا دیا۔ ابھیجیت وہاں سے مطمئن ہو کر کنو کو لے کر واپس چلا گیا۔ ظفر بھائی نے فون کاٹتے ہی مجھے بھاٹیا صاحب سے ہونے والی ساری گفتگو من وعن بتا دی۔ کیونکہ آج چھٹی کا دن تھا۔

اسی لئے میں بھی ان کے ساتھ ہی چیمہ صاحب کے مکان پر بیٹھا تاش کھیل رہا تھا۔ فیاض چیمہ بہاولپور کے ہی رہنے والے تھے انہیں بھی جرمنی آئے ہوئے دو دہائیاں ہو چکی تھیں۔ یہاں کارلسروہے شہر میں ٹیکسی چلاتے تھے۔ کافی زندہ دل آدمی آئے اور یہاں کی مقامی اور پاکستانی کمیونٹی میں بہت مشہور تھے۔ انہیں کارلسروہے میں رہنے والا ہر پاکستانی جانتا تھا۔ پاکستان میں کچھ عرصہ پولیس کی سروس میں رہے تھے۔ یہاں انہیں بیس سال سے اوپر ہو گئے تھے لیکن پھر بھی ابھی تک ان کے اندر بیٹھا پولیس والا زندہ تھا۔ ان کا رویہ ابھی تک پولیس والا ہی تھا۔ ان کے لہجے کی سختی برقرار تھی۔ دل کے بہت نرم تھے کھانا بھی بہت مزہ دار بناتے تھے۔ ہمارے ساتھ چوتھا لڑکا سرفراز تھا۔ یہ گجرات کا رہنے والا تھا۔ 22 سال کا بہت خوبصورت سا لڑکا تھا۔ اس نے یہاں ایک جرمن خاتون سے شادی کر لی تھی اور اب جرمن شہریت کا انتظار کر رہا تھا۔ جرمنی میں شادی کی صورت میں پہلے پانچ سال کا اوپن ویزہ ملتا ہے۔ تین سال پورے کرنے کے بعد ہی لڑکا شہریت کے لیے اپلائی کر سکتا ہے۔ شادی کے فوراً بعد شہریت نہیں ملتی اس کے لیے کافی انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پہلے تین سال بہت سخت ہوتے ہیں اگر اس دوران عورت چھوڑ دے یا طلاق لے لے تو جرمن گورنمنٹ ویزا تو واپس نہیں لیتی لیکن پانچ سال کے بعد ویزہ نیو کر کے نہیں دیتی۔ لڑکے کو پانچ سال کے بعد جرمنی چھوڑ کر واپس جانا پڑتا ہے۔ اگر پہلے تین سال عورت کے ساتھ ہنسی خوشی نکال دیے گئے تو تین سال بعد طلاق کی صورت میں بھی ویزا ملتا رہتا ہے۔ اگر ایک بار جرمن شہریت مل جائے تو اسکے بعد کوئی پرابلم نہیں ہوتی۔ سرفراز نے شادی کر لی تھی اسے پانچ سال کا ویزہ ملا ہوا تھا۔ اور وہ اب تین سال کے بعد جرمن شہریت اپلائی کر سکتا تھا۔ مجھے تاش کھیلنے آتی تھی لیکن زیادہ شوق نہیں تھا۔ کیونکہ فیاض چیمہ ٹیکسی ڈرائیور تھا اور پاکستانی اور انڈین کمیونٹی میں کافی فعال تھا۔ اس لئے فیاض سے کافی معلومات مل جاتی تھی۔ میں اسی لیے ہر ہفتے ان کے پاس تاش کھیلنے کے لیے آجاتا تھا۔ سرفراز کو تاش کا بہت شوق تھا۔ لیکن اسے زیادہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کھیلنا نہیں آتا تھا۔ اسے کھلاڑیوں کی طرح داؤ پیچ نہیں آتے تھے۔ جبکہ چیمہ صاحب اور ظفر بھائی تو تاش کے کیڑے تھے۔ ظفر بھائی تو تاش کے باؤن پتوں کو ذہن میں رکھ کر کھیلتے تھے۔ انہیں نیچے گرنے والا ایک ایک پتا یاد رہتا تھا۔ انہیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتوں کے نمبر بھی پتہ ہوتے تھے۔ میں اور سرفراز ایک ٹیم میں ہوتے تھے اور تقریبا پوری رات ہیں ہمیں کوٹ ہوتے رہتے تھے۔ ہم ایک کوٹ کرتے تھے تو دوسری طرف سے پانچ پانچ کوٹ ہوتے تھے۔ آج بھی ہم سب فیاض چیمہ کے گھر میں ہی بیٹھے ہوئے تھے جب بھاٹیہ صاحب کا فون آیا اور انہوں نے مجھے کام سے جواب دیدیا۔ ظفر بھائی نے فون سننے کے بعد مجھے پوری تفصیل بتائی۔ راضی یہ کیا معاملہ ہے تمہیں میں نے سمجھایا بھی تھا کبھی بھی کام والی جگہ پر بغیرتی نہیں کرتے ہیں۔ گھر کے باہر جو مرضی کرو ہیں لیکن گھر میں کون ایسا کرتا ہے۔ ظفر بھائی نے غصے سے مجھے پوچھا۔ وہ ریسٹورنٹ کو گھر بول رہے تھے۔ یہ حقیقت بھی تھی۔ بھاٹیا صاحب نے کبھی ہمیں نے اپنے ملازم نہیں سمجھا تھا۔ ظفر بھائی میں نے تو کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ کنو نے خود ہی کل مجھے آفر کی تھی۔ وہ اس شہر میں نہیں تھی اسے کچھ سامان خریدنا تھا۔ اس لیے اس نے مجھے آج مارک پلاٹس پر ملنے کا کہا تھا۔ میرے ذہن میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آج بارہ بجے وہاں کھڑا اس کا انتظار کرتا رہا ہوں۔ اسی انتظار کے دوران میں نے اسے کال کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن دوسری طرف سے اس نے فون ہی نہیں اٹھایا۔ میں نے صفائی دیتے ہوئے کہا۔ کتنی بار فون کیا تھا ظفر بھائی نے مجھ سے پوچھا۔ پا جی کافی بار کیا تھا میں نے سر جھکا لیا۔ کافی بار تم نے 10 بار اسے کال کی ہے ایک یا دو بار تو مانا جا سکتا ہے لیکن دس بار تم پاگل تو نہیں ہو وہ غصے میں آ گئے۔ یار لڑکا ہے یہ اگر وہ لفٹ دے رہی تھی تو اس میں اس کا کیا قصور ہے۔ لڑکے تو ایسے ہی ہوتے ہی اسے خیال رکھنا چاہیے تھا۔ اس بار فیاض نے میری صفائی دیتے ہوئے کہا۔ نہیں چیمہ صاحب بات لڑکی اور لڑکے کی نہیں ہے۔ بات عزت کی ہے۔ ریسٹورانٹ میں صفائی کرنے والے سے لے کر مالک تک سبھی انڈین ہیں۔ یہ ان سب میں اکیلا پاکستانی اور مسلمان ہے۔ وہ سارے انڈین سکھ ہیں لیکن پوچھ لو اس سے کبھی کسی نے اسے غیر سمجھا ہو۔ کبھی کسی نے اس سے نفرت کی ہو۔ وہ اسے بھی اپنے گھر کا ایک فرد سمجھتے ہیں۔ چیمہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صاحب جب لوگ آپ کو عزت دیتے ہیں تو آپ کو بھی احتیاط کرنی چاہیے۔ اگر سکھا گروپال یا ضلع سنگھ یہ کام کرتا تو ٹھیک تھا۔ وہ سارے ایک ہی ملک کے ہیں۔ اسے یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا۔ راضی میں بیس سال سے بھاٹیا صاحب کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ میڈم اور بھاٹیہ صاحب جیسے نفیس اور پیارے انسان میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھے۔ وہ لوگ تمہیں اپنا ملازم نہیں سمجھتے تھے۔

لیکن تم نے ملازموں والا کام کیا ہے۔ ظفر بھائی کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ پاہ جی مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ یقین کریں اس نے خود ہی مجھے نمبر دیا تھا آپ ضلع سنگھ سے پوچھ لیں وہ بھی اس وقت میرے ساتھ ہی کھڑا تھا جب اس نے مجھے ملنے کا کہا تھا۔ استاد نے تو مجھے مبارکباد بھی دی تھی میں نے ماحول کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ میں کل فیکٹری سے چھٹی کر کے ریسٹورنٹ جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کیا ہو سکتا ہے۔ ضلع سنگھ نے اگر اسے تمہیں ملنے کا کہتے ہوئے سنا ہے تو امید ہے بھاٹیہ صاحب کا غصہ کم ہو جائے گا۔ اگر یہ سچ ہوا تو پتہ نہیں تم سچ بول رہے ہو یا پھر وہ کنو سچ بول رہی ہے۔ انھوں نے تاش کے پتے میز پر پھینکے اور اٹھ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہم سب بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ راستے میں ایک پبلک فون بوتھ سے میں نے ایجنسی کو فون کر کے رپورٹ دے دی۔ مجھے کام سے جواب مل گیا تھا اب ایجنسی میرے لئے نیا کام ڈھونڈتی یا پھر مجھے احکامات ملتے تو میں خود ہی نیا کام تلاش کر لیتا۔ جرمنی میں کام کی کوئی کمی نہیں تھی یہاں آسانی سے کام مل جاتا تھا۔ مجھے صرف اپنی ایجنسی سے اجازت کی ضرورت تھی۔ دوسرے دن ظفر بھائی بھاٹیہ صاحب کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے سارا الزام کنو پر لگایا اور ضلع سنگھ والی بات بھی بتا دی۔ کنو راضی کو تم نے مارک پلاٹس۔۔۔۔ کارلسروہے میں بہت مشہور جگہ ہے یہاں ریسٹورنٹ کافی شاپس اور کافی سارے بڑے شاپنگ سنٹر ہیں۔۔۔۔۔ بلایا تھا۔ بھاٹیہ صاحب نے بار پر کھڑی کنو سے پوچھا۔ نہیں پاہ جی میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ کنو نے مختصر بات کی۔ اب کیا کہتے ہو ظفر راضی نے زیادتی کی ہے۔ مجھے اس پر بہت اعتماد تھا۔ بھاٹیا صاحب نے ظفر بھائی سے پوچھا۔ پاہ جی آپ ایک بار ضلع سنگھ سے پوچھ لیں۔ اس نے کنو کو خود کہتے ہوئے سنا ہے۔ ظفر بھائی نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے اس سے بھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پوچھ لیتے ہیں انہوں نے کنو سے ضلع سنگھ کو بلانے کا کہا۔وہ کچن میں ضلع سنگھ کو بلانے چلی گئی۔ہاں ضلعے راضی کنو کو تنگ کرتا تھا مالک نے ضلع سنگھ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔جی دوسری طرف سے مختصر سا جواب ملا جسے سن کر ظفر بھائی بھی شاک ہو گئے۔کیا تم کہہ رہے ہو راضی کنو کو تنگ کر رہا تھا۔ظفر بھائی نے پوچھا ان کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔جی پاہ جی راضی کنو کو بہت تنگ کر رہا تھا اس بار اس نے پورا جواب دیا۔کیا کنو نے اسے مارک پلاٹس پر بلایا تھا کچھ سامان خریدنے کے لیے۔ظفر بھائی نے اگلا سوال کیا۔راضی کہتا ہے اس وقت تم پاس ہی کھڑے تھے جب کنو نے اس کو آفر کی تھی۔ظفر بھائی نے پوری تفصیل سے بات بتائی۔نہیں پاجی راضی ہی کنو کو زبردستی فورس کر رہا تھا۔کہ وہ کل شہر آئے وہ اسے کچھ کپڑے خرید کر گفٹ کرنا چاہتا تھا۔ضلع سنگھ نے اپنے پاس سے مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ایک بار سوچ لو ضلعے اگر تمہاری بات جھوٹ ہوئی تو تمہیں معلوم ہے تمہیں جرمنی میں اس کے علاوہ اور کہیں کام نہیں ملے گا۔تمہاری ایمیگریشن کی درخواست مسترد ہو گئی ہے۔یہاں سے چھٹی ہوئی تو تمہیں دوسری کسی بھی جگہ پر کام کی اجازت نہیں ملے گی۔جرمنی میں مہاجرین کو کام کی اجازت جاب سنٹر والے دیتے تھے جو آسانی سے مل جاتی ہے۔لیکن اگر کسی مہاجر کی پناہ کی درخواست مسترد ہو جائے تو اسے پھر کام کی اجازت نہیں دی جاتی۔جرمن حکومت پہلے سے لگا ہوا کام نہیں چھینتی صرف نئے کام کی اجازت نہیں دی جاتی۔ضلع سنگھ کی پناہ کی درخواست مسترد ہو گئی تھی۔وہ پرانا کام پر لگا ہوا تھا۔وہ صرف اسی ریسٹورنٹ پر ہی کام کر سکتا تھا جیسے ہی اس کا ادھر سے کام ختم ہوتا تو اسے کسی دوسری جگہ پر کام کی اجازت نہیں ملتی۔کیوں ضلعے سوچ لو ایک بار راضی اور کنو دونوں کے پاس جرمنی کا باقاعدہ ویزہ ہے انہیں کوئی پرابلم نہیں ہے لیکن تمہارے لیے مسئلہ بن جائے گا۔غریب مہاجر لڑکے ہو اس لیے تم پر ترس کھا کر تمہیں اس کام پر رکھا ہوا ہے۔لیکن اگر مجھے پتہ چل گیا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے تو پھر میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔بھاٹیہ صاحب نے اس بار باقاعدہ دھمکی دیتے ہوئے کہا۔ضلع سنگھ نے ایک نظر کنو کی طرف دیکھا جو پہلے ہی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔پاہ جی میں سچ کہہ رہا ہوں۔کنو اس پورے معاملے میں بے قصور ہے۔وہ عشق ہی کیا جو ایک دھمکی سے ڈر جائے اس نے دل میں سوچتے ہوئے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہا۔ وہ سچ مچ کنو سے عشق کرنے لگا تھا۔ ظفر کچھ اور پوچھنا ہے تو بولو دونوں تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔ بھاٹیہ صاحب نے ظفر سے سوال کیا۔ نہیں پاہ جی میں مطمئن ہوں ہمارے لڑکے سے ہی غلطی ہوئی ہے۔ آپ اگر معاف کر سکتے ہو تو آپ کی مہربانی ہوگی۔ اچھا لڑکا ہے بس ایک بار غلطی کر بیٹھا ہے آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دے گا۔ ظفر بھائی نے اس بار معاملے کو سلجھانے کی کوشش کی۔ ضلع سنگھ اپنا بیان دے کر واپس کچن میں چلا گیا تھا۔ ظفر معاف کرنے کا اختیار میرے پاس نہیں ہے یہ کنو کی مرضی ہے۔ وہ اگر راضی کو معاف کرنا چاہتی ہے۔

تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بھاٹیہ صاحب نے کنو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ کنو میں عمر میں تم سے کافی بڑا ہو لیکن پھر بھی راضی کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ وہ بھی معافی مانگے گا تم سے اور دوبارہ کبھی تمہیں تنگ نہیں کرے گا ظفر بھائی کنو سے معافی مانگنے لگے۔ نہیں پاہ جی معافی مت مانگو میں خود نہیں چاہتی کہ راضی کو کام سے چھٹی ہو۔ میرے انکل بہت سخت ہیں میں ان کی وجہ سے مجبور ہوں اگر آپ معافی والی بات انکل کو نہ بتائیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کنو بار سے باہر نکل کر ان کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ شیف آپ اپنے طور پر راضی کو کام پر رکھ لیں اور راضی کو بھی مت بتائیں کہ میں نے اسے معاف کیا ہے۔ پلیز میری بہت سی مجبوریاں ہیں آپ میرے انکل سے کوئی بھی بات مت کریں۔ ریسٹورنٹ کی بات ریسٹورنٹ میں ہی رہے اور یہاں کی کوئی بھی بات انکل تک نہ جائے۔ کنو نے ظفر بھائی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ سفید گورا نازک سا ہاتھ ظفر بھائی کے ہاتھ میں آیا تو کچھ پل کے لیے ظفر بھائی کی نظر بھی رک سی گئی۔ انہوں نے جلدی سے اپنی نظروں کو دوسری طرف کر لیا۔ نرم ہاتھ کا نشہ ان کے ہاتھوں میں سرایت کر رہا تھا۔ وہ نظر کو تو بچا گئے تھے لیکن گورے ہاتھوں کا لمس انہیں بہکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹھیک ہے کنو یہ بات ہم تینوں کے درمیان میں ہی رہے گی انہوں نے جلدی سے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کنو کے ہاتھ سے آزاد کروا لیا۔ کنو مطمئن ہو کر واپس بار پر چلی گئی۔ واقعی خوبصورت عورت کسی فتنے سے کم نہیں ہوتی یہ بڑے سے بڑے پرہیزگار مرد کا ایمان بھی خراب کر سکتی ہے۔ یہ کسی بھی مرد کو بہکانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ظفر بھائی بھی ایک پرہیزگار

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

انسان تھے۔ وہ یورپ کے آزاد معاشرے میں بھی نماز اور روزے کے پابند تھے۔ انہوں نے کبھی شراب نہیں پی تھی اور نہ ہی کسی غیر عورت کا خیال دل میں لاتے تھے۔ وہ اپنی بیوی اور دو خوبصورت سے بچوں کے ساتھ ایک بہترین زندگی گزار رہے تھے۔ کنو کی خوبصورتی ان کا ایمان تو خراب نہیں کر سکتی تھیں لیکن انہیں ایک جھٹکا ضرور لگا تھا۔ ٹھیک ہے ظفر تم ایسا کرو راضی کو بلا لو وہ کام پر آ سکتا ہے۔ بھاٹیہ صاحب نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ جی پاہ جی بہت بہت دھنے واد آپ کا وہ بیچارہ باہر ہی کار میں بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔ ظفر بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اچھا وہ شیطان باہر ہی بیٹھا ہوا ہے۔ بلا لو یار اسے میں بھی ادھر بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہوں۔ وہ آ کر ریسٹورنٹ سنبھالتا ہے اور ہم دونوں آج اٹالین ریسٹورنٹ چلتے ہیں۔ کافی دنوں سے اٹالین کھانا نہیں کھایا ہے۔ بلکہ تم ایسا کرو چیمہ صاحب کو بھی فون کرو سرفراز دوکان پر ہو گا جبکہ چیمہ صاحب کا تو اپنا کام ہے وہ تو آرام سے آسکتے ہیں۔ آج تینوں ہی اٹالین کھا کر آتے ہیں مالک نے اٹھتے ہوئے کہا۔ جبکہ ظفر بھائی فوراً ہی باہر چلے گئے۔ ریسٹورینٹ کے ساتھ ہی انہوں نے کار کھڑی کی ہوئی تھی جس کے اندر میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور ریسٹورنٹ آ گئے۔ سوری پاہ جی مجھ سے غلطی ہو گئی تھی میں نے مالک سے معافی مانگتے ہوئے کہا۔ کوئی بات نہیں بیٹا غلطی ہو جاتی ہے تم کنو سے معافی مانگو اس کا بہت دل دکھا ہے۔ شیف نے کنو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ کنو سوری میں اپنے رویے پر شرمسار ہوں میں نے اس سے بھی سوری کی۔ غلطی میری نہیں تھی لیکن میں پھر بھی اپنی غلطی کو مان کر معافی مانگ رہا تھا۔ جاسوسی کی کلاسوں کے دوران ہمیں یہی سکھایا جاتا ہے۔ غلطی کسی کی بھی ہو معافی مانگنے میں کبھی دیر نہیں کرنی چاہیئے اگر مخالف الزام لگا رہا ہے اور مفاہمت کا راستہ موجود ہے تو فوراً غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ لو۔ اس سے مخالف دوست بن جاتا ہے۔ لیکن آپ تو اس کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ پھر جاسوسی کی باری آتی ہے۔ مخالف کو کبھی معاف نہ کرو۔ اوپر اوپر سے تو دوستی رکھو لیکن اس کے بعد ہمیشہ اس سے ہوشیار رہو۔ ایک بار دھوکہ کھا گئے دوسری بار دھوکہ کا مطلب ہمیشہ جاسوس کی موت ہوتا ہے۔ ایک جاسوس کی چار چار آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور وہ ایک ایک پوائنٹ پر سوچتا ہے۔ میں نے بھی بظاہر کنو سے معافی مانگ لی تھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

جسے اس نے قبول کر کے مجھے معاف بھی کر دیا تھا۔لیکن میں کنو کی طرف سے محتاط ہو گیا تھا۔اس کی خوبصورتی نے کچھ پل کے لیے مجھے متاثر کیا تھا لیکن میرے اندر کا جاسوس جاگ گیا تھا میں بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔مالک اور ظفر بھائی دونوں ریسٹورنٹ سے چلے گئے تو میں بھی کام پر لگ گیا۔ابھی شام کا وقت تھا ریسٹوریںٹ میں کوئی بھی گاہک نہیں آیا تھا۔میں کاؤنٹر پر جا کر کھڑا ہو گیا۔سوری راضی مجھ سے غلطی ہو گئی تھی تمہاری کالز میرے انکل نے دیکھ لی تھیں اور وہیں مجھے لے کر بھاٹیا صاحب کے پاس گئے تھے۔کنو نے مجھ سے کہا۔تمہارے انکل کا تم سے کیا رشتہ ہے میں نے الٹا اس سے سوال کیا۔ وہ میرے ابو کے دوست ہیں اس نے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔تمہارے ابو کے دوست ہیں یا تمہارے دوست ہیں۔

میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔راضی کیا مطلب ہے تمہارا تم میرے کردار پر شک کر رہے ہو اس نے قدرے غصے سے کہا۔وہ مجھ سے اپنی نظر نہیں ملا پا رہی تھی۔کنو بات کردار کی نہیں ہے یہ تمہاری زندگی ہے تم کسی کے ساتھ بھی رہ سکتی ہو۔مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا تم پر اعتراض کرنے کا۔یہاں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں اور دونوں کو ہی اپنی زندگی اپنے مطابق جینے کا پورا حق حاصل ہے۔کسی دوسرے مرد کے ساتھ رہنے سے عورت کا کردار خراب نہیں ہوتا۔وہ کسی کے ساتھ بھی رہ سکتی ہے۔میں بس صرف یہ پوچھ رہا ہوں کہ کوئی تمہاری مجبوری کا فائدہ تو نہیں اٹھا رہا ہے۔ میں صرف یہ پوچھ رہا ہوں وہ تمہارا دوست ہے یا تمہارے ابو کا دوست ہے میں نے پوری وضاحت سے کہا۔راضی ایسی کوئی بات نہیں ہے وہ میرے ابو کے دوست ہیں اور میرے انکل ہیں۔کنو نے بات ختم کی اور اندر کچن کی طرف چلی گئی۔ضلعے میری بار پر تھوڑی دیر مدد کرو گے اس نے استاد ضلع سنگھ کو بار پر بلا لیا۔استاد جی میں آپکو دل سے اپنا استاد کہتا ہوں لیکن آپ نے اچھا نہیں کیا میں نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ظفر بھائی نے مجھے استاد کی گواہی کے متعلق بتا دیا تھا۔راضی محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔میں اس ریسٹورنٹ میں تمہاری چھٹی کروا کر تمہاری جگہ لینا چاہتی تھی یہ جنگ تھی جبکہ ضلع سنگھ نے تمہارے خلاف گواہی میری محبت میں دی ہے تمہارے خلاف ایک کی محبت کام کر رہی تھی جبکہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسرے کی جنگ۔ کنو نے استاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ استاد کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ راضی سوری تو میں نے ضرور تم سے کہا ہے لیکن مجھے اپنے کئے پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ میں نے بہر حال اس ریسٹورنٹ میں اپنے پیر سیدھے کرنے کے لیے ایک کوشش کی تھی جو ناکام ہوگئی۔ کنو نے اس بار تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ یار اپنی جگہ تو پہلے ہی میں تمہیں دے رہا تھا۔ یہاں ویٹریس کے لیے ایک لڑکی کی ہی ضرورت ہے۔ تم میری جگہ پر ویٹرس ہوتی جبکہ میں نے بار پر کام کرنا ہے۔ میری جگہ تو پہلے ہی تم نے لے لی ہے۔ بغیر کسی سازش کے میں نے اس سے کہا۔ چلو پھر غلطی ہوگئی اب دوبارہ ایسا نہیں ہوگا تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتی ہوں وہ اس کے بعد ضلع سنگھ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ریسٹورنٹ میں اکٹھے دو گاہک آ گئے میں نے کاؤنٹر چھوڑا اور ان کی طرف چلا گیا۔ گٹن مارگن میں نے انکو جرمن میں سلام کیا اور انہیں ٹیبل پر بٹھا دیا۔ دونوں الگ الگ آئے تھے اس لیے بیٹھے بھی الگ الگ ٹیبلز پر تھے۔ جب وہ آرام سے بیٹھ گئے تو میں نے جا کر ان کے آگے مینو کارڈ رکھا اور دوبارہ واپس آ گیا۔ دس منٹ بعد ہی مزید گاہک آ گئے۔ میں نے ان کو بھی بٹھایا اور انہیں بھی مینو کارڈ دے دیے۔ جبکہ پہلے آنے والے گاہکوں سے آرڈر لینے لگا۔ انہوں نے آرام سے مینو کارڈ پڑھ لیا تھا اور اب وہ مجھے اپنی پسند کا کھانا اور پینے کے لئے ڈرنک لکھوانے لگے۔ میں نے آرڈر لینے کے بعد پرچیاں بنائیں۔ اور ڈرنکس والی پرچی بار پر جب کہ دوسری کھانے والی پرچی اندر کچن میں نہیں آیا۔ استاد کو بار کا مکمل کام آتا تھا وہ ڈرنک بنانے لگا۔ وہ ڈرنک بھی بنا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ کنو کو بھی ڈرنک بنانے کا طریقہ بتا رہا تھا۔ شام تک ایسے ہی کام چلتا رہا ہے دو تین دن تک کنو نے سکھے سے میل ملاپ بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ میرے والے واقعے سے کافی ڈر گیا تھا۔ اس لیے اس نے کنو سے اپنا دامن بچانا ہی اچھا سمجھا۔ اسکی اپنی گرل فرینڈ بھی کافی خوبصورت تھی۔ جرمن لڑکی تھی اس لیے اسے شادی کا لالچ بھی تھا۔ ابھی تک تو سکھا ویزے پر ہی تھا اگر اس کی شادی اس جرمن لڑکی سے ہو جاتی تو اسے جرمن شہریت مل جاتی۔ کنو بہت خوبصورت تھی لیکن جرمن شہریت اس سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اسی لیے سکھا کوئی چانس نہیں لینا چاہتا تھا۔ کنو سکھے کے مقابلے میں مکمل ناکام ہوگئی تھی۔ ٹارزن تو ویسے ہی عورت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے بات کرتے ہوئے بھی ڈرتا تھا اسے اس پورے معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پیچھے صرف میں اور ضلع سنگھ ہی بچتے تھے۔انکل سکھا میری طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہا ہے۔اس نے تو بھاٹیہ صاحب سے میری ایک بار شکایت بھی کی ہے۔کنو ابھجیت کے سامنے بیٹھی اسے بتا رہی تھی۔ ضلع سنگھ کی کیا پوزیشن ہے ابھجیت نے اس سے پوچھا۔وہ تو بہت سادہ سا لڑکا ہے میری ہر بات مانتا ہے کنو نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے سکھے کو چھوڑ دو اور ضلع سنگھ پر فوکس کرنا شروع کر دو۔ضلع کافی پرانا لڑکا ہے وہ بھی ہمارے کام آ سکتا ہے۔اس نے کنو کو حکم دیا۔انکل وہ بہت معصوم سا نوجوان ہے آپ اس کی زندگی بھی میری طرح خراب کر دیں گے۔کنو ایک معصوم سی ہرنی کی طرح اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔اسے ضلع سنگھ کی سادگی پر ترس آ رہا تھا۔ بے بی جو بولا گیا ہے وہ خاموشی سے کرو تمہیں صرف اپنی اور اپنے گھر والوں کی فکر کرنی چاہیے۔تم صرف ضلع سنگھ کے ساتھ اپنی دوستی بڑھاؤ۔اگر اس کے ساتھ سونا بھی پڑھے تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مجھے ہر حالت میں اب ضلع سنگھ چاہیے۔

ہمارا صرف ایک کام اٹکا ہوا ہے۔تم ہمارا وہ کام کر دو اور خاموشی سے اپنی راہ لو۔تمہیں کسی دوسرے کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس نے کنو کو سمجھاتے ہوئے کہا۔انکل آپ کرنا کیا چاہتے ہیں مجھے کام تو بتا دو آپ مجھ سے یا ضلع سنگھ سے کونسا کام کروانا چاہتے ہو کنو نے اس سے سوال کیا۔تمہارے لیے ابھی اس بارے میں جاننا ضروری نہیں ہے جب وقت آئے گا تو سب کچھ پتہ چل جائے گا۔وہ اٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا جبکہ کنو ادھر ہی بیٹھی سوچتی رہی۔

برلن کے انیجئ ہاؤس میں اس وقت جرمن چانسلر اپنی پارٹی کے دیگر ممبران کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔میم انٹیلی جنس ادارے کارلسروہے کی تقریبات میں آپ کی شرکت کو سکیورٹی رسک قرار دے رہے ہیں۔کرنل پرسو نے دھیمے لہجے میں کہا۔وہ چانسلر کی سکیورٹی کا انچارج تھا۔اچھا انٹیلیجنس کی کیا رپورٹ ہے چانسلر نے ان سے پوچھا۔میم ہمیں کچھ اطلاعات ملی ہیں آپ کو کارلسروہے میں ٹارگٹ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ داعش کہ کچھ دہشت گرد کارلسروہے میں موجود ہیں۔مہاجرین کا مین بڑا کیمپ بھی شہر کے بالکل بیچ و بیچ ہیں جو پارک سے صرف دو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔کارلسروہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں آپ کا جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ داعیش آپ کو ٹارگٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہے کرنل پرسو نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔ کرنل صاحب میں کسی دہشت گرد تنظیم سے چھپ کر گھر میں تو نہیں بیٹھ سکتی۔ جرمنی اتنا کمزور ملک کا نہیں ہے۔ چانسلر نے باقی لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ صحیح بات ہے میم جرمنی کسی سے کمزور نہیں ہے۔ اگر کارلسروہے میں کوئی سکیورٹی تھریٹ ہے تو اسے ٹھیک کرنا کرنل پرسو کا کام ہے۔ نائب چانسلر ڈیوڈ تبور نے چانسلر سے کہا۔ وہ کرنل پرسو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ڈیوڈ تبور جرمن چانسلر کا نائب تھا۔ جرمن چانسلر کے بعد ملک کے زیادہ تر اندرونی معاملات وہی سنبھالتا تھا۔ وہ چانسلر کی ہی سیاسی پارٹی کا صدر بھی تھا۔ جبکہ چانسلر پارٹی کی چیئرمین تھی۔ موجودہ چانسلر کے بعد وہی چانسلر کا امیدوار تھا۔ سر ہماری ایجنسی اپنا کام کر رہی ہے ہم چانسلر کو فول پروف سکیورٹی دیں گے میں صرف انکو انفارم کر رہا ہوں۔ اس بار کافی زیادہ خطرہ ہے۔ سوئزرلینڈ کا واقعہ آپ کے سامنے ہی ہے۔ ایک آدمی کو مارنے کے لیے ان لوگوں نے پورے برن شہر کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ سر دہشتگردوں نے پولیس کی پندرہ گاڑیاں جبکہ دو ہیلی کاپٹر بھی تباہ کر دیے تھے۔ پچاس سے اوپر اور لوگ مارے گئے تھے۔ صرف ایک آدمی کو مارنے کے لیے اتنی بڑی تباہی پھیلائی گئی تھی۔ ان کے دو آدمی مرے تھے تو انہوں نے پیٹرول چھڑک کر دونوں لاشیں جلا دی تھیں۔ ان لوگوں نے اپنے پیچھے ایک بھی نشان نہیں چھوڑا تھا۔ کرنل نے حقیقت پسندانہ انداز سے کہا۔ کرنل وہ کوئی دہشت گرد تنظیم نہیں تھی۔ باقاعدہ انٹیلیجنس کی معلومات پر کمانڈو آپریشن ہوا تھا۔ وہ ادمی بی ایل اے کا سربراہ تھا اور اس کی سکیورٹی بھی ایک سیکرٹ ایجنسی دے رہی تھی۔ سوئزرلینڈ میں کوئی دہشت گرد تنظیم نہیں بلکہ خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کا حملہ تھا۔ ان لوگوں نے آپریشن کر کے اپنے دہشت گرد کو ٹارگٹ کیا تھا۔ یہاں ایسی کوئی صورت حال نہیں ہے۔ جرمنی کسی بھی علیحدگی پسند تحریک کو سپورٹ نہیں کرتا ہے۔ ہم نہ تائیوان کی حمایت کرتے ہیں نہ خالصتان کی اور نہ ہی بلوچستان کی۔ یہ ان ممالک کا اپنا داخلی معاملہ ہے۔ جب جرمنی ایسے کسی معاملے میں ملوث ہیں نہیں ہے تو ہمیں کسی ایجنسی سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ چانسلر نے کرنل سے کہا۔ انہیں سوئزرلینڈ میں ہونے والے حملے کی پوری بریفنگ دی گئی تھی۔ سوئس حکومت کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شک تھا کہ یہ حملہ آئی ایس آئی نے کیا ہے لیکن ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ سوئس حکومت نے پاکستان کے ایک بڑے دہشت گرد کو پناہ دی ہوئی تھی۔ وہ ادمی پاکستان کے ہزاروں لوگوں کا قاتل تھا۔ پاکستانی حکومت اسے ٹارگٹ کرنے کا اخلاقی جواز رکھتی تھی اور پاکستانی ایجنسی نے وہی کیا تھا۔ سوئس حکومت ناراض ضرور ہوئی تھی لیکن باقی یورپی ممالک نے پاکستان کی خاموش حمایت کی تھی۔ سکیورٹی پر موجود مرنے والے ایجنٹوں کی شناخت ہوگئی تھی۔ وہ سارے ہمسایہ ملک کے ایجنٹ تھے۔ جو سردار مہلاب کی سکیورٹی پر موجود تھے۔ سوئس حکومت کے پاس ان ایجنٹوں کی موجودگی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی واقعے کو دہشت گردی کا ایک بڑا واقعہ قرار دے کر فراموش کر دیا تھا۔ اس ایک حملے کا پاکستان کو سفارتی سطح پر بھی فائدہ ہوا تھا۔ سوئزرلینڈ میں رہنے والے دوسرے علیحدگی پسندوں کو بھی سوئس حکومت باہر نکالنے لگی تھی۔ سوئزرلینڈ میں بلوچ علیحدگی پسندوں کی ایک باقاعدہ تنظیم موجود تھی۔ جو بلوچستان کے اندر مختلف عسکری کارروائیاں کروا رہی تھی۔ اس تنظیم کی فنڈنگ باہر سے ہوتی تھی۔ سوئس خفیہ ایجنسی اب ان لوگوں کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ خفیہ پولیس کے لوگ علیحدگی پسندوں کے گھروں میں چھاپے مار کر انھیں حراست میں لے رہے تھے۔ سوئزرلینڈ اب پاکستان کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے انہیں پکڑ رہا تھا۔

تاکہ مستقبل میں ایسے حملے نہ ہوں۔ بہت بڑا واقعہ ہوا تھا لیکن اسے سنبھال لیا گیا تھا۔ میم پھر بھی ہمیں تھوڑا محتاط ہونا پڑے گا۔ کارلسروہے سے صرف دس کلومیٹر کے فاصلے پر فرانس ہے۔ اگر کوئی حملہ ہوتا ہے تو دہشتگرد پانچ منٹ میں ہی سرحد پار کر کے فرانس جا سکتے ہیں۔ دریا کے دوسری طرف فرانس میں جنگلات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ میم بارڈر کے ساتھ ساتھ کوئی پانچ سو کلومیٹر تک جنگلات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ جس میں انتہائی چھوٹے چھوٹے دیہات موجود ہیں۔ اگر کارلسروہے میں کوئی حملہ ہوتا ہے اور دہشت گرد بارڈر کراس کر کے ادھر چلے جاتے ہیں تو اس کے بعد کوئی بھی انہیں تلاش نہیں کر سکتا۔ میم جنگل کے اندر تو ہیلی کاپٹر سے بھی سرچ نہیں کر سکتے۔ نیچے سے چلنے والا چھوٹے سے چھوٹا راکٹ بھی ہیلی کاپٹر کو تباہ کر سکتا ہے۔ جبکہ گھنے جنگلات کی وجہ سے ہیلی کاپٹر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے نیچے زمین نظر ہی نہیں آتی۔ اس وقت کارلسروہے جانا ایک بہت بڑا سکیورٹی رسک ہوگا۔ باقی آپ کی مرضی ہے۔ جرمنی کے لوگ اور جرمنی کی فورس آپ سے بے انتہا محبت کرتی ہے۔ ہم لوگ آپ کے لئے جان دے سکتے ہیں۔ کرنل نے جذباتی لہجے میں کہا۔ کرنل صاحب پچھلے چار سال کی حکومت میں میں ایک بار بھی کارلسروہے نہیں گئی ہوں۔ میری پارٹی مسلسل پچھلے تین الیکشنوں میں وہاں سے جیت رہی ہے۔ اور اس بار چوتھی بار بھی ہم ادھر سے الیکشن جیتے ہیں۔ کارلسروہے چھوٹا شہر ہے لیکن ہے تو جرمنی کا ہی حصہ ناں۔ پارٹی چیئرمین کی حیثیت سے اور چانسلر کی حیثیت سے بھی مجھے ایک چکر وہاں کا لگانا چاہیے۔ اس سے کارلسروہے کہ لوگ خوش ہوں گے۔ مجھے اپنے ساتھ دیکھ کر ان لوگوں کے حوصلے بلند ہوں گے۔ میرے وہاں نہ جانے کی صورت میں ان کا مورال ڈاؤن ہوگا۔ عالمی برادری سوچے گی جرمن چانسلر ڈر گئی۔ کرنل صاحب میں ڈرپوک نہیں ہوں موت سے مجھے ڈر نہیں لگتا۔ تم اپنا کام کرو سکیورٹی کی تمہاری ذمہ داری ہے مجھے میرا کام کرنے دو۔ جرمنی کسی سے ڈرتا نہیں ہے۔ دنیا کی کوئی دہشت گرد تنظیم جرمنی کو نہیں ڈرا سکتی چاہے وہ داعش ہو یا طالبان۔ چانسلر نے مضبوط لہجے میں کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔ کرنل پرسو نے جلدی سے کھڑے ہو کر انہیں سلیوٹ کیا اور ان کے جانے کے بعد خود بھی واپس آ گئے۔ انہوں نے ایک چکر باہر ڈیوٹی پر کھڑے اہلکاروں کی طرف لگایا اور سکیورٹی کی صورتحال سے مطمئن ہو کر اپنے دفتر آ گئے۔ ان کا دفتر بھی چانسلر کی رہائشگاہ کے ساتھ ہی بنا ہوا تھا۔ یہ چھوٹا سا عارضی دفتر تھا جبکہ مرکزی دفتر پارلیمنٹ ہاؤس میں تھا۔ وہیں سے چانسلر کی سکیورٹی کو کنٹرول کرتے تھے۔ جب چانسلر چھٹی کر کے گھر آتی تو وہ بھی ان کے ساتھ ہی یہاں آتے تھے۔ گھنٹہ دو گھنٹے ادھر رکنے کے بعد وہ گھر چلے جاتے تھے۔ جبکہ ایک مستعد دستہ 24 گھنٹے چانسلر کے گھر کی حفاظت کرتا تھا۔ دوسرے دن انہوں نے اپنے نائب کو چانسلر کی سکیورٹی کا چارج دیا اور اسی دن برلن سے کارلسروہے آ گئے۔ چانسلر نے ایک ہفتے کے بعد کارلسروہے آنا تھا۔ لیکن وہ ابھی سے کارلسروہے آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ خفیہ پولیس کے پچاس کے قریب اہلکار بھی آئے تھے۔ کرنل پرسو ان کا کمانڈر تھا۔ پولیس والے مختلف شاپنگ سنٹروں ریسٹورنٹ اور دکانوں میں گھومنے لگے تھے۔ وہ ہر مشکوک نظر آنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

والے فرد کا خاموشی سے پیچھا کرتے تھے۔اس کا گھر دیکھتے تھے اور معلومات اکٹھی کر کے کرنل پرسو کو دیتے تھے۔جرمنی کی بیس فیصد آبادی غیر ملکی ہے۔جبکہ کارلسروہے میں انٹرنیشنل آئی ٹی یونیورسٹی ہونے کی وجہ سے یہ تناسب چالیس فیصد سے بھی اوپر ہو گیا تھا۔ٹوٹل جرمنی کی بیس فیصد غیر ملکی آبادی میں وہ لوگ ہیں جو دوسرے ممالک سے آ کر جرمنی میں آباد ہو گئے اور ان کے بچے بھی جرمنی میں پیدا ہو کر بڑے ہوئے۔ یہ جرمن شہری ہی ہیں جو اپنی مادری زبان عربی ہندی اردو یا ترکی بھی بولتے ہیں۔جب کہ جرمن زبان بھی وہ بہترین بولتے ہیں۔ یہ وہ مسلم جرمن شہری ہیں جو گھر میں اپنی مادری زبان بولتے ہیں جبکہ باہر سکولوں اور کالجوں میں جرمن زبان بولتے ہیں۔ایسے بے شمار مسلم نوجوان پولیس اور آرمی میں بھی تھے۔جو عربی پس منظر رکھنے والے جرمن شہری تھے۔کرنل پرسو کے سکیورٹی سکواڈ میں بھی ایسے پولیس والے موجود تھے جنہیں اس نے مہاجرین بنا کر کیمپ میں بھیج دیا۔وہ عرب مہاجرین بن کر کیمپ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ رہنے لگے۔وہ کیمپ میں جان بوجھ کر شدت پسند نظریات کا پرچار کرتے تھے تاکہ کیمپ میں موجود دہشت گردوں کو چک کیا جا سکے۔کرنل پرسو چانسلر کے لیے ایک فول پروف سکیورٹی حصار بنا رہا تھا۔کارلسروہے میں سبھی فون کال کرنے جا رہے تھے۔انٹرنیٹ کی بھی جاسوسی ہو رہی تھی۔اوپر سے بظاہر کارلسروہے شہر پرسکون نظر آ رہا تھا۔لیکن اندر خفیہ طور پر ایک طوفان مچا ہوا تھا۔پولیس اور خفیہ ادارے اپنا کام کر رہے تھے۔جبکہ دہشت گرد بھی اپنا کام کر رہے تھے۔دونوں طرف سے کام ہو رہا تھا۔کارلسروہے میں شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی۔

دونوں طرف والی پارٹیاں ایک ایک کر کے اپنے مہرے آگے کر رہی تھی۔شہباز خان بھی کارلسروہے پہنچ چکا تھا۔ایسے کارلسروہے شہر کے اندر رکھنے کی بجائے کافی دور ایک گاؤں میں رکھا گیا تھا۔یہ بادشورن بورن گاؤں تھا۔بادشورن بورن اور کرونو دو گاؤں تھے جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔دونوں دیہات کے درمیان ایک ریلوے لائن تھی جو دونوں دیہات کو علیحدہ کرتی تھی۔ ریلوے لائن فرینکفرٹ سے کارلسروہے آتی تھی۔بادشورن بورن گاؤں سے کارلسروہے تیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔جیسے ٹرین پچیس منٹ میں طے کر لیتی تھی۔فرینک فورٹ سے ہر آدھے گھنٹے بعد ٹرین

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نکلتی تھیں جو اس گاؤں سے ہوتی ہوئی آگے کارلسروہے جاتی تھی۔ کارلسروہے سے آگے یہ ٹرین فرانس کے شہر سٹراسبرگ جاتی ہے۔ جہاں سے دوسری ٹرین پیرس کے لئے نکلتی تھی۔ بادشورن بورن کافی بڑا گاؤں تھا۔ گاؤں کے اندر ایک پاکستانی پیزا شاپ بھی موجود تھی۔ دکان کا مالک پاکستانی تھا جو پیزے کے علاوہ پاکستانی روایتی کھانے بھی پیار کرتا تھا۔ بلکل چھوٹی سی دکان تھی جس کے اندر صرف تین میزیں لگی ہوئی تھیں۔ جہاں 12 کے قریب لوگ بیٹھ کر کھانا کھا سکتے تھے۔ پیزا شاپ کا زیادہ تر کام ہوم ڈلیوری ہی ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ ہی شاپ پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ زیادہ تر پیک کروا کر گھر لے جاتے ہیں یا پھر فون کر کے گھر منگوا لیتے ہیں۔ ساتھ والے دوسرے گاؤں کرونو میں دو اور پاکستانی دکانیں بھی تھیں۔ وہ اس دکان کے مقابلے میں زیادہ چلتی تھیں۔ کرونو گاؤں بادشورن بورن سے زیادہ بڑا تھا۔ پیزا شاپ کے پاکستانی مالک کا نام اعجاز تھا یہ کراچی کا رہنے والا تھا۔ اسے پیسے کا بہت لالچ تھا۔ ایک آدمی نے اسے شہباز خان کو رکھنے کا کہا تو وہ مان گیا۔ آدمی نے اسے جھوٹ بولا تھا کہ وہ شہباز خان کو انگلینڈ کی ڈنکی لگوانا چاہتا ہے۔ دو ہفتے تک وہ اس کے پاس رہتا تب تک شہباز خان کے جعلی کاغذات تیار ہو جاتے تو وہ انگلینڈ چلا جاتا۔ اتنے دن تک شہباز خان نے اس کے پاس رہنا تھا۔ پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اعجاز بھی لالچ میں آ گیا اور اس نے بغیر سوچے سمجھے شہباز خان کو اپنے پاس رکھ لیا۔ جرمنی میں کسی شخص کو اپنے پاس ٹھہرانا جرم نہیں ہے۔ اسے دو ہفتے شہباز خان کو اپنے پاس رکھنے کے 2000 یورو مل رہے تھے۔ اس لیے وہ آسانی سے مان گیا۔ اب شہباز خان اس کے گھر میں رہ رہا تھا۔ اسے ترکی سے یہاں تک لانے والے آدمی نے اسے یہاں ایک ہفتہ خاموشی سے رہنے کا بولا تھا۔ وہ ادمی شہباز خان کے ساتھ رہنے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے وہ اسی گاؤں میں ایک اور گھر میں رہ رہا تھا۔ ایک ہفتے بعد جرمن چانسلر کارلسروہے شہر آ رہی تھی۔ اسے جرمن چانسلر کو مارنا تھا۔ ایک خودکش جیکٹ بھی کارلسروہے شہر میں پہنچ چکی تھی۔ جب کہ خودکش بمبار بھی آ گیا تھا۔ شہباز خان کو جلسے والے دن خودکش جیکٹ پہننی تھی اسے چانسلر تک پہنچانے والا آدمی بھی کارلسروہے پہنچ چکا تھا۔ جیسے ہی شہباز خان چانسلر کے نزدیک پہنچتا تو وہ دھماکے سے خود کو اڑا لیتا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے ساتھ ساتھ وہ چانسلر کو بھی مار دیتا۔ دہشت گرد اپنے اپنے منصوبے بنا رہے تھے۔ کنو بھی چانسلر کو مارنے کے لیے آئی تھیں جبکہ شہباز خان بھی چانسلر کو ہی نشانہ بنانے کے لئے آیا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ دو اور حملہ آور بھی تھے۔ جن میں ایک تو مقامی ہی تھا جبکہ چوتھا داعش کا آدمی تھا۔ احمد شام کے شہر حلب کا رہنے والا تھا۔ تیس سالہ نوجوان تھا ماں باپ اور بیوی بچے اتحادی فوج کی ہونے والی ایک بمباری میں مارے گئے تھے۔ یہ اکیلا ہی بچا تھا۔ احمد کچھ عرصہ بشارالاسد کی فوج میں بھی رہا تھا بہت اچھا نشانہ باز تھا۔ اس کا نشانہ بہت پکا تھا یہ پیدائشی سنائپر شوٹر تھا۔ داعش نے اپنا اثر و رسوخ شام میں بڑھانا شروع کیا تو اس نے فوج کی نوکری چھوڑ دی اور شہر میں ہی ایک دکان کھول لی۔ اسے بشارالاسد سے اختلاف تھا۔ احمد بشارالاسد کو ناپسند کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ ملک میں اس کی حکومت ختم ہو کر نئی اسلامی حکومت قائم ہو۔ اس لیے اس نے داعش سے لڑنے کی بجائے فوج کی نوکری بھی چھوڑ دی۔ شہر پر داعش کا قبضہ ہوا تو تب بھی وہ داعش سے الگ ہی تھا۔ جب اتحادی فوج نے داعش سے شہر کا قبضہ چھڑوانے کے لیے شہر پر بمباری کی تو اس بمباری میں اسکا پورا گھرانہ مارا گیا یہ اکیلا ہی بچ گیا۔ گھر والوں کی موت نے اسے یورپ اور امریکہ سے نفرت کرنا سکھا دیا۔ وہ اپنے گھر والوں کی موت کا ذمہ دار امریکہ اور یورپی اتحاد کو سمجھتا تھا۔ اسی لیے اس نے بدلہ لینے کے لئے داعش میں شمولیت اختیار کر لی۔ کیونکہ احمد آرمی میں بھی رہ چکا تھا اس کے علاوہ اس کا نشانہ بھی بہت تیز تھا۔ احمد ایک بہترین شارپ شوٹر تھا اچھا موسم اور بہترین ماحول ہو تو وہ دوربین اور لانگ رینج رائفل کی مدد سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر بھی موجود ٹارگٹ کو بالکل درست نشانہ بنا سکتا تھا۔ وہ ایک بہترین اسنائپر شوٹرز تھا۔ جو داعش کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ داعش کے لیے ایک بہترین آدمی تھا۔

داعش سے بہت فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے اسے آگے فروخت کر دیا۔ خریدنے کی طاقت ہو تو انسان اس دنیا میں موجود تقریباً ہر چیز ہی خرید سکتا ہے۔ احمد کو خریدنے والا بہت طاقتور تھا۔ اس کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی۔ ڈیل پیسوں میں نہیں یورو میں ہو رہی تھی۔ یورو کرنسی کے نام سے ہی طاقت چھلکتی ہے۔ یورو میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ خریدنے والے نے جب داعش کے مقامی کمانڈر کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یورو کی جھلک دکھائی تو وہ فوراً ہی مان گیا۔ احمد کو پہلے بائی ائیر لیبیا لایا گیا۔ اور لیبیا سے پھر کشتی کے ذریعے اٹلی پہنچا دیا گیا۔ دو دن وہ اٹلی میں رہا اس کے بعد اسے جرمنی پہنچا دیا گیا۔ احمد کا بھی شہباز خان کی طرح جعلی پاسپورٹ بنایا گیا اور اسے بھی کارلسروہے میں ایک کمرہ لے کر دے دیا گیا۔ احمد اب کارلسروہے کے مضافات میں ایک گھر میں رہ رہا تھا۔ چانسلر کو مارنے کے لیئے تین لوگ کارلسروہے پہنچ چکے تھے جبکہ چوتھے آدمی کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا تھا۔ چوتھا آدمی مقامی تھا۔ وہ چانسلر کا بہت بڑا فین تھا وہ اور اس کی بیوی دونوں ہی چانسلر کی پارٹی کو ووٹ دیتے تھے۔ سٹیفن کی عمر 40 سال کے قریب تھی جبکہ اس کی بیوی بھی 35 سال کے قریب تھی۔ ان دونوں کی دو جڑواں بچیاں تھیں۔ دو سال عمر کی بہت پیاری پیاری بیٹیاں تھیں۔ اسٹیفن چوتھا حملہ آور تھا۔ ایک چانسلر کو مارنے کے لیے دہشت گردوں نے چار چار جال بچھائے تھے۔ یہ چاروں حملہ آور تھے۔ جنہوں نے ڈائریکٹ چانسلر کو ٹارگٹ کرنا تھا۔ جبکہ ان کے سہولت کاروں کی تعداد دو درجن سے بھی اوپر تھی۔ یہ سارے لوگ جرمن چانسلر کو مارنے کے لئے پلان بنا رہے تھے۔ سہولت کاروں نے حملہ آوروں کو چانسلر کے نزدیک پہنچانا تھا باقی آگے کا کام ان چاروں نے ہی کرنا تھا۔ ایک حملہ آور کو دوسرے حملہ آور سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ اسی طرح ایک سہولت کار کو بھی دوسرے سہولت کار سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ اس طرح کسی ایک کے پکڑے جانے کی صورت میں مشن میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی تھی۔ ایجنسی والے کسی ایک حملہ آور کو ناکام بنا بھی لیتے تو دوسری طرف سے دوسرا حملہ آور کامیاب ہو جاتا۔ دہشت گردوں نے چاروں طرف سے چانسلر کو گھیر لیا تھا۔ کرنل پرسو اور اسکی انٹیلی جنس ایجنسی سازش کو پکڑنے اور اس کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن دوسری طرف سازش کرنے والی کوئی عام دہشت گرد تنظیم نہیں تھی۔ وہ کوئی عام دہشتگرد نہیں تھے۔ بہت بڑی تنظیم تھی۔ یہ مہذب دنیا میں رہنے والے مہذب لوگ تھے۔ جو چانسلر کو ہٹانا چاہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مہاجرین سے نفرت کرتے تھے۔ چانسلر ان مہاجرین سے محبت کرتی تھیں اور انھیں پناہ بھی دے رہی تھی۔ یہی چیز وہ لوگ ناپسند کر رہے تھے۔ وہ لوگ مہاجرین کو جرمنی سے بھگانا چاہتے تھے۔ چانسلر پر حملہ بھی اسی مقصد کے لیے کیا جا رہا تھا۔ اگر کوئی مسلمان حملہ آور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کاروائی میں ملوث ہوتا تو چانسلر بھی ان کی راہ سے ہٹ جاتی جبکہ بین الاقوامی میڈیا کو بھی مسلمان مہاجرین کے خلاف بولنے کا موقع مل جاتا۔ ہماری انٹیلی جنس ایجنسی کو بھی یہ اطلاع مل چکی تھی۔ کہ کچھ لوگ چانسلر پر حملہ کر کے اسے مارنا چاہتے ہیں۔ شہباز خان ممکنہ طور پر خود کش بمبار ہو سکتا تھا۔ اس لیے پاکستان کی انٹیلیجنس ایجنسیاں بھی جرمنی میں اپنی تلاش کر رہی تھی۔ اگر شہباز خان خود کش بمبار ہوتا تو اس سے پاکستان کا بین الاقوامی امیج خراب ہوتا۔ افغانستان کے معاملے کی وجہ سے پاکستان کو پہلے بھی کافی تنقید کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ پاکستان بے قصور ہوتے ہوئے بھی بین الاقوامی برادری کی تنقید برداشت کر رہا تھا۔ شہباز خان اگر جرمنی میں خود کش حملہ کرتا تو اس سے پاکستان کا نام خراب ہوتا۔ یہی حالت انڈیا کی بھی ہو رہی تھی۔ کنوان کے ملک سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ انڈین انٹیلی جنس کو دیر ہوگئی تھی اور دہشت گرد کنو کو انڈیا سے باہر نکال کر لے گئے تھے۔ انڈیا چونکہ ایک بڑا ملک تھا اس لئے اسے زیادہ تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ لیکن پھر بھی بہت سے ممالک اسے ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ چین اور عرب ممالک انڈیا کی بجائے پاکستان کی طرف داری کرتے تھے۔ انڈیا کے پاکستان کے ساتھ تعلقات ایک بار پھر اچھے لیول پر آ گئے تھے۔ دونوں طرف سے مکمل امن تھا۔ پاکستان میں دوسری سیاسی حکومت اپنا اقتدار پورا کر رہی تھی۔ اور ساری ہی سیاسی جماعتیں انڈیا سے اچھے تعلقات کی خواہاں تھی۔ ایسے میں کنو کا انڈیا سے باہر چلے جانا کافی پریشان کن تھا۔ کنو کو اگر پاکستان کے اندر استعمال کیا جاتا تو انڈیا اور پاکستان کے اچھے تعلقات ایک بار پھر خراب ہو سکتے تھے۔ انڈیا کو کنو کی پریشانی لگی ہوئی تھی۔ جبکہ پاکستان کو شہباز خان کی پریشانی تھی۔ دونوں ملک ہی اپنے اپنے ٹارگٹ کو تلاش کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ ہم لوگ شہباز خان کو جرمنی میں تلاش کر رہے تھے جبکہ انڈیا کی سوچ پاکستان سے آگے جاتی ہی نہیں تھی۔ یہاں بھی انڈیا کی ایجنسیاں پاکستان کے اندر ہی کنو کو تلاش کر رہی تھیں۔

جبکہ کنوان سب سے دور جرمنی میں ہمارے ریسٹورنٹ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میری ایجنسی بھی اسے پاکستان میں ڈھونڈ رہی تھی جبکہ وہ میرے سامنے ہی کام کر رہی تھی۔ اسے بھی چانسلر کو مارنے کے لیے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لا یا گیا تھا۔ چانسلر کو ٹارگٹ کرنے کے لئے تین لوگ باہر سے آئے تھے جبکہ ایک آخری چوتھا آپشن بھی رکھا گیا تھا۔ سٹیفن ان کا آخری آپشن تھا۔ وہ لوگ سٹیفن کو گھیر کر اسے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہ رہے تھے۔ پچھلے ایک ہفتے سے دو آدمی مسلسل سٹیفن کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ سٹیفن کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھ رہے تھے۔ وہ کب کام پر جاتا ہے کتنے بجے کام سے واپس آتا ہے اس کی بیوی گھر میں کیا کرتی ہے۔ جڑواں بچے چونکے ابھی بہت چھوٹے تھے اس لیے وہ کام پر جانے کی بجائے گھر پر ہی رہتی تھی۔ اسٹیفن کے گھر میں آنے والے مہمانوں پر بھی نظر رکھ رہے تھے۔ اسٹیفن کارلسروہے کے سب سے بڑے ہسپتال کی ایئر ایمبولینس کا پائلٹ تھا۔ کارلسروہے شہر میں ایک ہیلی کاپٹر بھی تھا جو ایمبولینس کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسے تبھی استعمال کیا جاتا تھا جب شہر کے اندر بہت زیادہ رش ہوتا ہے۔ یا مریض شہر سے کافی دور کسی گاؤں میں ہو۔ نارمل ایمبولینس سے بہت ٹائم لگتا تھا۔ اس لیے ایمرجنسی کی صورت میں ایئر ایمبولینس کا استعمال کیا جاتا تھا۔ سٹیفن اس ہیلی کاپٹر کا پائلٹ تھا۔ وہ لوگ سٹیفن کو قابو کر کے ہیلی کاپٹر کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتے تھے۔ یہ آخری آپشن تھا۔ اگر چانسلر پہلے تین حملوں میں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتی تو انہیں اوپر ہیلی کاپٹر سے نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی۔ چانسلر کو ٹارگٹ کرنے والی بہت بڑی پارٹی تھی اور ان لوگوں کے پاس پیسہ بھی بہت تھا۔ مارنے والے بھی طاقت ور تھے اور بچانے والے بھی بہت طاقتور تھے۔ چانسلر کو آنے میں ابھی کچھ دن رہتے تھے۔ آنے والے دنوں میں ہی پتہ چلنا تھا کہ کون اس میں کامیاب ہوتا ہے۔ کیا وہ چانسلر کو مار کر اس کا الزام داعش یا دوسری دہشت گرد تنظیموں پر ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں یا پھر ناکام۔ یہ تو آنے والے دنوں کو ہی پتہ چلنا تھا۔ چانسلر بے شک ایک عیسائی خاتون تھیں۔ لیکن مہاجرین کے ساتھ کیے گئے ان کے سلوک کی وجہ سے وہ مسلمانوں میں بھی بہت مقبول تھیں۔ مسلمان بھی چانسلر پر اپنی جان چھڑکتے تھے۔ وہ بلاشبہ جرمنی اور پوری عیسائی اور مسلمان کمیونٹی کے لیے ایک ہیرو کی حیثیت رکھتی تھیں۔ مسلمان اور عیسائی دونوں طبقے بلاتفریق ان سے محبت کرتے تھے۔ ان سے محبت کرنے والے بھی بہت تھے اور نفرت کرنے والے بھی بہت زیادہ تھے۔ یہ تو اب خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ آنے والے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دنوں میں محبت کی جیت ہونی تھی یا نفرت کی۔ راضی بھائی آپ ایک بار سوچ لیتے یہ بہت خطرناک کام ہے۔ شہر کے حالات چانسلر کے آنے کی وجہ سے بہت خراب ہیں سکیورٹی انتہائی ہائی الرٹ ہے۔ ہمیں انڈر گراؤنڈ ہی رہنا چاہیے کسی بھی قسم کی جاسوسی کی صورت میں ہم جرمن ایجنسی کی نظر میں آ سکتے ہیں۔ حوالدار جمیل نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں اس وقت ایک مکڈ ونلڈ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ جمیل 25 سال کا نوجوان حوالدار تھا۔ اسے ابھی سروس جوائن کئے ہوئے صرف چار سال ہوئے تھے۔ وہ کمپیوٹر کا کیڑا کراچی کا رہنے والا تھا۔ وہ بلا شبہ ہیکنگ کی دنیا میں ایک ماسٹر کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک ہیکنگ کے دوران اسے پولیس نے پکڑ لیا تھا۔ اس نے انڈیا کے ایک نجی بینک کے سرور میں گھس کر اسے چوبیس گھنٹے تک بلاک کر کے رکھ دیا تھا۔ بینکوں کی سکیورٹی انتہائی سخت ہوتی ہے۔ بینک انتہائی بھاری رقم دے کر سکیورٹی سسٹم خریدتے ہیں۔ کروڑوں روپے سے خریدے گئے اس سسٹم کو ہیک کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ جمیل اسے ہیک کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اصل میں غلطی اس بینک میں کام کرنے والے ایک ملازم کی تھی۔ اس نے بینک کے کمپیوٹر سے ایک نجی کمپنی کو میل کی تھی۔ اس کمپنی کے سرور پر پہلے ہی جمیل کی نظر تھی۔ جیسے ہی میل آئی جمیل نے اس کا آئی پی ایڈریس دیکھا تو اسے موقع مل گیا۔ جمیل نے اسی وقت ای میل ایڈریس پر واپس اپنی وائرس والی میل بھیجی جسے اس ملازم نے رسیو کر لیا۔ یہ بہت پیچیدہ کام تھا لیکن جمیل دس سال کی عمر سے ہی کمپیوٹر ہیکنگ کر رہا تھا۔ وہ اس کام میں ماہر تھا۔ اس کو موقع ملا تو اس نے بینک کے پورے سسٹم کو ہی بریک کر دیا۔ 24 گھنٹے کی سرتوڑ محنت کے بعد سکیورٹی کمپنی نے بینک کو جمیل کے بنائے گئے وائرس سے نجات دلائی۔ سکیورٹی کمپنی جمیل کا آئی پی ایڈریس بھی ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئی جو کہ کراچی کا تھا۔ ظاہر ہے جمیل ایک ہیکر تھا جب کہ اس کے مقابلے میں پوری سکیورٹی کمپنی تھی۔ جس میں ایسے درجنوں ہیکر کام کرتے ہیں۔ وہ لوگ ہیکنگ کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جب کہ ان کے مقابلے میں جمیل نے سب کچھ اپنی ہی محنت سے سیکھا تھا۔ پتہ چونکہ کراچی کا تھا اس لیے انڈین گورنمنٹ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ سکیورٹی کمپنی واپس آ گئی تو بینک کے مالکان نے وزارت داخلہ میں اس کی رپورٹ کر دی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہاں سے شکایت پاکستانی وزارت داخلہ کو موصول ہوئیں تو کراچی پولیس نے فوری کاروائی کی اور جمیل کو گرفتار کر کے تھانے لے گئے۔ کیونکہ اس معاملے میں انڈین وزارت داخلہ کا نام آیا تھا اس لیے انٹیلی جنس ایجنسی جمیل کے کیس کو دیکھنے لگی۔ انٹیلی جنس کے ایک افسر نے تھانے میں جمیل سے تفتیش کی۔ پاکستان میں اس وقت سائبر کرائم کا کوئی باقاعدہ ادارہ موجود نہیں تھا اور نہ ہی قانون سازی کے ذریعے سائبر کرائم کی کچھ دفعات بنائی گئی تھیں۔ جج اپنی مرضی سے کیس کا معائنہ کر کے سزا سنا دیتا تھا۔ یہ زیادہ سے زیادہ دو تین سال سے زیادہ نہیں ہوتی تھیں بلکہ بعض معاملات میں جرمانہ کر کے بھی چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس دور میں سائبر کرائم کو کوئی بڑا جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ البتہ حالات مختلف ہیں۔ اب پاکستان کے اندر سائبر کرائم کا باقاعدہ محکمہ بھی موجود ہے اور سزائیں بھی بہت زیادہ دی جاتی ہیں۔ ابھی تو سائبر کرائم کے تحت چودہ پندرہ سال کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

انٹیلی جنس کے افسر نے جمیل سے ملاقات کی تو اسے جمیل کی ذہانت کا اندازہ ہو گیا۔ نیک دل افسر تھا اسے جمیل کی جوانی پر ترس آ گیا۔ ایک بہترین اور ذہین نوجوان صحیح راستہ نہ ملنے کی وجہ سے بھٹک کر دوسری طرف جا رہا تھا۔ اس نے واپس جا کر اپنے افسران کو رپورٹ کی اور ساتھ میں جمیل کی کھل کر تعریف بھی کی۔ انٹیلی جنس ادارے کے اندر تو بہت پہلے سے ہی کمپیوٹر کے ماہرین سروس کر رہے تھے۔ انٹیلی جنس کے افسران نے جمیل کو تھانے سے نکالا اور ان ماہرین کے سامنے بٹھا دیا۔ انٹرویو کے دوران ماہرین کو بھی جمیل کی ذہانت نے کافی متاثر کیا اور وہیں پر جمیل کو انٹیلی جنس میں ایک ہیکر کے طور پر نوکری دے دی گئی۔ وہ آرمی میں سپاہی بھرتی ہوا تھا اور چار سال کے مختصر سے عرصے میں ہی حوالدار تک پہنچ گیا۔ وہ اگلے سال تک نائب صوبیدار بھی بن جاتا۔ وہ مجھ سے بہت جونیئر تھا لیکن میں نے کبھی افسر والی بات نہیں کی تھی۔ میں اسے ہمیشہ اپنا بھائی ہی سمجھتا تھا۔ ہم دونوں کارلسروہے شہر میں ہی رہتے تھے۔ ہمارے اختیار میں فرینکفرٹ سے لے کر نیچے میونخ تک کا ایریا تھا۔ میونخ سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا کے بارڈر پر واقع جرمنی کا آخری سرحدی شہر ہے۔ ہمارے پاس پورا بالائی جرمنی تھا جبکہ اوپر شمالی جرمنی میں جس میں برلن اور ہیمبرگ جیسے بڑے شہر آتے تھے۔ وہاں نسبتا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

زیادہ لوگ تعینات تھے۔ بالائی جرمنی نسبتا غیر معروف علاقہ تھا اس لیے یہاں صرف دو ہی لوگ تعینات تھے۔ جبکہ شمالی جرمنی میں انٹیلی جنس کا ایک پورا ڈیسک موجود تھا۔ کسی بھی قسم کے آپریشن کے لیے ہمیں وہیں سے آرڈر بھی ملتے تھے۔ اور آدمی بھی وہیں سے ہی آتے تھے۔ راضی بھائی ایک بار سوچ لو کام زیادہ مشکل تو نہیں ہے لیکن پھر بھی شہر میں بلکل کرفیو کی سی کیفیت ہے ہم ایکسپوز بھی ہوسکتے ہیں۔ جمیل نے کافی کے کپ کو پکڑتے ہوئے کہا۔ یار جمیل میں خود بہت الجھا ہوا ہوں میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔ کنو نے پہلے مجھے اپنی طرف راغب کیا اور پھر نکلوانے کی کوشش کی اس کے بعد وہ سکھے کی طرف مائل ہوگئی اس نے سکھے کے ساتھ دوستی کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن پھر وہ استاد ضلع سنگھ کی طرف چلی گئی۔ اب وہ ضلع سنگھ کے ساتھ ہی گھومتی پھرتی ہے۔ میں نے کافی کا کپ پکڑ لیا اور ایک بڑا گھونٹ کافی کا بھر کر اسے واپس رکھ دیا۔ سر کنو اگر ضلع سنگھ کے پاس جارہی ہے اگر وہ اس سے دوستی کر رہی ہے تو اس میں پرابلم کیا ہے یہ تو نارمل ہے۔ وہ ایک لڑکی ہے اسے کسی لڑکے سے ہی دوستی کرنی ہے۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یار تم نے ضلع سنگھ کو دیکھا ہوا ہے ناں میں نے اس سے پوچھا۔ جی سر میں نے دیکھا ہے اس نے جواب دیا۔ جمیل ایسے ہی بات کرتا تھا وہ کبھی بھائی کہنے لگتا تھا اور کبھی سر کہہ کر بلانے لگتا تھا۔ اگر تم نے ضلع سنگھ کو دیکھا ہوا ہے تو پھر تم ہی بتاؤ کنو جیسی لڑکی ضلع سنگھ کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہے۔ میں نے پھر سوال کیا۔ سر اس نے پہلے سکھے پر تو ٹرائی کی تھی لیکن اس سے ناکام ہونے کے بعد ہی وہ ضلع سنگھ کی طرف گئی ہے۔ ٹارزن تو ویسے ہی عورتوں سے دور بھاگتا ہے۔ آپ چونکہ پاکستانی ہوں اس لئے آپ کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوسکتا۔ پیچھے صرف ضلع سنگھ ہی رہ جاتا ہے اس نے پوری تفصیل سے بتایا۔ یار پھر بھی ضلع سنگھ نہیں ہوسکتا۔ پانچ فٹ قد اور ایک سو بیس کلوگرام وزن کا وہ سیاہ لڑکا کسی کنو جیسی لڑکی کا آئیڈیل ہوسکتا ہے۔ اس کا تو کیس بھی مسترد ہوچکا ہے اور اس کی تنخواہ بھی سب سے کم ہے۔ جبکہ کنو کے پاس پورے پانچ سال کا ویزہ ہے اور وہ تنخواہ بھی ضلع سنگھ سے ڈبل لیتی ہے۔ جمیل بھائی اس سارے معاملے میں کہیں نہ کہیں کوئی جھول ضرور ہے۔ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ مجھے ابھجیت بھی اس کا انکل نہیں لگتا اس کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نظریں ہیں انکل والی نہیں ہیں۔اس کے کنو کے ساتھ جسمانی تعلقات ضرور ہیں۔ میں نے کہا۔سریہ کیسے ہوسکتا ہے اگراس کے ابھیجیت کے ساتھ تعلقات ہیں۔

تو وہ ضلع سنگھ کے ساتھ کیوں دوستی بڑھا رہی ہے۔کیا وہاں ابھیجیت سے جان چھڑا کر ضلع سنگھ کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ تعلقات بنا کر رہنے کی بجائے اس سے بہتر ایک جوان آدمی کے ساتھ رہنا ہے۔ضلع سنگھ جیسا بھی ہے ایک جوان آدمی تو بہرحال ہے ناں۔جمیل نے اس بار پھر اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ یار تم پھر غلط سمت میں اندازہ لگا رہے ہو۔کنو کو کوئی گھریلو پرابلم ہے میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کا موبائل چک کیا تھا اس میں بھی ایک بھی انڈیا کا نمبر نہیں تھا۔ موبائل پر صرف ابھیجیت کی ہیں کالز آتی اور جاتی ہیں۔اس کے علاوہ دوسرا کوئی اور نمبر نہیں ہے۔ہاں البتہ ضلع سنگھ کا نمبر بھی آتا ہے ان دو نمبروں کے علاوہ اور کوئی نمبر نہیں ہے۔ یار تم یقینا نہیں کرو گے اس کا کوئی فیس بک ٹویٹر یا وٹسپ نہیں ہے۔کیا اس زمانے میں ایسا ممکن ہے۔وہ ایسا لگتا ہے جیسے کسی جنگل میں رہ رہی ہو۔جس کا کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔کیا یہ سب ایک نارمل لڑکی کا کام ہے۔میں نے اس سے سوال کیا۔ وہ واقعی سریہ کافی خطرناک بات ہے کہیں کوئی اسے بلیک میل تو نہیں کر رہا ہے۔کہیں کنو چانسلر کو ٹارگٹ کرنے کے لئے تو نہیں آئی ہے۔کہیں کنو خودکش بمبار تو نہیں ہے۔جمیل کی بات سن کر میری آنکھیں پھیل گئیں۔ میں اسکو ابھیجیت کی نگرانی اور اس کے فون کال ٹیپ کرنے کے لیے بلایا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ فون کال ٹیپ کرنے کی صورت میں کافی خطرہ ہے۔ہم لوگ ایجنسی کی نظر میں آسکتے تھے۔میں تو کنو کو بہت ہلکا لے رہا تھا۔میں اسے صرف ایک جنسی سکینڈل سمجھ رہا تھا۔ابھیجیت کنو کو مجبور کر کے اس کی جوانی اور خوبصورتی کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔جبکہ یہاں تو جمیل نے بالکل ہی الگ بات کر دی تھی۔میرا تو اس طرف بالکل ہی دھیان نہیں گیا تھا۔کنو بھی اس حملے میں ملوث ہوسکتی تھی۔وہ ابھی ابھی انڈیا سے ادھر آئی تھی وہ براہ راست اسی شہر میں آئی تھی جہاں کچھ دنوں کے بعد چانسلر آنے والی تھیں۔ کنو کا کوئی بیک گراونڈ نہیں تھا یا پھر اگر کوئی بیک گراونڈ تھا بھی تو اسے جان بوجھ کر خفیہ رکھا جا رہا تھا۔اس کا ابھیجیت کے علاوہ اور کسی سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ یہ سب کچھ کنو کو مشکوک بنا رہے تھے۔وہ چانسلر کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹارگٹ کر سکتی تھی۔ جمیل میرے پاس کنو کی کچھ تصاویر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے اس کے پاسپورٹ کی تصویریں بھی نکالی ہوئی ہے جس پر اس کے گھر کا ایڈریس موجود ہے۔ شاید گھر کا پتا اصل ہی ہو۔ تم ان سب معلومات کو پیچھے اسلام آباد ہیڈ کواٹر میں سینڈ کر دو۔ وہ تحقیقات کر لیں گے۔ ان سے بولنا ایمرجنسی ہے۔ چانسلر کو آنے میں صرف 5 دن رہ گئے ہیں۔ ہمیں اس سے پہلے پہلے اس معاملے کو حل کرنا ہے۔ میں نے جمیل کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ جی سر میں ابھی میل کر دیتا ہوں۔ آپ مجھے تصویریں دے دو اس نے جیب سے موبائل نکالتے ہوئے کہا۔ نہیں جمیل کارلسروہے اب محفوظ نہیں رہا ہے۔ تمہاری پاکستان کو بھیجی جانے والی میل راستے میں چیک ہو سکتی ہے۔ میں نے جیب سے موبائل نکالا اور اس سے میموری کارڈ نکالنے لگا۔ میں بھی تصویریں بلیوٹوتھ سے بھیجنے کی بجائے ڈائریکٹ میمری کارڈ ہی اسے دے رہا تھا۔ جی سر یہ تو واقعی میں نے نہیں سوچا تھا۔ یہاں اب کافی سکیورٹی ہو گئی ہے۔ ساری فون کالز ریکارڈ ہو رہی ہیں اور انٹرنیٹ بھی چیک ہو رہا ہے۔ جمیل نے مجھ سے میمری کارڈ لیا اور اسے اپنے موبائل میں ڈال کر کنو کے پاسپورٹ اور اس کی تصویریں اپنے موبائل میں محفوظ کرنے لگا۔ یار تم ایسا کرو ابھی فرانس کے لئے نکل جاؤ۔ نینسی شہر یہاں سے تین گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ تم اب وہاں جا کر آرام سے کسی بھی نیٹ کیفے پر جا کر میل کر سکتے ہو۔ ابھی نکلو گے تو رات کو بارہ بجے سے پہلے پہلے واپس بھی آ جاؤ گے۔ ہیڈ کوارٹر کو بھی میل کرنے سے منع کر دینا ان کا کوئی نہ کوئی آدمی آ کر جو معلومات ہو گی وہ دی جائے گا۔ کل دن کو ایجنسی معلومات اکٹھی کر لے گئی اور پھر برسوں تک کنو کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی۔ میں نے اسے اچھی طرح سمجھایا اور وہ پھر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ اب گھر جانے کی بجائے ادھر سے ہی سیدھا فرانس کی طرف نکل جاتا۔ میں بھی تھوڑی دیر تک ادھر ہی بیٹھا رہا اس کے بعد میکڈونلڈ سے باہر آ گیا۔ دوپہر کی بریک ہوتی تھی شام کو پانچ بجے ریسٹورنٹ دوبارہ کھلنا تھا۔ میں نے موبائل سے ٹائم دیکھا ابھی چار بجے تھے میرے پاس ابھی پورا 1 گھنٹہ پڑا ہوا تھا۔ میں ایسے ہی ٹائم گزارنے کے لیے ایک شاپنگ سنٹر میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر تک ایسے ہی آوارہ گردی کرنے کے بعد میں ریسٹورنٹ واپس آ گیا۔ میرے پاس ریسٹورنٹ کے مرکزی اور پچھلے دونوں دروازوں کی چابی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتی تھی۔ ابھی بھی ریسٹورنٹ کھولنے میں آدھا گھنٹہ پڑا ہوا تھا میں نے دروازہ کھولا اور ریسٹورنٹ میں داخل ہوگیا۔ ٹارزن اور سکھا تو نیچے تہہ خانے میں بنے ہوئے چینجنگ روم میں آرام کررہے تھے وہاں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جس میں ایک بیڈ لگا ہوا تھا جو بندے آرام سے اس بیڈ پر لیٹ کر آرام کرسکتے تھے۔

جبکہ کمرے میں نیچے بھی قالین بچھا ہوا تھا۔ ہم لوگ نیچے قالین پر بھی لیٹ جاتے تھے۔ کنو اور ضلع دونوں اوپر حال میں ہی بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ راضی کیسے ہو کنو نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔ ٹھیک ہو یار اچھی گزر رہی ہے تم سناؤ کیسی ہو۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہے میں نے اس سے پوچھا۔ ٹیلی فون کی مس کالز والے حادثے کی وجہ سے اب میں کافی محتاط ہوگیا تھا۔ میں اب تک کنو سے ایک حد سے زیادہ بے تکلف نہیں ہوتا تھا۔ کنو کی خوبصورتی مجھے متاثر تو بہت کرتی تھی۔ اس کے سرخ ہونٹوں کی سرخی مجھے اپنی طرف کھینچتی تو بہت تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھال رکھا تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی اتنی خوبصورت کے اس کے لئے انسان کچھ بھی کرسکتا تھا۔ لیکن پھر بھی میں کنٹرول میں تھا۔ وہ میری بجائے ضلع سنگھ کے ساتھ دوستی کی راہ ہموار کررہی تھی۔ میرا کنو پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ مجھے وہ اچھی لگتی تھی لیکن میں اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔ میں کوئی ٹین ایج نوجوان لڑکا نہیں تھا جو محبت کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ میں ایک میچور اور پڑھا لکھا جوان تھا۔ میں آرمی میں ایک بڑے عہدے پر فائض انٹیلی جنس کا افسر تھا۔ مجھے حالات سے لڑنے اور ان پر قابو پانے کی تربیت دی گئی تھی۔ مجھے خوبصورتی زیادہ متاثر نہیں کرتی تھی۔ لیکن پھر بھی پتا نہیں کیوں کنو کی آنکھیں مجھے آرمی کا سارا سبق بلانے کی کوشش کرتی تھیں۔ اس کی خوبصورتی مجھے رانجھا بنانے پر مجبور کرتی تھی۔ میں اسی لئے اس سے زیادہ فری ہو کر بات نہیں کرتا تھا میں اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ کنو کی جاسوسی میں محبت کے لیے نہیں بلکہ ایک فرض سمجھ کر کر رہا تھا۔ اگر وہ مظلوم تھی تو اسے ظلم سے نجات دلانا میرا فرض تھا۔ خدا نے اگر مجھے طاقت دی تھی تو میں اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ وہ میرے ساتھ ہی رہتی یا ضلع سنگھ کے ساتھ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اگر وہ مظلوم تھی تو اسکی مدد کرنا میرا فرض تھا۔ اسے ظلم سے نجات دلانا اور پھر وہ جس کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاس جانا چاہتی آزاد تھی۔ اگر وہ ضلع سنگھ کے ساتھ خوش تھی تو مجھے اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ راضی تمہاری ناراضگی ابھی تک گئی نہیں ہے۔ کنو نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ نہیں کنو ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تم سے ناراض نہیں ہوں میں صرف ایک فاصلہ رکھنا چاہتا ہوں میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ میں نے اسے جواب دیا۔ یار کنو سے نہیں بلکہ تم مجھ سے ناراض ہو۔ ضلع سنگھ نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ راضی یار میں نے تم سے معافی بھی مانگی تھی لیکن پھر بھی تم نے دل صاف نہیں کیا ہے ضلع سنگھ نے شکوہ کیا۔ نہیں استاد جی ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ میرے استاد ہو میں آپکی عزت کرتا ہوں۔ میں نے ضلع سنگھ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ بہت معصوم لڑکا تھا غریب گھر سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ غیر قانونی طریقے سے جرمنی میں آیا تھا لیکن پھر بھی بے چارہ بہت محنت کرتا تھا۔ خدا نے اگر اسے ایک اچھی صورت یا اچھی معاشی زندگی نہیں دی تھی تو اس میں کیا قصور تھا۔ وہ محنت تو کر رہا تھا۔ دنیا میں ایسے کروڑوں لوگ ہیں جو محنت کر رہے ہیں۔ دنیا انہی لوگوں کی وجہ سے امیر لوگوں کے لیے جنت بنی ہوئی ہے۔ یہی غریب لوگ امیروں کے لیے جنت بنا رہے تھے۔ استاد جی میرا دل آپ کی طرف سے مکمل صاف ہے۔ بس اگر مجھ پر اعتبار کرو تو پھر ہی میں آپ لوگوں پر اعتماد کروں گا۔ استاد جی آپ مجھ سے پہلے اس ریسٹورنٹ میں آئے تھے۔ آپ یہاں سب سے پرانے ہیں۔ میں یہاں نیا ہوں لیکن پھر بھی یورپ میرے لئے نیا نہیں ہے۔ میری ایک زندگی یورپ میں گزری ہے۔ آپ میرے استاد ضرور ہو لیکن اس ریسٹورنٹ سے باہر میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ میرے پاس ہیں یورپی یونین کا ویزہ ہے۔ میں پورے یورپ میں کہیں بھی جا کر کام کر سکتا ہوں۔ میں نے تقریبا سارا یورپ ہی دیکھا ہوا ہے۔ اور مجھے یہاں کے قوانین بھی پتا ہیں۔ مجھ پر اعتماد کرو گے تو یقین کرو تم لوگوں کو اچھا مشورہ ہی دوں گا۔ میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے راضی ہم سب ٹھیک ہیں آپ ہماری فکر مت کرو کنو نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ کوئی بات نہیں آپ کی مرضی ہے میں بہر حال آپ سے بڑا ہوا گر کوئی مجھ سے کام ہو تو میں حاضر ہوں میں نے ان سے کہا۔ اور کچن کی طرف چلا گیا۔ پانچ بج چکے تھے ریسٹورنٹ کو کھولنے کا ٹائم ہو گیا تھا۔ میں نے گیس اوپن کر کے چولے جلائے اور پھر تندور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی جلا دیا۔ کھانا تو ہم آرڈر پر ہی بناتے تھے۔ تندور کو گرم ہونے کے لئے آدھا گھنٹہ لگتا ہے۔ جبکہ سموسے یا پکوڑے تلنے والے تیل کو بھی گرم ہونے میں پندرہ بیس منٹ لگ جاتے ہیں۔ ہمیں ان دونوں چیزوں کو ہمیشہ گرم رکھنا پڑتا تھا۔ گاہک کسی بھی وقت پکوڑے یا سموسوں وغیرہ کا آرڈر دے سکتا تھا۔ وہ نان بھی مانگ سکتا تھا۔ کچن سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سی ڈی آن کی اور اس پاٹھ لگا کر ریسٹورنٹ مرکزی دروازہ کھول دیا۔ سکھ مذہب کے بانی گرونانک صاحب کی کتاب سکھمنی کا پاٹھ تھا۔ سکھمنی صاحب سکھوں کی مقدس کتاب تھی۔

سی ڈی پر مرد کی بہت خوبصورت آواز میں اسے رکارڈ کیا گیا تھا۔ سکھ منی صاحب پیور پنجابی زبان میں لکھی گئی تھی۔ میری مادری زبان سرائیکی ہے لیکن میں پنجابی بھی اتنی روانی سے بول سکتا ہوں۔ پھر بھی سکھمنی صاحب کی زبان پنجابی ہونے کے باوجود میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ سکھ مذہب کے لوگ مسلمانوں کی طرح ایک خدا کو ماننے والے ہوتے ہیں۔ یہ مذہب مسلمانوں سے بہت زیادہ متاثر ہے۔ بابا گورونانک صاحب چونکہ پنجابی تھے اور یہ مذہب بھی پنجاب میں ہی پھلا پھولا تھا اس لیے اس مذہب کی کتابیں وغیرہ سب پنجابی میں ہی ہیں۔ مسلمان پنجابی شعرا جن میں بابا بلھے شاہ اور ہیر وارث شاہ ہیں ان کا کلام بھی سکھ گردواروں میں پڑھا جاتا ہے۔ سکھ مذہب کے ماننے والے بابا بلے شاہ اور وارث شاہ کی عزت مسلمانوں کی طرح ہی کرتے ہیں۔ سکھوں کی مذہبی کتاب اکواومکار سے شروع ہوتی ہے جس کے معنی ایک خدا کے ہیں۔ کچھ مسلمان علماء تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ پہلا پارٹ ہماری آیت سورہ قل سے لیا گیا ہے۔ سکھ منی صاحب کا پہلا پاٹھ سورہ قل کا پنجابی ترجمہ ہے۔ چونکہ مجھے پنجابی زبان زیادہ نہیں آتی تھی اس لیے میں نے ٹارزن سے اس کا ترجمہ کروایا تھا اور وہ ہو بہو سورۃ قل سے ملتا تھا۔ اس میں بھی خدا کی ویسی ہی تشریح کی گئی تھی جو ہماری سورت میں ہے۔ خدا ایک ہے وہی اس جہان کا مالک ہے اس کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ کیونکہ چانسلر کے آنے کے دن بلکل قریب آ گئے تھے اس لئے شہر میں بھی مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ ہوٹلوں میں کمروں کے کرائے تین گناہ بڑھ گئے تھے۔ جب کہ انٹرنیٹ کے اوپر پینگ گیسٹ کے لیے بھی مالک مکان اشتہارات دے رہے تھے۔ یہ مالک

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مکان پیسے لے کر آنے والے مہمانوں کو اپنے ساتھ گھروں میں رکھ رہے تھے۔شہر کی رونقیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ ہمارے ریسٹورنٹ میں بھی اب رش ہونے لگا تھا۔ میرے دروازے کھولنے کے 5 منٹ کے اندر ہی پہلے گاہک آ گئے اس کے بعد ایک ایک کر کے ساری کرسیاں بھرنے لگی۔ رات آٹھ بجے تک پورا ریسٹورنٹ ہی فل ہو گیا تھا۔ چونکہ ابھی کام بہت زیادہ ہو جاتا تھا اس لیے ظفر بھائی بھی شام کو فیکٹری سے چھٹی کر کے سیدھے ریسٹورنٹ ہی آ جاتے تھے۔ اور پھر ادھر سے ہی رات کو بارہ بجے کے قریب چھٹی کر کے گھر جاتے تھے۔ ہمارا ریسٹورنٹ عام دنوں میں تو ساڑھے دس بجے بند ہو جاتا تھا لیکن ان دنوں رش کی وجہ سے بارہ بجے سے پہلے ہمارا کام ختم نہیں ہوتا تھا۔ اگلے دو دن ریسٹورنٹ کے اندر رش حد سے بڑھ گیا۔ ہمیں ریسٹورنٹ صبح سات بجے کھولنا پڑتا تھا لوگ ناشتہ بھی ادھر ریسٹورنٹ میں آ کر کرنا چاہتے تھے۔ دوپہر کی بریک بھی ختم ہو گئی تھی۔ ہم صبح 7 بجے کام پر آتے اور واپسی ایک بج جاتا۔ مالک نے عارضی طور پر دو مزید لڑکے کام پر رکھ لئے اور ہمیں باری باری دن کو دو دو گھنٹے کی بریک کروانے لگا۔ پہلے ایک لڑکا بارہ بجے کے قریب دو گھنٹے کے لیے چلا جاتا اس کے آنے کے بعد دوسرا لڑکا آرام کرنے چلا جاتا۔ ایسے ہی سارے لڑکے ایک ایک کر کے دو دو گھنٹے کے لیے درمیان میں آرام کر لیتے تھے۔ رش کے دوران کچن میں کام تو نارمل سا بڑھتا تھا لیکن باہر سروس بار پر کام کا بوجھ انتہائی بڑھ جاتا تھا۔ آنے والے مہمان چونکہ چھٹیوں پر آئے ہوئے تھے۔ اس لیے کھانا تو صرف ایک ہی کھاتے تھے لیکن ڈرنکس بہت زیادہ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ انڈین سویٹ بھی ٹرائی کرتے تھے۔ یہ ساری سویٹ ڈشز بار سے ہی سرو ہوتی تھی۔ جن میں رس گلے رس مالای گلاب جامن اور دوسری مختلف مٹھائیاں ہوتی تھیں۔ یہ ساری فریج میں رکھی ہوئی تھی اور بار مین انھیں نکال کر پلیٹ میں سجا کر دیتا تھا۔ عام نارمل ڈرنکس تو آسانی سے بن جاتے تھے لیکن کاک ٹیل اور وسکی وغیرہ بناتے ہوئے ٹائم لگتا تھا۔ اس کے علاوہ کافی بھی بار سے ہی سرو کی جاتی تھی۔ گاہک کھانا ایک ہی آرڈر کرتا تھا لیکن اسے دوسری ساری آئٹمز بھی آزمانی ہوتی تھیں۔ کیونکہ مہمان دور دراز شہروں سے آ رہے تھے اس لیے وہ یہاں کی زیادہ سے زیادہ چیزیں ٹرائی کرنا چاہتے تھے۔ صبح صبح جیسے ہی میں نے ریسٹورنٹ کا دروازہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کھولا دس کے قریب سادہ کپڑوں میں ملبوس پولیس والے ریسٹورنٹ میں آ گئے۔ گوٹن مارگن سر ہم خفیہ پولیس سے ہیں کیا ہم ریسٹورنٹ میں آ سکتے ہیں ایک نسبتا بڑی عمر کے پولیس والے نے میری طرف ایک کارڈ بڑھاتے ہوئے کہا یہ اسکا سروس کارڈ تھا۔ میں نے ایک نظر اس کے کارڈ پر ڈالی اور انہیں اندر آنے کے لئے کہنے لگا۔ جرمنی میں پولیس اہلکار ہمیشہ تلاشی لینے سے پہلے اپنا کارڈ دیکھا کر تعارف کرواتے ہیں۔ سروس کارڈ دکھائے بغیر کوئی بھی پولیس والا آپ کو چیک نہیں کرسکتا۔ یہاں پولیس والے اونچی آواز میں کبھی بھی بات نہیں کرتے۔ شہری کو اگر کسی بھی طرف سے لگے کہ اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچی ہے تو وہ پولیس پر کیس کرسکتا ہے اور اس کی شکایت پر انتہائی سنجیدگی سے انکوائری ہوتی ہے۔ میں نے ان کو راستہ دیا تو وہ سارے اندر آ گئے۔ ابھی تک کچن والے تو سارے ہی آ گئے تھے لیکن بار سروس پر صرف میں ہی تھا۔

باقی تھوڑا لیٹ آتے تھے مالک اور میڈم بھی آٹھ بجے کے بعد ہی آتے تھے۔ کیا میں آپ کے کاغذات چیک کرسکتا ہو اس پولیس والے نے مجھ سے میرے کاغذات مانگے۔ جی سر میں دکھاتا ہوں میں نے جیب سے اپنا آئی ڈی کارڈ نکال کر اسے دے دیا۔ پاسپورٹ نہیں ہے آپ کے پاس افسر نے ایک نظر میرے آئی ڈی کارڈ پر ڈالی اور مجھ سے پوچھنے لگا۔ نہیں سر وہ تو گھر میں پڑے ہوتے ہیں یہ مجھے یہیں سے ایشو ہوا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے مجھے پاسپورٹ دکھانے کی ضرورت تو نہیں ہوتی میں نے الٹا ان سے سوال کیا۔ جی نہیں پاسپورٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔ اس ریسٹورنٹ کا مالک کون ہے اس نے آئی ڈی کارڈ ایک دوسرے پولیس والے کو پکڑا دیا جس نے آئی ڈی کارڈ لیا اور اس پر لکھے ہوئے نمبر کو فیکس پر چیک کرنے لگا۔ سر وہ تو آٹھ بجے کے بعد ہی ریسٹورنٹ آتے ہیں تب تک میں ہیں یہاں کے معاملات سنبھالتا ہوں۔ آپ کس سلسلے میں رسٹورنٹ آئے ہیں میں ان سے سوال کرنے لگا۔ آپ کو معلوم ہی ہوگا چانسلر اس شہر کی سالانہ تقریبات میں حصہ لینے کے لیے آ رہی ہے۔ شہر کی سکیورٹی کی ہماری ذمہ داری ہے ہم اسی سلسلہ میں یہاں انکوائری کے لیے آئے ہیں۔ آپ ایسا کرو اپنے مالک کو فون کر کے انکو ریسٹورنٹ میں آنے کا بولا اور ریسٹورنٹ کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کاغذات پلس ملازمین کے ورک پرمٹ بھی آپ دکھا دیں۔ ہمارے کچھ افسران ریسٹورنٹ کی تلاشی بھی لینا چاہیں گے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔ پولیس افسر نے شائستگی سے کہا۔ جی سر میں ابھی آپ کو کاغذات دکھاتا ہوں اور آپ اپنی مرضی سے تلاشی لیں۔آپ ہمارے محافظ ہیں میں نے جلدی سے کہا اور کاؤنٹر پر جا کر مالک کو فون کرنے لگا۔ مالک اٹھ گیا تھا اور رسٹورنٹ آنے کے لیے تیاری کر رہا تھا میں نے انہیں پولیس کی آمد کے بارے میں بتایا اور انہیں جلد سے جلد رسٹورنٹ پہنچنے کا کہا اور فون رکھ دیا۔ اتنی دیر میں پولیس والے کچن اور نیچے تہہ خانے میں جا کر تلاشی لینا شروع کر چکے تھے۔ انہوں نے سٹاف کے سارے لوگوں کو ایک طرف اکٹھا کر دیا تھا اور ان کے کاغذات فیکس کر کے چیک کر رہے تھے۔ پولیس والے ادھر تلاشی لے رہے تھے۔ جبکہ یہاں سے کافی دور شہر کے بالکل مرکز میں ایک کافی شاپ پر ابھیجیت ایک جرمن آدمی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی چانسلر کا کھانا مغل محل سے جائے گا۔ کارلسروہے میں سب سے اچھا کھانا مغل محل سے ہی ملتا ہے چانسلر کو بھی سپیشل اس رسٹورنٹ کا بتایا گیا ہے اور وہ بھی یہیں سے کھانا کھانا چاہتی ہیں۔ سب کچھ فکس ہو چکا ہے میں تمہیں ایک مثالے کا پیکٹ دیتا ہوں۔ تم نے کنو سے بولنا ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے اس مصالحے کو چانسلر کے کھانے میں شامل کر دے۔ اس کے بعد وہ آزاد ہو گی۔ جیسے ہی چانسلر کا کھانا ریسٹورنٹ سے باہر نکلے گا وہ بھی اسی وقت رسٹورنٹ سے باہر آ جائے ہمارا ایک آدمی باہر اس کا انتظار کر رہا ہو گا۔ جو اسے فوراً جرمنی سے باہر نکال کر فرانس پہنچا دے گا۔ پیرس میں اس کی ٹکٹ تیار ہو گی۔ اور وہ اسی دن انڈیا کے لیے روانہ ہو جائے گی۔ جرمن آدمی نے اپنی جیب سے ایک مصالحے کا پیکٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ سر میرے پیسے تو مل جائیں گے ناں آپ کو میری رقم پہلے ادا کرنی ہو گی اس کے بعد ہی کنو اس مصالحے کو چانسلر کے کھانے میں ملائے گی۔ مجھے بھی فوراً ہی جرمنی سے باہر جانا ہو گا۔ ابھیجیت نے پیکٹ پکڑ کر اسے فوراً جیب میں ڈال لیا۔ ابھی پیسوں کی فکر مت کرو ہمارے پاس پیسوں کی کمی نہیں ہے بس ہمارا کام پورا ہونا چاہیے۔ کنو کو صرف اس مصالحے سے بے ہوشی کا بتانا ہے اگر تم نے یہ بتایا کہ اس سے چانسلر کی موت ہو سکتی ہے تو وہ ڈر جائے گی اور ہمارا منصوبہ فیل بھی ہو سکتا ہے۔ ابھی ہم لوگوں نے کئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملین یورو اس منصوبے پر لگائے ہیں ہم سے ناکامی برداشت نہیں ہوگی۔اگر کنو اس میں ناکام رہتی ہے تو سنڈیکیٹ والے ہم سب کو ماردیں گے۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ چانسلر کو مارو اور اپنی اپنی رقم لے کر غائب ہو جاؤ۔ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتا ہے اس لئے تمہارے یا کنو کے پکڑے جانے سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ہم زیادہ خون خرابا نہیں چاہتے ہیں۔بس خاموشی سے چانسلر کو مارو اور غائب ہو جاؤ۔ہم دو ملین یورو آپ کو دے رہے ہیں۔آپ کی ساری زندگی انڈیا میں عیاشی سے گزرے گی۔جبکہ کنو کو بھی ہم کچھ رقم دیں گے۔تم صرف اپنے کام پر دھیان دو۔پیسوں کے فکر چھوڑ دو تقریب والے دن آپ کو پیسے مل جائیں گے۔اس آدمی نے ابھیجیت کو سمجھایا اور اسکے سر ہلانے پر اٹھ کر باہر چلا گیا۔وہ ابھیجیت کو ابھی کہہ کر پکار رہا تھا کیونکہ اسے ابھیجیت کا پورا نام بلانا مشکل ہو رہا تھا۔جب وہ آدمی باہر چلا گیا تو ابھیجیت بھی اٹھ گیا۔اب آگے ابھیجیت کا کام تھا۔اس نے اس پیکٹ کو کنو کو دینا تھا جس نے اس پیکٹ کو چانسلر کے کھانے میں مکس کرنا تھا۔اس کے بعد وہ دونوں آزاد تھے۔شاید آزاد تھے یا پھر سنڈیکیٹ والے انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہی زندگی کی قید سے آزاد کروا رہے تھے۔

جو لوگ چانسلر کو مارنے کے لیے اتنی لمبی پلاننگ کر سکتے تھے۔چانسلر کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے لوگ مرتے جو اس زہریلے کھانے کو کھاتے۔جو لوگ اتنے سارے بڑے بڑے لوگوں کو مارنے پر تیار ہو گئے تھے ان کے نزدیک کنو اور ابھیجیت کچھ بھی نہیں تھے۔وہ انہیں بھی زندہ نہیں چھوڑتے۔سنڈیکیٹ والے کبھی بھی اپنے پیچھے کوئی سراغ نہ چھوڑتے۔وہ کنو اور اس کے خاندان والوں کو بھی مار دیتے۔کنو کا خاندان صومالیہ میں الشباب کے پاس قیدی بنا ہوا تھا۔جرمن آدمی وہاں سے اٹھ کر اب احمد کے پاس جا رہا تھا۔احمد کارلسروہے شہر کے مضافات میں رہ رہا تھا۔جرمن آدمی اب ادھر ہی جا رہا تھا اس نے کافی شاپ سے باہر نکل کر ایک ٹیکسی پکڑی اور اسے کارلسروہے کے مین سٹیشن پر جانے کا کہا۔مارننگ سر ٹیکسی ڈرائیور نے خوش اخلاقی سے اسے سلام کیا۔اور ٹیکسی سٹارٹ کر کے مین اسٹیشن کی طرف جانے لگا۔اس آدمی نے جیب سے موبائل نکال کر ایک نمبر ڈائل کیا۔احمد کے پاس جانا ہے مین اسٹیشن کی طرف جا رہا ہوں تم بھی ادھر ہی آجاو۔مین اسٹیشن پر ہی تمہارا انتظار کروں گا اس نے دوسری

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

طرف کے سلام کا جواب دیتے ہی بتایا اور فون بند کر دیا۔ مین اسٹیشن جسے جرمن زبان میں ہاپٹ بن آف کہتے ہیں۔ یہ مین شہر سے جنوب کی طرف تقریبا دس منٹ کی مسافت پر تھا۔ یہ فاصلہ تو 1 کلومیٹر سے تھوڑا سا زیادہ تھا لیکن ٹریفک کافی زیادہ ہوتا تھا اس لیے ٹیکسی کو ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے میں دس منٹ لگ جاتے تھے۔شہر کے اندر 30 کلومیٹر فی گھنٹہ سے زیادہ رفتار سے گاڑی چلانے پر جرمانہ ہو جاتا تھا۔ پورے شہر میں ٹریفک کنٹرول کیمرے لگے ہوئے تھے جو اور سپیڈ گاڑیوں کی رفتار چیک کر کے خود کار طریقے سے گاڑی کی تصویر کھینچ لیتے تھے۔ پورے یورپ میں ہی گاڑی کی نمبر پلیٹ سرکاری سطح پر تیار کی جاتی ہے۔ یہ پولیس کا ہی ایک محکمہ ہوتا ہے جو گاڑی کی نمبر پلیٹس تیار کرتا ہے۔ یہ نمبر پلیٹس کچھ اس طریقے سے تیار کی جاتی ہیں کہ ٹریفک کے کیمرے انہیں سکین کر سکتے ہیں۔ کیمرہ تصویر کھینچتا ہے اور کمپیوٹر خود کار طریقے سے نمبر پلیٹ سکین کر کے اس کا نمبر پرنٹ کر دیتا ہے۔ وہ ادمی اسٹیشن پر آ کر بیٹھ گیا۔تقریبا دس منٹ کے انتظار کے بعد اس کا مطلوبہ آدمی بھی آ گیا تو انہوں نے علیحدہ علیحدہ ایک ڈرام پکڑی اور کارلسروہے سے درلخ آ گئے۔ درلخ کارلسروہے کے مضافات میں شہر کا ہی حصہ ہے۔ وہ دونوں ڈرام کے ذریعے درلخ پہنچ گئے۔اس جرمن آدمی کا براہ راست کسی بھی حملہ آور سے رابطہ نہیں تھا۔ وہ حملہ آوروں کی بجائے ان کے سہولت کاروں سے ملتا تھا۔ مشن کی ساری تفصیل ان سہولت کاروں سے ہی طے کی جاتی تھی۔ احمد چونکہ ایک عربی مسلمان تھا۔ احمد اور شہباز خان دونوں ہی مسلمان حملہ آور تھے۔ وہ اس دہشتگردی کو جہاد سمجھ کر یہاں تک آئے تھے۔ اسلئے انکے سامنے سارے ہی ان کے اپنے آدمی لائے جا رہے تھے۔ کسی بھی غیر مسلم یا جرمن آدمی کو دیکھ کر وہ بھٹک سکتے تھے۔ اگر انھیں معلوم ہو جاتا کہ وہ اسلام کے لیے نہیں بلکہ ایک سینڈیکیٹ کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی جان قربان کر رہے ہیں۔ جس سے اسلام کو الٹا نقصان ہونا تھا تو وہ کبھی بھی ایسا نہ کرتے۔ وہ اپنے سہولت کاروں کو ہی مار ڈالتے۔ ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی یہی بدنصیبی ہے۔ اسلام کے لیے جان دینے والے ہمیشہ اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ چڑھ جاتے ہیں۔ مسلمان دنیا کی واحد قوم ہے جو اپنے مذہب سے حد سے زیادہ محبت کرتی ہے۔ ہم لوگ اپنے مذہب کے لئے جان تک دینے کے لئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ جذبہ دنیا کے اور کسی مذہب میں نہیں ہے۔ داعش اور طالبان ہمارے معصوم نوجوانوں کو استعمال کرتے تھے۔ جرمن آدمی کے ساتھ آنے والے آدمی کا نام طلحہ تھا۔ وہ عراق کا رہنے والا تھا اسے جرمنی میں رہتے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تھا۔ سینڈیکیٹ نے طلحہ کو دو ملین یورو ادا کیے تھے جس کے بدلے میں طلحہ نے احمد کو تیار کر کے اسے چانسلر تک پہنچانا تھا۔ کارلسروہے کے مرکزی پارک سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ایک پرانا مینار تھا۔ یہ بہت اونچا مینار تھا اونچائی تقریباً سو فٹ کے قریب تھی اور یہ سٹیج کے بالکل سامنے تھا۔ چونکہ کارلسروہے کی ساری گلیاں مرکزی پارک سے ہی نکلتی تھیں یہ گلیاں بالکل سیدھی تھیں انہی میں سے ایک گلی کے آخری سرے پر وہ مینار بنا ہوا تھا۔ اسے تیرہویں صدی کے وسط میں بنایا گیا تھا۔ گردش زمانہ نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا اب صرف اس کا ڈھانچہ ہی رہ گیا تھا سب کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ احمد ایک سنائپر رائفل کی مدد سے با آسانی مینار پر چڑھ کر چانسلر کو ٹارگٹ کر سکتا تھا۔ وہ بہت اچھا سنائپر شوٹر تھا۔ اس نے دو دو کلومیٹر کے فاصلے پر بلکل درست نشانہ لگایا ہوا تھا۔ اس کے لئے ایک کلومیٹر سے نشانہ لینا زیادہ بڑی بات نہیں تھی۔ اس بار تو اسے رائفل بھی جدید ترین مل رہی تھی۔ طلحہ ابھی ایک گھنٹے کے اندر اندر ہمارا ایک آدمی آ کر تمہیں سنائپر رائفل دے جائے گا۔ تم احمد کو لے کر ایک چکر مینار کا لگا لینا۔

رائفل والا آدمی ہی آپ کو ٹلیگنن کی طرف لے جائے گا۔ وہ سارا علاقہ جنگلات سے بھرا ہوا ہے۔ اس طرف کوئی بھی نہیں جاتا ہے۔ احمد وہاں جنگل میں رائفل سے نشانہ لے کر آزمائش کر سکتا ہے۔ ابھی کل کا پورا دن پڑا ہوا ہے۔ رائفل کے ساتھ بہت سی گولیاں ہیں۔ وہ آرام سے اپنے نشانے کی پریکٹس کر لے۔ تقریب والے دن اس کے پاس صرف ایک ہی موقع ہو گا۔ اس نے پہلے نشانے سے ہی چانسلر کو ہٹ کرنا ہے۔ یاد رکھنا طلحہ چانسلر کے سر کو نشانہ بنانا ہے۔ نیچے اس نے حفاظتی جیکٹ پہنی ہوتی ہے۔ احمد کے پاس صرف ایک ہی موقع ہو گا۔ سیدھی اس کے سر میں گولی مارو اور کام ختم۔ اگر نشانہ چوک گیا تو چانسلر کے حفاظتی گارڈز ان کے گرد گھیرا ڈال لیں گے۔ اس کے بعد موقع نہیں ملے گا۔ جرمن آدمی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ آپ بے فکر رہیں احمد پورا ٹرینڈ آدمی ہے اس کا نشانہ کبھی بھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں چوکتا۔ کیا اسطرف مینار کے پاس کوئی سکیورٹی نہیں ہوگی طلحہ نے سوال کیا۔ سکیورٹی کی تو فکر مت کرو اس طرف جتنے بھی سکیورٹی اہلکار ہوں گے انہیں ہم راستے سے ہٹا دیں گے۔ ہمارے پاس شوٹر موجود ہیں لیکن سنائپر شوٹر نہیں ہے۔ مینار سے سنائپر رائفل کے ذریعے ہی چانسلر کو ٹارگٹ کیا جا سکتا ہے۔ تم فکر مت کرو سکیورٹی پلان میرے پاس پہنچ چکا ہے۔ مینار کی طرف ایک پولیس کار ہو گی جس میں دو پولیس والے ہوں گے۔ یہ عام پولیس والے ہیں انہیں آسانی سے مارا جا سکتا ہے۔ جرمن آدمی نے اسے تسلی دی۔ اور کافے ٹیریا سے باہر آ گیا۔ وہ ٹرام کی مدد سے دوبارہ اسٹیشن آیا اور اس بار اس کا رخ بعد باد شورن بورن گاؤں کی طرف تھا۔ وہ اب شہباز خان کی طرف جا رہا تھا۔ شہباز خان خودکش بمبار بن رہا تھا۔ اس کے لیے خودکش جیکٹ آ چکی تھی۔ وہ جیکٹ پہن کر جلسے کی جگہ پر آ جاتا اور چانسلر کے نزدیک پہنچ کر اپنے آپ کو دھماکے سے اڑا دیتا۔ ان لوگوں نے چانسلر کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ پرسوں چانسلر پانچ سال کے بعد کارلسروہے آ رہی تھی۔ پانچ سال پہلے انہوں نے ایک گھنٹے کا مختصر سا دورہ کارلسروہے کا کیا تھا۔ لیکن اس بار وہ باقاعدہ جشن میں شرکت کے لیے آ رہی تھی۔ کارلسروہے کہ مرکزی پارک میں ہر سال گرمیوں میں بہت بڑا جشن ہوتا تھا۔ چانسلر اسی تقریب میں شرکت کے لیے آ رہی تھی۔ کارلسروہے دریائے اسوزو کے کنارے پر آباد ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ شہر سے صرف دس کلومیٹر کے فاصلے پر فرانس کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ ایسے میں کارلسروہے شہر دہشتگردوں کے لئے بہترین جگہ تھی۔ وہ آسانی سے چانسلر کو یہاں ٹارگٹ کر سکتے تھے۔ چانسلر کارلسروہے کے لوگوں کی محبت دیکھنے آ رہی تھی۔ لیکن اپنے ساتھ کچھ دشمنوں کو بھی لا رہی تھی۔ کارلسروہے میں ان کے چاہنے والوں اور دشمنوں میں مقابلہ ہونے والا تھا۔ جیت کسی ایک کے ہاتھ میں آنی تھی۔ پاکستانی ایجنسی بھی اس میں ملوث ہونے والی تھی۔ جمیل کے میسج کے جواب میں دوسرے دن صبح صبح ہی ایک آدمی آ گیا۔ ابھی صبح کے پانچ بجے تھے جب میرے موبائل پر پاکستان سے ایک مس کال آئی۔ چونکہ ہمارے ریسٹورنٹ سے کھانا چانسلر کے لیے جانا تھا اس لیے میرے موبائل کا آئی پی نمبر اور سم نمبر پولیس نے لے لیا تھا۔ اب میرے موبائل سے جانے والی ایک ایک کال دوسری طرف سے سنی جا رہی تھی۔ ریسٹورنٹ کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پورے سٹاف کی نگرانی ہو رہی تھی۔ ریسٹورنٹ کے اندر انہوں نے کیمرے بھی لگا دیئے تھے۔ یہ کیمرے حال میں کچن میں اور نیچے سٹور روم میں بھی لگے ہوئے تھے۔ جبکہ ایک پولیس والا مستقل ریسٹورنٹ کے اندر رہنے لگا تھا۔ ایک پولیس والا شام کو آتا تھا وہ ریسٹورنٹ کے نیچے ہی رات کو سو جاتا تھا۔ جبکہ دوسرا صبح اس کی بدلی کرتا تھا۔ پولیس والے کا یہاں کوئی کام نہیں تھا وہ صرف کچن کے اندر بیٹھا کام کرتے ہوئے لڑکوں کو دیکھتا رہتا تھا۔ ہماری ریسٹورنٹ کے باہر باقاعدہ نگرانی نہیں ہوتی تھی۔ صرف موبائل فونز کی کالیں رکارڈ کی جاتی تھی۔ میں نے موبائل پر پاکستان کا نمبر دیکھا تو سمجھ گیا۔ میرے لیے ہی میسیج آ گیا تھا۔ میں نے کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو مجھے ایک آدمی نیچے کھڑا نظر آ گیا۔ میں نے پردہ برابر کیا اور دروازہ کھول دیا۔ وہ ادمی فوراً اندر آ گیا۔ اسلام وعلیکم میں نے ان کو سلام کیا۔ لیکن اس نے جواب دینے کی بجائے جلدی سے دروازہ بند کیا اور جیب سے ایک ڈیٹیکٹر نکال کر کمرے کو چیک کرنے لگا۔ کمرے میں کسی بھی قسم کا کوئی مائیکروفون یا کیمرہ نہیں لگا ہوا تھا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر انھوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ سر میرا نام محمود ہے میں ایجنسی کی طرف سے آیا ہوں۔ اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹا سا کارڈ نکال کر مجھے دکھایا۔ آپ کس رینک پر ہیں میں نے ان سے عہدہ پوچھا۔ سر پرائیویٹ سول جاسوس ہوں۔ مجھے صرف رابطے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ میں آپ کا رابطہ کروا کر ابھی نکل جاؤں گا۔ جرمنی سے کسی اور ملک میں میں باقاعدہ ملازم نہیں ہوں۔ ایجنسی والے مجھے مخصوص حالات میں ہائیر کرتے ہیں۔ اس نے تفصیل سے مجھے بتایا۔ اوہ ٹھیک ہے پھر کیا اطلاعات ہیں ہیڈکوارٹر سے۔

میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ پرائیویٹ ملازم کے ساتھ میں زیادہ کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ آرمی کی اور بات ہوتی ھے۔ آرمی اور ایجنسی کے لوگوں پر ہم اعتماد کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک تھرڈ پرسن پر اعتماد کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں تھی کہ ہمیں ایجنسی پر اعتماد نہیں تھا۔ ایجنسی نے اگر اس آدمی کو بھیجا تھا تو مکمل انکوائری کر کے ہی بے جا ہوگا۔ ایجنسی کبھی بھی بغیر انکوائری کے کسی شخص پر اعتماد نہیں کرتی تھی۔ میں صرف تھوڑا محتاط ہو رہا تھا۔ سر ایجنسی کی طرف سے رپورٹ آ گئی۔ کنو انڈیا سے اغواء کر کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لائی گئی ہے۔ اسے اس کے پورے خاندان سمیت اغوا کیا گیا تھا۔ اس کے ماں باپ اور دو چھوٹے بھائی صومالیہ میں الشباب کے پاس ہیں۔ جب کہ اسے کسی مقصد کے لیے یہاں لایا گیا ہے۔ مقصد کا تو مجھے پتہ نہیں ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ چانسلر کے قتل کی کسی کارروائی میں حصہ لینے والی ہو۔ چانسلر پر کارلسروہے میں حملہ ہونے کے سو فیصد چانس موجود ہیں۔ انٹیلی جنس رپورٹ بھی یہی کہہ رہی ہے کہ چانسلر پر ایک بہت بڑا دہشتگردانہ حملہ کارلسروہے میں ہوگا۔ جرمن خفیہ ایجنسی ٹارگٹ کلر کو ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ پاکستانی ایجنسی کے ساتھ بھی ان کی معلومات کا تبادلہ ہوا ہے۔ لیکن بہرحال سب اندھیرے میں ہیں۔ کنو ممکنہ طور پر ٹارگٹ کلر ہوسکتی ہے۔ آپ چونکہ اس کے ساتھ رہ رہے ہو اور اپ نے ہی اس پر شک کا اظہار کیا تھا اس لیے ایجنسی آپ کا ہی مشورہ لینا چاہتی ہے۔ آپ کہتے ہو تو کنو کی انفارمیشن جرمن خفیہ ایجنسی کو دے دی جائے گی۔ اس کے بعد وہ خود ہی کنو کے معاملے کو ہینڈل کر لیں گے۔ یا پھر آپ مزید انکوائری کرنا چاہتے ہو۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ کنو کو جرمن ایجنسی کے سپرد کرنا زیادتی ہوگی وہ لوگ اسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیں گے اور پیچھے اس کے گھر والوں کو الشباب والے مار دیں گے۔ اس بے چاری کا پورا گھر تباہ ہو جائے گا۔ میں نے پریشان لہجے میں کہا۔ کیا ہم اس کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا۔ سر کرنے کے لیے تو ہم کر سکتے ہیں صومالیہ میں ہماری ایجنسی کا ایک پورا گروپ موجود ہے ہم الشباب پر پوری نظر رکھے ہوئے ہیں۔ چونکہ الشباب ایک دہشت گرد تنظیم ہے اور وہ مسلمانوں کو اسلام کے نام پر مار رہی ہے۔ اس لئے ہماری ایجنسی خفیہ طور پر ان کے خلاف کام کر رہی ہے۔ ہم لوگ سامنے تو نہیں آتے اس سے بین الاقوامی برادری میں پاکستان کا نام خراب ہوتا ہے۔ لیکن بہرحال خفیہ طور پر ہم سے جتنا ہوسکتا ہے ہم الشباب کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ صومالیہ کے مسلمان بھی ہمارے بھائی ہیں اور ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس نے پوری تفصیل سے مجھے آگاہ کیا۔ کیا سر آپ صومالیہ میں کنو کے والدین کو تلاش کر کے انہیں الشباب سے رہا نہیں کروا سکتے۔ میں نے ان کو سر کہا جس طرح کی تفصیل سے وہ بات کر رہے تھے ان کی باتوں سے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ ایجنسی کے ہی آدمی ہیں۔ اور ایجنسی میں ہی کسی بڑے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

عہدے پر فائز ہیں۔شاید کرنل ہوں۔آپ نے مجھے سر کیوں کہا میرا نام محمود ہے اور میں ایک سول اہلکار ہوں۔انہوں نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قدرے تیز لہجے میں کہا۔سوری سر اوہ محمود مجھ سے غلطی ہوگئی میرے منہ سے نکل گیا میں نے اپنی نظروں کو جھکا لیا۔مجھ میں ان سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔راضی ایجنسی نے اپنے آدمی صومالیہ میں کنو کے والدین کی تلاش میں لگائے ہوئے ہیں۔ہمیں ایک دوسرا سراغ تو ضرور ملے ہیں لیکن ابھی تک ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔انڈین ایجنسی را بھی ان کو صومالیہ میں تلاش کر رہی ہے۔ہم را سے بھی مدد لے رہے ہیں۔امید ہے آج ہی ہم انہیں تلاش کر لیں گے۔تم اس طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔تم کنو کی فکر کرو تم کسی بھی طریقے سے اس کا منصوبہ معلوم کرو وہ چانسلر کو کیسے ٹارگٹ کرنا چاہتے ہیں۔ہم اگر پورے منصوبے کے ساتھ کنو کو جرمن حکام کے حوالے کریں گے تو پاکستان کی مغربی ممالک اور خاص طور پر جرمنی میں کچھ اہمیت بن جائے گی۔ہمیں کچھ معاشی فوائد بھی حاصل ہو جائیں گے۔اس نے کہا۔راضی بیٹا ملکوں کو چلانے کے لیے کاروبار کی ضرورت ہوتی ہے۔جرمنی معاشی طور پر ایک طاقتور ترین ملک ہے۔اگر جرمنی ہمارے ساتھ کچھ تجارتی معاہدے کرے گا تو اس سے ہمارے ملک کو بہت فائدہ ہوگا۔ہمارا ملک بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے گا۔بیٹا اب ملک کو چلانے کے لیے سیاست کی بھی ضرورت ہوتی ہے یہ سیاست ہے۔ہم نے اپنے ملک کو مضبوط بنانے کی قسم کھائی ہے اس نے مجھے بیٹا کہتے ہوئے کہا۔مجھے اب ان کے آرمی افسر ہونے میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔ٹھیک ہے محمود صاحب میں آج شام تک ہی کنو سے معلومات لے کر آپ کو آگے پاس کر دیتا ہوں۔کیا آپ ادھر ہی ہوں گے یا میں کسی اور طریقے سے رابطہ کروں گا۔میں نے ان سے سوال کیا۔نہیں میں تو ابھی یہاں سے چلا جاؤں گا۔شہر کی سکیورٹی بہت بڑھ گئی ہے۔میرا یہاں رہنا خطرناک ہوگا۔البتہ یہ موبائل اپنے پاس رکھ لو۔یہ سیٹلائٹ فون ہے۔

اس پر کی جانے والی بات کہیں بھی راستے میں چیک نہیں ہوتی۔تم بلا خوف ہو کر اس سے بات کر سکتے ہو۔یہ تمہارے بلیوٹوتھ کے ساتھ بھی ڈبل کنیکٹ ہو سکتا ہے۔اس سے تم اپنے اوریجنل فون سے بھی بات کر سکتے ہو اور اس موبائل سے بھی بات کر سکتے ہو۔اوریجنل موبائل کی بات تو دوسری طرف

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے ریکارڈ ہوگئی لیکن اس موبائل کی کال کہیں بھی راستے میں رکارڈ نہیں ہوگی۔ تم نے صرف ایک بٹن دبانا ہے اور بالکل نارمل انداز میں دوسری طرف کی بات سن بھی سکتے ہو اور تمہارے بالکل بڑبڑانے کی آواز بھی دوسری طرف بلکل صاف جائے گی۔ اس لیے تم کام کرتے ہوئے بھی رپورٹ دے سکتے ہو اور دوسری طرف سے احکامات وصول بھی کر سکتے ہو۔ اگلے دو دن تک یہ موبائل تمہارے پاس ہی رہے گا اور جیسے ہی چانسلر باحفاظت کارلسروہے سے واپس چلی جائے گی اس کے بعد تمہیں اس موبائل کو واپس کرنا ہوگا۔ یہ سرکاری سامان ہے انہوں نے مجھے موبائل کے سارے فنکشن سکھائے اور اسے میری بلوٹوتھ کے ساتھ کنیکٹ بھی کر دیا۔ بیٹا آج اور کل کا دن بہت اہم ہے۔ چانسلر بہت اچھی ہیں۔ اور یہ پاکستان کے متعلق بہت نرم گوشہ رکھتی ہیں۔ ہمارے ساتھ جرمنی کے بہت اچھے تعلقات بنا کر رکھ رہی ہیں۔ بیٹا انہیں کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی جان دے دینا لیکن چانسلر پر کوئی آنچ نہ آنے دینا۔ یہ ہم مسلمانوں کی بہت بڑی محسن ہیں۔ ہم مسلمان کبھی اپنے محسنوں کو بھولتے نہیں ہیں۔ میں نے تمہاری فائل پڑی ہے اور تمہاری بہادری کا قائل بھی ہوں۔ تم انتہائی تیز ایکشن کرتے ہو۔ اس بار بھی چاہے جتنا مرضی نقصان ہو چانسلر کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ سر اب یہ میرا افیشل مشن ہے۔ میں نے انہیں سر کہتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے راضی اب میں چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا اور کبھی بھی اپنی شناخت ظاہر مت کرنا۔ اگر تم پکڑے جاتے ہو تو ایجنسی تمہاری کوئی مدد نہیں کرے گی۔ ہم تمہیں اپنا آدمی ماننے سے ہی انکار کر دیں گے۔ تم ایجنسی کی پالیسی سے واقف ہو۔ جب کوئی ایجنٹ پکڑا جاتا ہے ایجنسی اس سے لاتعلق ہو جاتی ہے۔ بیٹا تم بہت اچھے ایجنٹ ہو ایجنسی کو تمہاری ضرورت ھے۔ لیکن جب بات پاکستان پر آئے گی تو پھر تم کچھ بھی نہیں ہو۔ وہ فوراواپس مڑے اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ اب یہ صرف ساڑھے پانچ ہیں بجے تھے۔ کام پر جانے کے لئے کافی وقت تھا۔ میں نے جلدی جلدی نہا کر کپڑے تبدیل کئے اور کمرے سے باہر آ گیا۔ میرا رخ ریسٹورنٹ کی بجائے کنو کے گھر کی طرف تھا۔ ریسٹورنٹ جانے میں ابھی پورا 1 گھنٹہ پڑا ہوا تھا۔ میری طرح کنو بھی ریسٹورنٹ کے نزدیک ہی رہتی تھی۔ دس منٹ میں ہی میں پیدل چلتا ہوا کنو کے گھر پہنچ گیا۔ وہ ایک پانچ منزلہ بلڈنگ کے دوسرے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فلور پر رہتی تھی۔ میں نے جیب سے ایک تار نکال کر اس کی مدد سے بلڈنگ کا بیرونی دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ سامنے ہی لفٹ لگی ہوئی تھی میں لفٹ کی مدد سے پہلے فلور پر چلا گیا۔ یہاں دو گھر تھے جن میں ایک ابھجیت کا تھا جس کے ساتھ کنو رہ رہی تھی جبکہ دوسرا گھر کسی جرمن فیملی کا تھا۔ میں نے کنو کے گھر کے دروازے سے کان لگا کر اندر کی آوازیں سننے کی کوشش کی۔ اندر گھر میں ایک کچن اور دو کمرے تھے جبکہ درمیان میں ایک چھوٹی سی رہداری تھی۔ جس کے آخری سرے پر مرکزی بیرونی دروازہ تھا۔ راہداری میں ایک طرف ایک کمرہ اور کچن تھا جبکہ دوسری سائیڈ پر کمرے کے ساتھ باتھ روم تھا۔ مجھے اندر گھر سے آوازیں آرہی تھیں گھر والے جاگ گئے تھے اور باتیں کر رہے تھے میں نے کی ہول میں آنکھ لگا کر اندر دیکھنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف رہ داری میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ وہ دونوں اندر کمرے میں موجود تھے یا پھر کچن میں مجھے صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ جبکہ ان کی آواز بھی صحیح سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے ایک بڑا رسک لینے کا ارادہ کیا۔ مجھے کسی بھی حالت میں ان کی باتیں سننی تھیں۔ میں نے گھر میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا ویسے بھی آدھر کھڑا ہونا خطرناک تھا۔ دوسرے گھر سے کوئی اچانک باہر نکلتا تو میرے لئے چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ مجھے کمرے کے دروازے سے کان لگائے دیکھ لیتا تو شور مچا دیتا اس کے بعد یہاں سے بھاگنا میرے لئے ممکن نہ ہوتا۔ گھر کے اندر میں قدرے محفوظ تھا۔ کنو اور ابھجیت اگر مجھے دیکھ بھی لیتے تو بھی مجھے ان پر قابو پانا آسان تھا۔ میں آدمی کا ایک ٹریڈ ایجنٹ تھا میرے لئے دس بارہ عام لوگوں سے لڑنا اور ان پر قابو پانا آسان تھا۔ ہمیں اس کی باقاعدہ ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ہمیں مخصوص جگہوں پر ایک مخصوص طاقت سے ضرب لگانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ میں ہلکے سے ہاتھ سے ہی ایک آدمی کو کئی گھنٹوں تک بے ہوش کر سکتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر کی ہول سے آنکھ لگا کر اندر دیکھا۔ دوسری طرف کوئی بھی موجود نہیں تھا آوازیں اندر کمرے سے آرہی تھیں۔ میں نے جیب سے دوبارہ وہی تار نکالی جس کی مدد سے میں نے بلڈنگ کا باہری مین گیٹ کھولا تھا۔ تیس سیکنڈ کے قلیل وقت میں ایک ہلکی سی کھٹک کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں نے آہستگی سے دروازے کو ہلکا سا کھولا اور گھر کے اندر جھانکا۔ اندر راہداری میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ اندر کی طرف دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل لگا ہوا تھا۔ اندر سے باہر جانے کے لئے کسی چابی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ میں نے اپنے پیچھے دروازے کو بند کیا۔ میں کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں واپس فورا جا سکتا تھا۔ گھر سے آنے والی آوازیں اب واضح ہوگئی تھیں۔ وہ سامنے والے کمرے سے آرہی تھیں۔ کمرے کا دروازہ بند تھا آواز اسی لیے زیادہ دور تک نہیں جا رہی تھی۔ ابھی میں گھر کے اندر آ گیا تو مجھے واضح آواز سنائی دے رہی تھی۔ گرمیوں کے دن تھے دن جرمنی میں گرمی زیادہ تو نہیں پڑتی ہے۔ لیکن پھر بھی شہروں کے اندر چھوٹے چھوٹے گھروں میں گرمی محسوس ہوتی ہے۔ یہاں پنکھوں کی بجائے اے سی زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ پنکھوں کا رواج جرمنی میں انتہائی کم ہے۔ پنکھے بھی یہاں پلاسٹک کے چھوٹے چھوٹے استعمال کئے جاتے ہیں جنہیں ٹیبل فین کہا جاتا ہے۔ پنکھے کی بجائے اے سی زیادہ آسان ہوتا ہے۔ بجلی کے نرخ جرمنی میں نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ بجلی کا بل ماہانہ کی بجائے تین مہینے بعد آتا ہے اور یہ سو یورو سے لے کر ڈیڑھ سو یورو تک ہوتا ہے۔ دو ہزار یورو ماہانہ کمانے والے عام مزدور کے لیے تین مہینے بعد ڈیڑھ سو یورو دینا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ پانی کا بل تو اس سے بھی کئی حصے کم ہوتا ہے جو پچاس یورو سے بھی کم ہوتا ہے۔ یہ بھی تین مہینے بعد ہی آتا ہے۔ شہر کے اندر زیادہ تر گھر بجلی اور پانی سمیت کرائے پر دیے جاتے ہیں۔ اوسطاً ایک کمرے کا کرایہ تین سو یورو تک ہوتا ہے۔ جس میں بجلی اور پانی کا بل مالک ادا کرتا ہے۔ ایک کمرے میں صرف دو لوگ رہ سکتے ہیں۔ دو سے زیادہ لوگوں کو ایک ایک کمرے میں رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ مکان کرایہ پر دینے سے پہلے باقاعدہ شہری انتظامیہ سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ ان دونوں کے کمرے میں بھی اے سی لگا ہوا تھا۔ دروازہ اسی لیے بند کیا ہوا تھا تاکہ اے سی کی ٹھنڈک باہر نہ جا سکے۔ یہ میرے لیے اچھی بات تھی۔ میں آسانی سے کمرے کے دروازے سے کان لگا کر انکی باتیں سن سکتا تھا۔ انکل بھگوان کے لیے اب تو مجھے جانے کی اجازت دے دیں۔ دو ہفتے ہوگئے ہیں ابھی تک آپ نے مجھے قیدی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ جب کہ میرے ماں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

باپ کہاں ہیں کس حال میں ہیں مجھے ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔ مجھے کنو کی آواز سنائی دی۔ وہ ابھجیت کی منتیں کر رہی تھی۔ میں نے کی ہول سے آنکھ لگا کر اندر کا منظر دیکھا تو مجھے ایک جھٹکا لگا۔ اندر کمرے کا منظر بہت ہولناک تھا۔ میں نے فوراً اپنی نظر کمرے کے کی ہول سے ہٹا لیں۔ وہ دونوں کمرے کے بیڈ پر شیطانی کھیل میں مصروف تھے۔ کنو اس کے نیچے دبی منتیں کر رہی تھی جبکہ وہ بوڑھا شیطان اسکے جسم کے نشیب وفراز سے کھیل رہا تھا۔ مجھے ان کے درمیان تعلقات کا اندازہ تو پہلے سے ہی تھا لیکن پھر بھی ایک ہلکی سی امید تھی۔ شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا ہو لیکن آج بہر حال انہیں اس حالت میں دیکھ کر مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ مجھے کنو اچھی لگتی تھی۔ بلکہ بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ ایسی لڑکی تھی جس سے انسان کو محبت ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی شاید کنو سے محبت ہو گئی تھی۔ جانے من صرف دو دن کی اور بات ہے اس کے بعد تم آزاد ہو گی۔ ابھجیت کی آواز میں ایک عجیب سا نشہ اور غرور تھا۔ یہ نشہ جوانی کا تھا جو اس وقت اس کی دسترس میں تھی۔ انکل آپ ایک بار میری میرے والدین سے بات تو کروا دیں۔ میں ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ بھگوان کے لئے میری حالت پر ترس کھائیں۔ کنو بدستور اس کی منتیں کر رہی تھی۔ میں نے حوصلہ کر کے ایک بار پھر دروازے کے کی ہول سے آنکھ لگا دی۔ میں اس منظر کو دیکھنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن پھر بھی مجبوری تھی۔ وہ اچانک اٹھ کر دروازے کو کھول سکتے تھے۔ مجھے ان پر نظر رکھنی تھی تا کہ وہ بیڈ سے اٹھے تو میں بھاگ کر کمرے سے باہر نکل جاؤں۔ مجھے ان کی طرف سے کوئی خطرہ تو نہیں تھا۔ لیکن چونکہ ابھی تک مجھے ابھجیت اور کنو کے مشن کا پتہ نہیں تھا اسی لیے میں ان کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک بار ان کے مشن کا پتہ چل جاتا تو پھر اس کے مطابق ہی میں نے اپنا آگے کا لائحہ عمل بنانا تھا۔ دیکھو بے بی میری بات دھیان سے سنو تمہارے ماں باپ اور دونوں چھوٹے بھائی بالکل خیریت سے ہیں اور ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ہمیں تم سے ایک بہت چھوٹا سا کام ہے۔ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ تم آسانی سے اس کام کو کر سکتی ہوں۔ بس صرف آج کا دن ہے کل کو تمھیں سارا کام بتا دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد تم آزاد ہو۔ تمہارے ماں باپ کو بھی انڈیا واپس بھیج دیا جائے گا اس نے کنو کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ انکل آپ کام تو بتا دیں میں ہر کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ ان سے پوچھنے لگی۔ نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جانو ابھی نہیں ابھی بتا دیا تو پرابلم ہو جائے گی۔صرف آج کا دن ہی ہے کل تمہیں میں پوری تفصیل بتا دوں گا۔ٹھیک ہے اور اب مزید بحث مت کرو مجھے تھوڑا مزہ تو لینے دو۔

میں جب بھی تمہارے پاس آتا ہوں تو بالکل ایک لاش کی طرح ٹھنڈی لیٹ جاتی ہو۔یار تھوڑا تم بھی گرم جوشی دکھاؤ تمہیں بھی مزہ آئے گا اس نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔اس کے اگلے 3 دانت گر چکے تھے۔بوڑھا پلپلا سامنہ اس کے منہ کی طرف آرہا تھا۔اسے بڑے زور سے ابکائی آرہی تھی لیکن اس نے بڑی مشکل سے اس ابکائی کو روکا ہوا تھا۔وہ مجبور تھی۔اس نے ایک چھوٹی سی غلطی کی تھی جس کی سزا سب کو مل رہی تھی۔اس کا محبوب لکھوندر مارا جا چکا تھا۔جبکہ اس کے ساتھ آئے اس کے دونوں دوست بھی بیچارے بلاوجہ ہی مارے گئے تھے۔اس کے ماں باپ کو اس کے ساتھ ہی اغواء کیا گیا تھا۔ابھی اس کو ان کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔ایک موہوم سی امید تھی شاید وہ زندگی دوبارہ شروع ہو جائے۔لیکن یہ سب کچھ ناممکن تھا۔عورت جب ایک بار گھر سے نکلتی ہے تو اس کے سامنے بڑے بڑے درندے منہ کھولے کھڑے ہوتے ہیں۔کنو ان درندوں سے اپنے آپ کو نہ بچا سکی تھی۔اسے ایک مہینے کے مختصر سے عرصے میں درجنوں افراد نے لوٹا تھا۔اسے اپنے جسم سے نفرت ہو گئی تھی۔جیسے ایک بیس سال کے نوجوان سے لے کر 70 سال کے بوڑھے تک نے لوٹا تھا۔اسے اب کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔وہ خاموشی سے سیدھی لیٹ جاتی تھی۔بالکل کسی گڑیا کی طرح سامنے والا مرد ہی اسے اپنی مرضی کے مطابق کبھی سیدھی کرتا تھا کبھی الٹا کرتا تھا۔وہ خاموشی سے اس کی مرضی کے مطابق ڈھل جاتی تھی۔اسے دنیا کے سارے ہی مرد عیاش اور لٹیرے ھی لگتے تھے۔صرف ایک کو چھوڑ کر وہ اس ایک پر تھوڑا اعتماد کرنے لگی تھی۔اسے وہ لڑکا بھیڑیا نہیں لگتا تھا۔بلکہ بہت معصوم لگتا تھا۔جسے کنو کے جسم سے لگاو نھیں تھا بلکہ وہ کنو کی روح سے محبت کرنے لگا تھا۔وہ کنو کی عزت کرتا تھا۔اسے کنو کے کسی بھی کردار سے کوئی غرض نہیں تھی۔شاید اسی لیے کنو بھی اس کی طرف مائل ہونے لگی تھی۔وہ لڑکا میں نہیں تھا۔بلکہ ضلع سنگھ تھا۔میرا استاد ضلع سنگھ جو ہم سب میں سے سب سے جونیئر تھا۔ہم سب سے زیادہ اچھے اور ہینڈسم تھے لیکن کنو استاد کی طرف چلی گئی تھی۔شاید اسی لیے بزرگ کہتے ہیں عورت کو سمجھنا ناممکن ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عورت ایک ایسی پہیلی ہے جو کبھی حل نہیں ہو سکتی۔ کنو ضلع سنگھ کی معصومیت اور محبت سے متاثر ہو گئی تھی۔ ہم سب پیچھے رہ گئے تھے۔ میں مزید کچھ دیر تک ادھر ہی کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ جب ابھیجیت نے اپنا کام ختم کیا اور وہ باہر آنے لگا تو میں بھاگ کر گھر سے باہر آ گیا۔ باہر نکل کر رکھنے کی بجائے میں سیڑھیوں سے نیچے اترا اور بلڈنگ سے باہر آ گیا۔ ریسٹورنٹ کھولنے کو ابھی بیس منٹ باقی تھے میں نے ٹیکسی پکڑی اور جمیل کے پاس چلا گیا۔ اسے فون کر کے میں نے مکڈونلڈ نے بلا لیا تھا۔ وہ میکڈونلڈ کے بالکل نزدیک ہی رہتا تھا۔ پانچ منٹ میں وہ میکڈونلڈ پر پہنچ گیا۔ اس نے کافی لی اور ایک خالی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ میں نے اسے پوری تفصیل سے آگاہ کیا۔ اور اسے ابھیجیت پر نظر رکھنے کی ہدایت کر کے واپس ریسٹورنٹ آ گیا۔ اس سے آگے ابھیجیت کے معاملے کو جمیل دیکھ لیتا۔ ہمارے ایجنسی نے ہماری مدد کے لیے پانچ لڑکے بھیج دیے تھے۔ وہ پانچوں لڑکے سیاحوں کے روپ میں کارلسروہے آئے تھے۔ جو شہر کی تقریبات کو دیکھنے آئے تھے۔ اب یہاں ہماری تعداد سات ہو گئی تھی۔ میں ٹھیک سات بجے ریسٹورانٹ میں داخل ہو گیا۔ جرمن پولیس کا اہلکار اندر کچن میں ہی بیٹھا ہوا تھا۔ گوٹن مارگن آفیسر میں نے خوش اخلاقی سے اسے سلام کیا۔ اور کچن کی گیس آن کر کے چولہہ اور تندور آن کر دیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے بار پر آ کر کافی مشین بھی آن کی اور پھر سی ڈی پر سکھ منی کا پاٹ لگا دیا۔ کیونکہ اب کام بہت زیادہ ہوتا تھا اس لئے صفائی والا لڑکا رات کو ہی صفائی کر دیتا تھا۔ میں نے ریسٹورنٹ کی لائٹ جلائی اور باہری مین دروازہ کھول دیا۔ مالک آٹھ بجے کے قریب آیا تو ان سے میں نے کل کی چھٹی مانگ لی۔ کل ریسٹورنٹ میں بھی کام بہت زیادہ تھا لیکن میں ریسٹورنٹ میں نہیں رہ سکتا تھا۔ مجھے شہر کی مرکزی تقریب میں جانا تھا۔ میں چانسلر پر ہونے والے ممکنہ حملے کو روکنا چاہتا تھا۔ مالک کو میرا پتا تھا میں کام پوری توجہ سے کرتا تھا۔ لیکن چھٹی کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں ہوتا تھا۔ میں ضرورت کے مطابق چھٹی مانگتا تھا اور یہ لازمی چھٹی ہوتی تھی۔ راضی مکمل چھٹی چاہیے یا صبح کچھ دیر کے لیے آؤ گے مالک نے مجھ سے پوچھا۔ انہیں معلوم تھا مرکزی تقریب شام کو چار بجے کے قریب ہونی تھی۔ میں صبح فسٹ ٹائم دو گھنٹے کے لیے آ سکتا تھا۔ پاہ جی میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صبح 10 بجے تک رہ سکتا ہوں اس کے بعد چلا جاؤں گا۔ میں نے کہا۔ چلو پھر ٹھیک ہے یہ ہمارے لیئے آسان ہو جائے گا۔تم صبح آ جانا تین گھنٹے کام کرنا اس کے بعد 10 بجے تم جا سکتے ہو۔ رات کو تمہاری مرضی اگر آنا چاہو تو ٹھیک ہے ورنہ ضروری نہیں ہے۔تم آرام سے پرسوں صبح صبح آ جانا۔ مالک نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔کنو بی ریسٹورنٹ آ چکی تھی۔

اور وہ ایک ٹیبل پر گاہکوں سے آرڈر لے رہی تھی۔ٹھیک ہے شیف بہت دھنے واد آپکا میں نے مالک کا شکریہ ادا کیا اور کام پر لگ گیا۔ کچن میں ایک ٹیبل کا کھانا تیار ہو گیا تھا۔انہوں نے کھانا اٹھانے کے لیے بیل بجائی تو میں کچن کی طرف چلا گیا۔ رات کو گیارہ بجے کے قریب میرے بلیوٹوتھ پر ہلکی سی بپ ہوئی تو میں نے جلدی سے کام چھوڑا اور مالک کو کہہ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ میں نے ہاتھ سے بلیو ٹوتھ آن کیا اور اپنا پاسورڈ بتایا۔ دوسری طرف سے مجھے اطلاع ملی کنو کے والدین کو صومالیہ سے باحفاظت چھڑوا لیا گیا تھا۔ ان کو ایک فارم ہاؤس پر رکھا گیا تھا۔آئی ایس آئی نے ایک چھوٹی سی کارروائی کر کے انہیں وہاں سے چھڑوا لیا۔ اغوا کار عام نارمل سے دہشت گرد تھے۔جنہیں صرف بندوق چلانا ہی آتی تھی۔ایجنسی کے تجربہ کار کمانڈوز کے سامنے سارے پانچ منٹ بھی نہیں نکال سکے۔ وہ سب مارے گئے اور کنو کے گھر والوں کو باحفاظت بازیاب کروا لیا گیا۔ وہ اب بین الاقوامی سمندر میں پاکستان نیوی کے ایک جہاز پر موجود تھے۔ یہ شپ صومالیہ کے بحری قزاقوں کی سرکوبی کے لیے اقوام متحدہ کی طرف سے لگایا گیا تھا۔ کیونکہ اس راستے سے ایشیا اور یورپ کی تجارت ہوتی تھی۔ اس راستے سے تجارتی جہاز گذرتے تھے۔جنہیں صومالیہ کے بحری قزاق ہائی جیک کر لیتے تھے۔ پاکستان نیوی کا بحری جہاز تجارتی قافلوں کی حفاظت کے لیے صومالیہ میں لگا ہوا تھا۔ یہ اقوام متحدہ کے امن مشن کا حصہ تھا۔ ایجنسی نے کنو کے گھر والوں کو آزاد کروا کر بحری جہاز پر منتقل کر دیا تھا۔ سر آپ ایک دن مزید کنو کے والدین کو اپنے قبضے میں رکھیں مجھے ابھی تک کنو کے مشن کا کوئی پتہ نہیں لگ سکا ہے۔ کنو کو بھی ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہے۔ میں نے انکو کنو کے والدین کو چھڑانے والی خبر کو عام کرنے سے روکا تھا تا کہ وہ اپنا کام کرتے رہیں۔ اگر ہم کنو کو بچا لیتے تو وہ کسی اور کے ذریعے یہ کام کروا لیتے اسی لیے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں پہلے ان کا مشن جاننا چاہتا تھا تا کہ اسے روک سکو۔ٹھیک ہے راضی ہم فی الحال اس خبر کو عام نہیں کریں گے۔جب تم کہو گے تب ہی اسے پبلک کیا جائے گا۔شکریہ سر میں کوشش کر رہا ہوں کل صبح تک معلوم ہو جائے گا میں نے آہستگی سے کہا۔ٹھیک ہے راضی میں تمہیں صومالیہ کے سمندر میں لگے ہوئے شپ کے کپتان کا نمبر میل کر دیتا ہوں تم کسی بھی وقت کنو کے والدین سے بات بھی کر سکتے ہو اور کنو کی بات بھی کروا سکتے ہو۔وہ بیچاری لڑکی پچھلے ایک مہینے سے بلیک میل ہو رہی ہے۔دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لائن کاٹ دی گئی۔میں نے ٹائلٹ کو فلش کیا اور جلدی سے باہر آ گیا۔باہر ریسٹورنٹ میں کام اپنے عروج پر تھا۔چانسلر چونکہ کل آ رہی تھی اس لئے آج کا دن بھی زیادہ ہنگامہ خیز تھا۔شہر سیاحوں سے بھر چکا تھا۔مارکیٹوں اور ریسٹورنٹوں میں عوام نے کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر امڈتا نظر آتا تھا۔رش سے زیادہ ہو گیا تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک چانسلر کو دیکھنے کے لیے پورا جرمنی ہی آ گیا ہو۔ہمارے ریسٹورنٹ میں بھی گاہک گنجائش سے زیادہ آ گئے تھے۔چار چار لوگوں کے بیٹھنے والی میزوں پر ہم اضافی کرسیاں لگا کر چھ لوگ بٹھا رہے تھے۔بہت سے لوگ رسٹورنٹ آ رہے تھےلیکن جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کھانا پیک کروا کر لے جا رہے تھے۔رات کو ایک بجے تک ایسے ہی مسلسل کام چلتا رہا۔اس کے بعد رش ختم ہوا۔میں نے ایک دو بیٹھے ہوئے گاہکوں سے معذرت کی کہ ریسٹورنٹ کرنا ہے۔وہ باہر گئے تو ڈیڑھ بجے کے قریب ہم نے رسٹورنٹ بند کر دیا۔کھانا ہم اب آخر میں کھانے کی بجائے دو دو کر کے پہلے ہی کھا لیتے تھے۔تا کہ آخر میں رسٹورنٹ بند کرتے ہیں جا کر سو جائیں۔ٹارزن کا کمرہ ہم میں سے سب سے دور تھا۔اسے گھر پہنچنے میں بیس منٹ لگ جاتے تھے۔کام کے دنوں میں شیف ہر رات اسے کار پر چھوڑ کر آتا تھا۔وہ منع بھی کرتا رہتا تھا۔لیکن پھر بھی مالک اسے ہر رات خود چھوڑ کر آتا تھا۔انہیں معلوم تھا ہم اپنی بساط سے بڑھ کر کام کر رہے ہیں۔اس لیے وہ بھی ہماری عزت کرتے تھے۔مالک اچھا اور عزت کرنے والا ہو تو مزدور دل سے کام کرتا ہے۔ہمارا مالک بہت اچھا تھا۔اس لئے ہم سب انتہائی محنت سے کام کر رہے تھے۔تھکاوٹ سب کو محسوس ہوتی تھی۔لیکن ہمیں معلوم تھا یہ رش صرف چانسلر کی وجہ سے ہے۔جیسے ہی چانسلر نے آ کر واپس جانا تھا دوسرے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دن ہی شہر میں آنے والے مہمان بھی واپس چلے جاتے تھے۔ اور پھر کام بھی معمول پر آ جاتا تھا۔
دوسرے دن صبح صبح میں پھر پانچ بجے کے قریب اٹھ گیا اور دوبارہ کنو کے گھر پہنچ گیا۔ کل تو مجھے صحیح اندازہ نہیں تھا لیکن اس بار مجھے معلوم تھا۔ اس لئے میں نے آرام سے پہلے بیرونی دروازہ کھولا اور ان کے گھر کے باہری دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے ایک نظر کی ہول میں ڈال کر اندر کا منظر دیکھا۔ کل کی طرح اس دن بھی راہداری خالی تھی کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ میں نے تار کی مدد سے گھر کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ آج میں مکمل تیاری کر کے آیا تھا۔

میں نے انکے کمرے کے کی ہول سے آنکھ لگائی۔ وہ دونوں ابھی تک سو رہے تھے۔ میں زیادہ جلدی آ گیا تھا۔ ابھی صرف پانچ ہی بجے تھے۔ جب کہ کل میں چھ بجے کے قریب آیا تھا تو اس وقت وہ دونوں اپنے شیطانی فعل میں مصروف تھے۔ میں نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا مائیکروفون نکالا اور اسے ان کے کمرے کے دروازے کے نیچے ہاتھ بڑھا کر لگا دیا۔ یہ انتہائی شفاف بٹن سے بھی چھوٹا لیکن انتہائی طاقتور مائیکروفون تھا۔ یہ اپنے آس پاس بیس میٹر کے دائرے میں ہونے والی گفتگو بلکل صاف سنا سکتا تھا۔ اس کا براہ راست رابطہ جمیل کے موبائل سے تھا۔ اب یہاں میرے علاوہ جمیل بھی ان کی باتیں سن سکتا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں گھر سے باہر آ گیا۔ مائیکروفون کی موجودگی کی صورت میں میرا وہاں رہنا ضروری نہیں تھا۔ اس لیے میں وہاں سے نکلا اور میکڈونلڈ پر آ گیا کارلسروہے شہر میں تین میکڈونلڈ تھے۔ اور یہ تینوں ہی چوبیس گھنٹے کھلے رہتے تھے۔ کارلسروہے شہر پوری رات جاگتا رہتا تھا۔ یہاں کے کلب رات بارہ بجے کھلتے تھے اور صبح نو بجے بند ہوتے تھے۔ میں نے مکڈونلڈ پر پہنچ کر کافی لی اور جمیل کو کال کر کے مکڈونلڈ پر ہی بلا لیا۔ یہاں اس وقت بھی کافی رش تھا۔ دس منٹ کے اندر اندر وہ بھی تیّار ہو کر آ گیا۔ کیسے ہو جمیل جوڑا اٹھ گیا ہے یا ابھی تک سو رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ چونکہ مائیکروفون کا رسیور اس کے پاس تھا اس لئے کنو اور ابھجیت کے درمیان ہونے والی گفتگو کو وہی سن رہا تھا۔ نہیں ابھی تک نہیں اٹھے ہیں اس نے کرسی کھینچی اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔ کافی پیو گے یا چائے کا موڈ ہے۔ یہاں کولڈ چائے کا کین ملتا تھا۔ جو کہ ہم ایشین لوگ بلکل پسند

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں کرتے تھے۔ میں نے کافی لینی ہے میں لے آتا ہوں اس نے اٹھنا چاہا لیکن میں نے اسے منع کر دیا اور خود اٹھ کر اس کے لیے کافی لانے چلا گیا۔ کنو اور ابھیجیت کبھی بھی اٹھ کر بات کر سکتے تھے۔ میں نے اسے گفتگو سننے کا کہا تھا۔ آج چانسلر آ رہی تھی میں کوئی بھی چانس نہیں لینا چاہتا تھا۔ پانچ منٹ تک میں کافی لے کر آیا تو اتنی دیر میں ابھیجیت اٹھ چکا تھا۔ اس نے اٹھتے ہیں کنو کو بھی اٹھا دیا اور اب دونوں اٹھ کر ایک دوسرے سے چپٹے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کافی جمیل کے سامنے رکھی تو اس نے آنکھ کے اشارے سے مجھے بتایا کہ دونوں اٹھ چکے ہیں۔ میں خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ کر کافی پینے لگا۔ چونکہ ابھیجیت کی ساری نگرانی جمیل کر رہا تھا۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کی ذمہ داری بھی جمیل کی تھی۔ اس لئے میں خود سننے کی بجائے اسے سنا رہا تھا تاکہ وہاں ابھیجیت کو گھیرنے کا پلان بنا سکے۔ تقریبا ایک گھنٹے بعد جمیل ان کی طرف سے مطمئن ہو گیا۔ اس نے دوسری طرف سے سارا منصوبہ سن لیا تھا۔ سر کنو چانسلر کے کھانے میں زہر ملانے والی ہے۔ یہ سلو پوائزن زہر ہے اس کا اثر دو گھنٹے کے بعد ہوتا ہے۔ یہ اصلی انڈین زہر ہے اسے کھانا ٹیسٹ کرنے والا کوئی بھی ڈاکٹر پہچان نہیں سکے گا۔ چانسلر کے کھانے سے پہلے یہ کھانا ایک سکیورٹی اہلکار کو کھلایا جاتا ہے۔ عسکری ایکشن دیکھ کر ہی چانسلر اور دوسرے سٹاف کو کھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ سر یہ زہر ٹیسٹ بھی نہیں ہوگا اور اس کا اثر بھی دو گھنٹے بعد ہوگا۔ بلکل پرفیکٹ منصوبہ ہے۔ ہم کو اگر کنو پر شق نہ ہوتا یا پھر آپ اگر اس ریسٹورنٹ میں کام نہ کر رہے ہوتے تو ہم کبھی بھی اس شخص تک نہ پہنچ پاتے۔ یہ لوگ کنو کے ذریعے زہر کھانے میں ملا دیتے اور چانسلر آسانی سے اس کھانے کو کھا لیتی۔ سر چانسلر واقعی بہت قسمت والی ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی جس طرح مدد کی ہے خدا بھی انہیں بچا رہا ہے۔ اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ جمیل خدا اوپر آسمان پر بیٹھا سب دیکھ رہا ہے۔ مارنے والے سے بچانے والا ہمیشہ طاقتور ہوتا ہے۔ جمیل بھائی سیکریٹ ایجنسی میں سارے معاملات دعاؤں سے نہیں ہوتے۔ ہمیں خود بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ چانسلر کو مارنے والوں نے کنو والا صرف ایک ہی جال نہیں بچھایا ہوگا۔ یہاں لازمی طور پر کوئی بیک اپ پلان بھی ہوگا۔ ایک کنو کو یہاں تک لانے میں ان لوگوں نے کروڑوں یورو لگائے ہیں۔ پیچھے انڈیا میں درجنوں لوگ اس کنو کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حاصل کرنے کے لیے مارے گئے ہیں۔جمیل بھائی کنو کو یہاں تک لانے کے لئے بہت بڑا منصوبہ بنایا گیا تھا۔تم کیا کہتے ہو جو لوگ اتنا پیسہ لگا سکتے ہیں۔انہوں نے سارا پلان ایک کنو پر ہی بنایا ہوگا۔میں نے الٹا اس سے سوال کیا۔نہیں سر واقعی آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں ان کے پاس لازمی بیک اپ پلان بھی موجود ہوگا۔وہ کسی اور ذریعے سے بھی زہر ملائیں گے اس نے جواب دیا۔نہیں یار دوسرا پلان زہر نہیں ہوگا۔انہیں معلوم ہے بلان فیل ہو گیا تو چانسلر کھانا ہی نہیں کھائیں گی۔یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک لڑکی زہر ملاتے ہوئے پکڑی جائے اور اس کے باوجود بھی وہ کھانا کھائیں۔نہیں جب ایک بار کھانے کی طرف سے شک پڑ گیا تو چانسلر کبھی بھی کھانا نہیں کھائیں گے۔یہ سیکنڈ پلان نہیں ہے میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

سر پھر سیکنڈ پلان کیا ہو سکتا ہے اس نے سوال کیا۔دیکھو ابھی تک تو میں بھی اندھیرے میں ہو سیکنڈ پلان موجود تو ہے لیکن وہ کیا ہوگا کیسے ہوگا اس میں کتنے لوگ ملوث ہو ہوں گے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ سیکنڈ پلان ہوگا ضرور۔میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔سر پھر آگے ہمارے لئے کیا حکم ہے اس نے مجھ سے پوچھا۔تم ایسا کرو جیسے ہی کنو نکلتی ہے تم ابھیجیت کو اغوا کر کے ہیڈ کوارٹر لے جاؤ اور اس پر تشدد کر کے اس سے معلومات لینے کی کوشش کرو۔دس بجے میں بھی چھٹی کر کے آجاؤں گا تب تک تم اس سے اگلوا لینا۔میں کنو سے زہر والا مصالحہ بھی لے لوں گا وہ بے چاری بلیک میل ہو رہی ہے اس لیے زہر اس سے لے کر اسے آزاد کر دیں گے۔اس کا اس پورے معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے۔دس بجے تک تم پوری معلومات لے لینا اس کے بعد دیکھتے ہیں آگے کیا کرنا ہے۔میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ابھیجیت کا بعد میں کیا کرنا ہے۔کیا اسے پولیس کے حوالے کرنا ہے اس نے سوال کیا۔نہیں اسے مار دینا گھنٹے دو گھنٹے تک تشدد کرو اور معلومات لینے کی کوشش کرو اس کے بعد گلا گھونٹ کر مار دینا۔وہ زندہ ہمارے لیے خطرناک ہوگا۔میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور ریسٹورنٹ آ گیا۔ابھیجیت اگر پولیس کے ہتھے چڑھ تا تو وہ کنو کے بارے میں بتا دیتا۔کنو کے ساتھ ساتھ خود میں بھی پھنس جاتا۔خفیہ پولیس والے جب انکوائری کرتے ہیں تو بال کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں۔میں ابھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تک کسی بھی مشکوک سرگرمی میں ملوث نہیں پایا گیا تھا۔لیکن پھر بھی احتیاط لازمی تھی ۔خفیہ ایجنٹ تو اپنے سائے سے بھی بچ کر چلتے ہیں ۔ یہی احتیاط ہی ہمیں بیرون ملک میں بچاتی ہے۔ میں نے ریسٹورنٹ آن کیا اور گاہکوں کا انتظار کرنے لگا۔ کنو آدھے گھنٹے تک آ گئی۔ اس وقت تک دو گاہک آ گئے تھے۔ ریسٹورنٹ آج صرف بارہ بجے تک ہی کھلا تھا اس کے بعد چانسلر کا کھانا تیار ہونا تھا اس لیے ریسٹورنٹ بند ہو جاتا اور پھر چانسلر کے کھانے کے بعد دوبارہ پانچ بجے اوپن ہونا تھا۔ میرا مالک چانسلر کی پوری ٹیم کا کھانا بنا رہا تھا۔ یہ ٹوٹل دس آدمیوں کا کھانا تھا۔ مالک دس آدمیوں کے کھانے کے وی آئی پی ریٹ لے رہا تھا۔ جبکہ شہری انتظامیہ انہیں ریسٹورنٹ بند رکھنے کی زرتلافی بھی دے رہی تھی۔ جسے میرا مالک منع کر رہا تھا۔ چانسلر کے لیے کھانا بنانا ہی مغل محل کے لئے اعزاز کی بات تھی۔ مالک اس اعزاز کو اگلے دس سال تک کیش کرواتا رہتا۔ وہ کئی گناہ زیادہ منافع کمایا جاتا۔ ریسٹورنٹ میں ابھی تک ایک ہی سپاہی موجود تھا جو مستقل ڈیوٹی پر موجود ہوتا تھا۔ کنو کیسی ہو میں نے اس کی خیریت دریافت کی۔ ٹھیک ہو اس نے مختصر جواب دیا۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ گرم مصالحے والا پیکٹ کدھر ہے جس میں زہر ملا ہوا ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اسکی ٹانگیں کانپنے لگی۔ راضی میں بہت مجبور ہوں۔ میرے ماں باپ کی زندگیاں داؤ پر لگی ہوئی ہیں۔ بھگوان کے لیے اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔ کنو میں بھگوان پر یقین نہیں رکھتا میں مسلمان ہوں ایک خدا پر ایمان رکھتا ہوں۔ میری نظریں بدستور اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جو آہستہ آہستہ سفیدی کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے پاس موجود زہر صرف چانسلر کو ہی نہیں مارتا بلکہ ہمارے ریستوران میں موجود سارا سٹاف اس کی نذر ہو جاتا۔ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ سٹیفن آج صبح صبح اٹھ گیا تھا۔ اس کی ڈیوٹی آج معمول سے دو گھنٹے پہلے شروع ہو جانی تھی۔ کیونکہ آج چانسلر آ رہی تھی شہر میں آج بہت بڑی تقریب تھی۔ اس لیے ایمرجنسی ہیلی کاپٹر تیار رکھنا تھا۔ شہر میں ایئر ایمبولینس کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن پھر بھی ہائی الرٹ پر رکھنا تھا۔ کسی بھی قسم کی ایمرجنسی کی صورت میں ہیلی کاپٹر کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ سٹیفن کی بیوی بھی اٹھ گئی تھی جبکہ ان کی دونوں جڑواں بچیاں ابھی تک سو رہی تھیں۔ سٹیفن تم جلدی سے نہا کر تیار ہو جاؤ جب تک میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تمھارے لئے ناشتہ بنا دیتی ہوں۔اس نے اپنے خاوند سے کہا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔وہ دونوں اٹھ کر گھر کے اندر مصروف ہو گئے جبکہ گھر کے باہر بھی پانچ لوگ پہنچ چکے تھے۔انہوں نے تار کی مدد سے گھر کا دروازہ کھولا اور اندر آ گئے۔سامنے ایک نسبتا چھوٹے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ایک آدمی اس کمرے میں چلا گیا۔سامنے ایک چھوٹے سے گلابی رنگ کے بے بی بیڈ پر دونوں جڑواں بچیاں گہری نیند سو رہی تھیں۔اس آدمی نے اپنی جیب سے ایک بڑا خنجر نکالا اور ان کے پاس ہی ایک کرسی رکھ کر بیٹھ گیا۔باقی آدمی گھر میں چاروں طرف پھیل گئے۔گھر کے اندر دو ہی لوگ تھے۔آدمی باتھروم میں غصہ نہا رہا تھا جب کہ اس کی بیوی کچن میں ناشتہ بنا رہی تھی۔گوٹن مارگن فراو سٹیفن وی گیٹس۔دو آدمی کچن میں پہنچ گئے تھے ان میں سے ایک قدر تیز آدمی تھا۔اسی نے شرارتی لہجے میں عورت سے حال چال پوچھا تھا۔اے تم کون ہو اور گھر میں کیسے آ گئے عورت نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔اس کے انڈا فرائی کرتے ہاتھ رک گئے تھے۔ اور وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔میڈم ہم ایک بہت بڑے سنڈیکیٹ سے ہیں۔ہمیں آپ کے خاوند سے ایک چھوٹا سا کام ہے۔ہم صرف وہ کام کروانے آئے ہیں اس آدمی کی شوخی ابھی تک برقرار تھی اور وہ اسی لہجے میں سٹیفن کی بیوی سے بات کر رہا تھا۔تمہیں معلوم ہونا چاہیے کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا جرم ہے تم کو جیل بھی ہو سکتی ہے وہ انھیں جیل سے ڈرانے لگی۔معلوم ہے میڈم لیکن پھر بھی چانس تو لینا پڑتا ہے نہ دوسری طرف سے جواب آیا۔میں اب بھی پولیس کو فون کرتی ہوں اسکا موبائل نزدیک ہی پڑا تھا اس نے جیسے ہی موبائل پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اس سے پہلے ہی دوسرے آدمی نے آگے بڑھ کر اس کا موبائل اپنے قبضہ میں لے لیا۔میڈم ہم لوگ اتنے بھی سیدھا نہیں ہے سینڈیکیٹ والے بہت ظالم ہوتے ہیں تمہاری دونوں بچیاں اس وقت ہمارے قبضے میں ہیں ہمیں تمہارے خاوند سے بہت چھوٹا سا کام ہے وہ ہمارا کام کر دیں تو ہم خاموشی سے ادھر سے چلے جائیں گے ورنہ تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں رہے گا ہم سب کو مار دیں گے اس نے جیب سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔عورت کا رنگ پستول دیکھتے ہی اڑ گیا جرمنی میں اسلحہ پر مکمل پابندی عائد ہے پورے ملک میں کہیں بھی اسلحہ نہیں ہے جرمنی میں اس سلسلے میں بہت سختی ہے۔پورے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملک میں اسلحہ کی دوکان تو ایک طرف پٹاخوں کی دکان تک نہیں ہے۔ پاکستان میں شب برات اور انڈیا میں دیوالی کے موقع پر پٹاخے پھوڑے جاتے ہیں۔ اسی طرح جرمنی میں بھی نئے سال کی خوشی میں پٹاخے چلائے جاتے ہیں۔لیکن اس کے لئے گورنمنٹ سے منظور شدہ پٹاخے ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ پٹاخہ بڑی سپر مارکیٹوں میں بیچے جاتے ہیں اور اس کے اوپر سیف کی مہر لگی ہوتی ہے۔ گورنمنٹ کی منظور شدہ کمپنی کے علاوہ اور کوئی کمپنی پٹاخے نہیں بناتی۔اس کے علاوہ پٹاخے 18 سال سے بڑی عمر کے لوگوں کو ہی بیچے جاتے ہیں۔ جرمنی اس معاملے میں بہت سختی کرتا ہے۔ جب کہ ہمارے ملک میں سب کچھ چلتا ہے اسلحہ بارود اور پٹاخے کھلے عام دیکھتے ہیں۔کوئی کوالٹی کنٹرول نہیں ہوتا اور اکثر غیر معیاری مواد کی وجہ سے انسانی جان کا ضیاع بھی ہو جاتا ہے۔ چونکہ جرمنی میں اسلحہ پر پابندی عائد ہے اور یہاں کسی کے پاس بھی اسلحہ نہیں ہوتا اس لئے وہ عورت پستول دیکھ کر شاک میں آ گئی۔تم ۔۔۔تم لوگ کیا چاہتے ہو اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔ کچھ نہیں میڈم آپ آرام سے ناشتہ بنائیں ہمارا کام آپ سے نہیں ہے بلکہ آپ کے خاوند سے ہے۔ پہلے والے آدمی نے اسے ناشتے کی طرف متوجہ کیا۔ میری بچیاں تو ٹھیک ہیں پلیز مجھے ان کو دیکھ لینے دو عورت نے اس کی منت کرتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں محفوظ ہیں تم کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم صرف وہی کرو جس کا ہم حکم دے رہے ہیں اس نے دوبارہ ناشتے کی طرف اشارہ کیا۔عورت نے انڈہ تلنے کے لیے تیل میں رکھا ہوا تھا جو کہ اب جل کر کوئلہ ہو چکا تھا۔شاباس دیکھو تمہارا انڈہ جل چکا ہے اب دوسرا انڈہ بنا کر اپنے خاوند کو جلدی سے ناشتہ کرو تا کہ وہ اپنے کام پر جا سکے۔ اس نے عورت کو حکم دیا تو وہ جلدی جلدی دوسرا انڈا فرائی کرنے لگی۔ اسی وقت دوسرے آدمیوں نے اس کے شوہر کو بھی قابو کر لیا اور اسے بھی کچن میں لے کر آ گئے۔ اس نے نہا کر کپڑے پہن لیے تھے کیسے ہو سٹیفن اسی آدمی نے سٹیفن سے پوچھا جو پہلے اس کی بیوی سے بات کر رہا تھا۔شاید وہ ان لوگوں کا لیڈر تھا۔ آپ لوگ کیا چاہتے ہو سٹیفن نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے سب کے ہاتھوں نے پستول دیکھ لیے تھے جبکہ ان کے پاس چھوٹی سٹین گنیں بھی موجود تھیں جن کو ان لوگوں نے نکال کر کندھوں پر لٹکا لیا تھا۔سٹیفن نے ایک آدمی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو اپنی بچیوں کے کمرے میں بھی دیکھ لیا تھا جو کہ ایک بہت بڑے پھل والا خنجر لئے ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسٹیفن کو سپیشل اس کمرے میں لے جایا گیا تھا تا کہ وہ اپنی بچیوں کو دیکھ سکے۔ ایئر ایمبولینس پائلٹ سٹیفن تمہارے ماں باپ کو پن ہائم میں ہی رہتے ہیں۔ جو مرگ دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ لیڈر نے سٹیفن کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔ آپ صرف کام بتاؤ آپ کو کیا چاہیے میرے پاس اکاؤنٹ میں 10 ہزار یورو کے قریب روپے موجود ہیں۔ میں تمہیں وہ سب دے سکتا ہوں تم میری اور میرے گھر والوں کی جان چھوڑ دو سٹیفن نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اس نے ان سب کے ہاتھوں میں رائفلیں اور پسٹل دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ مضبوط نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سٹیفن ہمیں تم سے کوئی پیسے نہیں چاہیے تم ہیلی کاپٹر پائلٹ ہو ہمیں تم سے بس ایک چھوٹی سی مدد چاہیے اس نے سٹیفن کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑی وہ سٹیفن کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا۔ میں دہشت گردی کی کسی بھی واردات میں ملوث نہیں ہونا چاہتا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے بلیک میل کر کے چانسلر پر کوئی دہشت گرد کاروائی کروا سکتے ہو تو وہ غلط ہے۔ میں کسی کو بھی نہیں مار سکتا۔ تم بے شک مجھے مار دو۔

ویسے بھی کارروائی مکمل ہونے کے بعد بھی تم نے کونسا مجھے زندہ چھوڑنا ہے سٹیفن اس کے سامنے جم کر کھڑا تھا۔ اس وقت وہ کافی مضبوطی دکھا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا چانسلر آج کارلسروہے آ رہی ہیں اور وہ اسے دہشت گردی کے لیے ہی استعمال کرنے والے ہیں۔ ارے یار تم غلط سمجھ بیٹھے ہو ہم دہشت گرد نہیں ہیں ہم محب وطن جرمن شہری ہیں۔ ہم تو صرف ایجاج کرنا چاہتے ہیں۔ چانسلر نے ہمارے ملک میی مسلمان مہاجرین کو جگہ دے کر غلط کیا ہے۔ ہم مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں اور انہیں اپنے ملک سے بھگانا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس کچھ پمفلٹ ہی تم نے ان پمفلٹ کو ہیلی کاپٹر سے نیچے پھینکنے میں ہماری مدد کرنی ہے۔ تم ہیلی کوپٹر چلاتے ہوئے جلسے کے اوپر سے گزرو گے اور ہم ان پمفلٹوں کو جلسے کے شرکاء پر پھینکیں گے۔ اس نے جیب سے ایک رنگین پمفلٹ نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ یہ ایک مسلمان مخالف تنظیم کا پمفلٹ تھا۔ جس میں چانسلر کی مہاجرین کے متعلق پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بنایا گیا تھا۔اور انہیں فوراً ملک سے باہر نکالنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔لیکن یہ تو نارمل پمفلٹ ہے اس کے لیے تم اتنا خطرہ کیوں مول رہے ہو سٹیفن نے پمفلٹ پر درج عبارت پڑھ لی تھی جو واقعی نارمل تھی۔جو مسلمانوں اور چانسلر کے خلاف تھی۔لیکن یہ احتجاج تھا اور اس کی اجازت تھی۔ہر شخص کو احتجاج کرنے کا حق ہے۔اسٹیفن صاحب جو کہہ رہے ہیں وہ کرو مشورہ مت دیں ورنہ احتجاج تو نارمل ہی ہے لیکن ہم لوگ بہت خطرناک ہیں یقین کرو ہمیں ایک سیکنڈ کے لیے جھجھک نہیں ہوگی تمہارے بچوں کو مارنے کے لیے جبکہ تمہارے ماں باپ بھی قبضے میں ہے۔ویڈیو میں سٹیفن کے ماں باپ دونوں کو رسیوں سے باندھا گیا تھا اور دو نقاب پوش افراد انتہائی جدید ترین اسلحہ لیے ان کے سروں پر کھڑے تھے۔ویڈیو کو دیکھتے ہی سٹیفن کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔سٹیفن ہمارے تین آدمی تمہارے ساتھ ہیلی کاپٹر میں ہوں گے ایک تمہارے ساتھ کاک پٹ میں جبکہ باقی دو پیچھے بیٹھے ہوں گے۔تم نے نیچی پرواز کرتے ہوئے چانسلر کے اوپر سے گزرنا ہے۔ہمارے پھینکے گئے پمفلٹ سٹیج پر گرنے چاہیے تم نے ایک چکر اوپر سے لگانا ہے اور بس اس کے بعد تم اور تمہاری فیملی آزاد ہیں۔یاد رکھنا چانسلر کے اوپر پمفلٹ پھینکنے کی سزا زیادہ سے زیادہ دو سال ہوگی وہ بھی تمہیں نہیں ملے گی کیونکہ تمہارے میں بیوی بچوں کو اغوا کر کے تمہیں بلیک میل کیا گیا تھا اس لیے تم بچ جاوٴ گے۔کسی کو کچھ نہیں ہوگا۔ہم اپنا احتجاج انٹرنیشنل میڈیا پر ریکارڈ کروانا چاہتے ہیں اور بس لیکن اگر تم نے کوئی بہادری دکھانے کی کوشش کی تو ہم سب کو ماردیں گے تمہارے ماں باپ اور تمہارے بیوی بچے کوئی ایک بھی زندہ نہیں رہے گا۔فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہیں کیا کہتے ہو اس نے سٹیفن کو پوری تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ٹھیک ہے میں تمہارا کام کرنے کے لیے راضی ہو۔مجھے میری فیملی محفوظ چاہیے کیا گارنٹی ہے کہ تم کام ہونے کے بعد ان کو نہیں مارو گے سٹیفن نے اس سے سوال کیا۔گارنٹی کوئی نہیں ہے لیکن ہمارا جب کام ہوجائے گا تو ہم بلاوجہ کیوں ان کو ماریں گے۔ہمیں لوگوں کی ہمدردیاں چاہیے تمہاری فیملی کو مارنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اس نے سٹیفن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ٹھیک ہے مجھے منظور ہے میں ایک چکر سٹیج کا لگاوٴں گا تم اپنے پمفلٹ سٹیج پر پھینک سکتے ہو۔سٹیفن مان گیا۔ہمارے آدمیوں کے پاس اسلحہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی ہوگا اور خودکش جیکٹیں بھی اگر تمہاری طرف سے کوئی ہوشیاری ہوئی تو وہ خود بھی مر جائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی اپنے ساتھ لے کر مرے گے اس نے دھمکی دی۔ تو سٹیفن کو اس کے لہجے کی سرد مہری نے ہلا کر رکھ دیا۔ اسٹیفن کی بیوی نے ناشتہ تیار کر لیا تھا۔ لیکن ان حالات میں ناشتے کی طلب کیسے ہوتی ہے اس نے جلدی جلدی ناشتے کے دو نوالے زہر مار کیے اور آفس کے لیے تیار ہو کر باہر آ گیا۔ ایک آدمی سٹیفن کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔ جبکہ باقی چار گھر میں ہی رہ گئے۔ اسٹیفن اس آدمی کو لے کر ہسپتال آ گیا۔ اس نے آدمی کا تعارف اپنا کزن کہہ کر کروایا اور اسے بھی اپنے ساتھ ہی لے کر آفس آ گیا۔ ہسپتال چونکہ ایک عوامی جگہ تھی اس لیے یہاں کوئی سکیورٹی نہیں تھی۔ کوئی بھی ہسپتال میں آ جا سکتا تھا کسی نے بھی سٹیفن کے کزن کے بارے میں کوئی پوچھ تاچھ نہیں کی اور وہ دونوں آرام سے آفس میں بیٹھ کر کافی پینے لگے۔ یہ آفس ہیلی پیڈ کے نیچے ہی بنا ہوا تھا۔ ہیلی پیڈ ہسپتال کی ایک عمارت کی چھت پر بنا ہوا تھا جبکہ چھت پر ہی ہیلی کپٹر کے لیے گیراج بھی بنا ہوا تھا۔ ہسپتال کی بلڈنگ کافی لمبی چوڑی تھی جس کی چھت کے ایک کونے میں شیڈ بنا کر اسے گیراج بنا دیا گیا تھا۔ گیراج میں ہی ایک بڑی لفٹ بھی لگی ہوئی تھی جس کی مدد سے اوپر چھت پر آیا جایا جاتا تھا۔ یہ لفٹ بہت بڑی تھی اور اس میں مریض کی پوری سٹریچر آ جاتی تھی جبکہ اس کے ساتھ ہی ایک وقت میں دس لوگ اوپر نیچے آ جا سکتے تھے۔ بلڈنگ تین منزلہ تھی۔

تیسری منزل مکمل ہیں آپریشن تھیٹرز پر مشتمل تھی۔ جس کے ایک کونے میں چھوٹا سا پائلٹ کے لیے آفس روم بنا ہوا تھا۔ یہاں پر بیس کے قریب آپریشن تھیٹر تھے جہاں مختلف قسم کے آپریشن کیے جاتے تھے۔ یہ کارلسروہے شہر کا سب سے بڑا ہسپتال تھا۔ جرمنی میں پرائیویٹ ہسپتال نا ہونے کے برابر ہیں۔ یہاں مکمل علاج سرکاری اور فری ہے۔ جرمنی میں ادویات بھی سو فیصد فری ہوتی ہیں۔ جرمنی انکم ٹیکس کے ساتھ ساتھ میڈیکل ٹیکس بھی کاٹتا ہے۔ میڈیکل ٹیکس یہاں کی دو پرائیویٹ کمپنیاں اکٹھا کرتی ہیں اور وہی ہسپتال کا انتظام بھی چلاتی ہیں۔ سرکاری اور نیم سرکاری پرائیویٹ ملازم ہر مہینے میڈیکل کی مد میں ایک مخصوص رقم جمع کراتے ہیں۔ اسی رقم سے جرمنی کے تمام ہسپتال چلائے جاتے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں جبکہ گورنمنٹ بھی تھوڑی بہت سبسڈی دیتی ہے۔اسی بلڈنگ میں پہلے والی منزل عام مریضوں کے لئے تھی۔جس میں آج صبح صبح دو مریضوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔یہ دونوں سنڈیکیٹ کے آدمی تھے اور انہوں نے ہیلی کاپٹر میں سٹیفن کے ساتھ جانا تھا۔اسلحہ اور بارودی جیکٹیں وغیرہ رات کو ہی ہسپتال میں پہنچادی گئی تھیں۔جو کہ اوپر ہیلی کاپٹر کے گیراج تک بھی پہنچ گئی تھیں۔اس طرف سے بھی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔بس چانسلر کے آنے کا ہی انتظار کیا جا رہا تھا۔وہ جیسے ہی تقریب میں پہنچتی اور سٹیج پر آتیں دہشت گرد اپنا کام شروع کر دیتے۔چانسلر برلن سے سٹٹگارٹ جانے کے لیے طیارے میں بیٹھ چکی تھی۔کارلسروہے میں کوئی ایر پوٹ نہیں تھا ایک چھوٹا ایئر پورٹ کارلسروہے شہر کے مضافات میں موجود تھا لیکن وہ جنگل کے بیچوں بیچ تھا۔جب کہ وہ فرانس کی سرحد کے ساتھ بھی لگتا تھا۔اس لیے سکیورٹی کے لیے محفوظ نہیں تھا۔چانسلر برلن سے پہلے سٹٹگارٹ آئی اور پھر سٹٹگارٹ سے کارلسروہے گاڑی پر جانا تھا۔کارلسروہے سے سٹٹگارٹ 70 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے کار سے یہ فاصلہ چالیس منٹ میں طے کیا جا سکتا ہے۔آرومے صاحب سارے انتظامات مکمل ہیں چانسلر نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے نائب سے پوچھا۔وہ نائب چانسلر تھے چانسلر کی ہی سیاسی پارٹی سے ان کا تعلق تھا اور انہوں نے چانسلر کے خلاف پارٹی چیئر مین کا الیکشن بھی لڑا تھا لیکن ہار گئے۔جرمن لوگ چانسلر سے بہت محبت کرتے تھے۔آرومے کو پارٹی الیکشن میں شکست دینے کے بعد چانسلر نے ان کو اپنا نائب مقرر کر لیا تھا۔جرمنی میں اب چانسلر کے بعد وہی سب سے طاقتور ترین آدمی تھے۔جی میڈم سارے انتظامات مکمل ہیں۔ہم بے فکر ہو کر وہاں جا سکتے ہیں۔کرنل پرسو سے بھی میری بات ہوئی تھی وہ بھی سکیورٹی معاملات پر مطمئن ہیں۔نائب چانسلر ارومے نے چانسلر کو بریفنگ دی اور چانسلر کے مطمئن ہونے پر آرام سے بیٹھ گیا۔جبکہ چانسلر نے طیارے کی سیٹ سے سر ٹکا کر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔وہ تھوڑا آرام کرنا چاہتی تھی۔انسان جتنا بڑا ہو جاتا ہے اس کی ذمہ داریاں بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔۔چانسلر پچھلے بارہ سال سے جرمنی کی چانسلر چلی آرہی تھی اور وہ اب چوتھی بار بھی چانسلر منتخب ہو گئی تھی۔جرمنی میں وزیر اعظم کی بجائے چانسلر کا عہدہ ہوتا ہے اور یہ وزیر اعظم کے برابر ہی ہوتا ہے۔چانسلر کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقتدار میں آنے سے پہلے جرمنی ایک ترقی یافتہ ملک تھا۔لیکن ان کی 12 سال حکومت میں جرمنی ترقی یافتہ سے بھی آگے نکل چکا تھا۔ جرمنی امریکہ اور چین کے بعد دنیا کا تیسرا امیر ترین ملک بن چکا تھا۔ جبکہ فی کس سالانہ آمدن سے تو یہ ان دونوں ملکوں سے بھی آگے تھا۔ جرمنی یورپی یونین کا سب سے طاقتور ترین ملک تھا۔اور اس کے اثاثوں کی تعداد کھربوں ڈالر سے بھی اوپر تھی۔ یہ ساری چانسلر کی ہی محنت تھی۔ انہوں نے دن رات محنت کر کے جرمنی کو اس مقام تک پہنچایا تھا۔ جرمنی چانسلر کی محنت سے عظیم سے عظیم تر ہو گیا تھا۔سر سارے انتظامات مکمل ہیں۔ چانسلر اس بار بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ کارلسروہے شہر ان کے لیے آخری شہر ہو گا۔ پچاس سال کا وہ ایک طاقتور آدمی تھا۔اس کے سر کے بال سفید ہو چکے تھے۔لیکن اس کا ورزشی جسم اس کی بہادری کی چغلی کھا رہا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے باری باری ابھیجیت اور دوسرے سہولت کاروں سے ملاقات کی تھی۔سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے نہ کہیں کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔اس کے سامنے بیٹھے آدمی نے کہا۔تھری پیس سوٹ میں ملبوس پچاس سال سے اوپر کا تھا۔اس کی موٹی آنکھیں اسے کافی ذہین بتا رہی تھی۔سر کوئی پرابلم نہیں ہے ہم نے چانسلر کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ ہمارا اگر ایک منصوبہ ناکام ہوتا ہے تو وہ دوسرے حملے کی زد میں آ جائیں گی۔ آج چانسلر کا آخری دن ہی ہے وہ کسی بھی صورت میں بچ نہیں سکتی۔ ورزشی جسم والا آدمی کافی پر اعتماد تھا۔لیکن اس کے سامنے بیٹھا ہوا آدمی مطمئن نہیں تھا۔ایک بار پھر باریکی سے دیکھ لو ہمیں اس بار ناکام نہیں ہونا ہے۔ یہ ہمارے پاس بہت سنہری موقع ہے چانسلر کو مارنے کے لیے۔اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو دوبارہ ایسا موقع نہیں ملے گا۔ ہمارے پیسے بھی بہت لگ گئے ہیں۔اس حملے کی منصوبہ بندی میں۔

تھری پیس والا بوڑھا صحیح کہہ رہا تھا۔ان کے اس پورے حملے پر ایک ارب یورو کی سرمایہ کاری لگی ہوئی تھی۔ یہ بہت بڑی رقم تھی۔لیکن اس رقم کے بدلے میں انہوں نے چانسلر کو مارنے کے لیے ایک بہترین اور فول پروف منصوبہ بھی بنایا ہوا تھا۔سر چانسلر کو مارنے کے لیے ہم نے چار الگ الگ منصوبے بنائے ہیں۔ابھی تک کسی ایک منصوبے کی بھنک بھی پولیس یا انٹیلی جنس کو نہیں ہوئی ہے۔ یہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سارے منصوبے ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اگر کوئی ایک پکڑا بھی جاتا ہے تو اسے دوسرے حملے کے بارے میں بالکل کچھ پتا نہیں ہوگا۔ اس لیے پولیس اور انٹیلیجنس ایک حملے کو ہی ناکام بنا کر مطمئن ہو جائیں گے۔ جبکہ ہم دوسری طرف سے دوسرا حملہ کریں گے۔ ورزشی جسم والا آدمی ابھی تک پر جوش تھا۔ ٹھیک ہے مجھے یقین ہے آپ کامیاب ہو جاؤ گے۔ بوڑھا آدمی مطمئن ہو گیا۔ سر سب سے پہلے مغل محل میں چانسلر کے کھانے میں زہر ملایا جائے گا۔ لڑکی زہر لے کر نکل گئی ہے۔ وہ چانسلر کے کھانے میں زہر ملا دے گی۔ یہ بالکل سادہ اور آسان سا کام ہوگا۔ لڑکی ریسٹورانٹ میں کام کرتی ہے اس لئے کسی کو بھی اس پر شک نہیں ہوگا۔ زہر بھی جدید قسم کا ہے جو کسی بھی لیبارٹری ٹیسٹ میں پکڑا بھی نہیں جاتا ہے۔ اور اس کا اثر بھی دو گھنٹے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ دوسرے نمبر پر احمد ہے جو سنائپر ہے۔ احمد شام کی آرمی میں سنائپر شوٹر رہا ہے۔ وہ دو کلومیٹر کے فاصلے سے بھی بالکل درست نشانہ لگانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ رائفل لے کر بالکل تیار کھڑا ہوگا۔ جیسے ہی چانسلر سٹیج پر آ کر تقریر شروع کریں گی وہ انہیں شوٹ کر دے گا۔ احمد دو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چڑیا کو بھی ٹارگٹ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایس کے لئے چانسلر کے سر کو نشانہ بنانا کوئی مشکل نہیں ہے۔ تیسرے نمبر پر شہباز خان ہے۔ یہ خودکش بمبار ہے اس نے خودکش جیکٹ پہنی ہوگی۔ ہمارے آدمی اسے جلسہ گاہ کے اندر پہنچا ئیں گے۔ اس کے لیے ہمارے آدمی سکیورٹی اہلکاروں کے روپ میں موجود ہیں۔ وہ جیسے ہی سٹیج کے قریب پہنچے گا تو فوراً چھلانگ لگا کر سٹیج پر چڑھ جائے گا۔ محافظوں کے الرٹ ہونے سے پہلے ہی وہ چانسلر کے نزدیک پہنچ جائے گا اور خود کو دھماکے سے آڑانے گا۔ سر 10 کلو کا بارودی مواد اس نے پہنا ہوا ہے۔ وہ خود ہی نہیں بڑھے گا بلکہ اس کے ساتھ چانسلر سمیت درجنوں اور لوگوں کے بھی پرخچے اڑ جائیں گے۔ ورزشی جسم والا آدمی سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو مکمل تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا۔ سر چوتھا اور سب سے آخری مرحلہ ایئر ایمبولینس کا ہے۔ ایئر ایمبولینس کے پائلٹ سٹیفن کی بیوی بچے اور ماں باپ دونوں ہمارے قبضے میں ہیں۔ اسے مکمل اندھیرے میں رکھ کر آپریشن کیا جا رہا ہے۔ ہمارے دو آدمی ہسپتال میں مریض بن کر پہنچ چکے ہیں جبکہ ایک آدمی مستقل اسٹیفن کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ ہینڈ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گرنیڈ گولا بارود اور اسلحہ بھی ہیلی کوپٹر کے گیراج میں پہنچ چکا ہے۔ اگر ہمارے پہلے تینوں منصوبے ناکام ہوتے ہیں تو ہیلی کاپٹر کو اڑایا جائے گا اور اسے جلسہ گاہ میں چانسلر کی سٹیج کے اوپر لے جا کر دھماکے سے اڑا دیا جائے گا۔ سر ہمارے تینوں آدمی ہیلی کاپٹر میں ہوں گے وہ سٹیج کو اڑا کر رکھ دیں گے۔ ہم ہیلی کاپٹر کو بالکل سٹیج کے اوپر لے کر آئیں گے اور اسے بارودی مواد سے اڑا دیں گے۔ ہیلی کوپٹر نیچے اسٹیج پر موجود سبھی لوگوں کو ساتھ لے کر دھماکے سے اڑ جائے گا۔ اسٹیج پر کھڑا کوئی ایک شخص بھی اس میں زندہ نہیں بچے گا۔ اس قدر مضبوط پلاننگ کے بعد تو خدا ہی چانسلر کو بچا لے تو بچا لے ورنہ اس دنیا میں اور کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں ہو گی کہ وہ چانسلر کو بچا سکے۔ اور سر جتنی محنت ہم نے چانسلر کو مارنے کے لیے کی ہے اتنی محنت دیکھ کر تو شاید خدا بھی چانسلر کو نہیں بچائے گا۔ ان کی موت کی ہے۔ سر جی چانسلر کو بچانے کے لیے کوئی جیمز بونڈ نہیں آئے گا۔ اس نے اپنی بات مکمل کی اور اجازت لے کر باہر چلا گیا۔ یہاں کارلسروہے جیسے چھوٹے سے شہر میں واقعی کوئی جیمز بونڈ نہیں تھا۔ جو چانسلر کے خلاف اتنی بڑی سازش کو ناکام بنا کر ان کو بچا کر لے جاتا۔ لیکن بہر حال خدا موجود تھا اور وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ چانسلر جیسے لیڈر واقعی صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جرمنی کی بھی محسن تھی اور مسلمانوں کی بھی محسن تھی۔ انہوں نے لاکھوں بے سہارا مسلمان مہاجرین کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ ایسی عظیم عورت کی موت کارلسروہے جیسے چھوٹے سے شہر میں نہیں لکھی گئی تھی۔ چانسلر کی قسمت میں کیا لکھا گیا تھا یہ تو آنے والے چند گھنٹے ہی بتا سکتے تھے۔ انہیں با حفاظت یہاں سے بچ کر نکل جانا تھا یا پھر ان کی زندگی یہی تک ہی تھی۔ یہ تو اب آنے والا وقت ہی طے کرنے والا تھا۔ فلحال تو وہ سٹٹگارٹ پہنچ چکی تھیں۔ وہاں سے انہیں سکیورٹی سکواڈ کی 10 گاڑیوں نے رسیو کیا اور انہیں لے کر کارلسروہے کی طرف آنے لگے۔ میرے سامنے کنو دونوں ہاتھ باندھے کھڑی کانپ رہی تھی۔ راضی تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ مجھے جانے دو۔

میرے ماں باپ اور دو چھوٹے بھائی ان لوگوں کے قبضے میں ہیں۔ میں اگر آج ناکام ہو گئی تو وہ ان لوگوں کو مار دیں گے۔ تمہیں محمد صاحب کا واسطہ مجھے چھوڑ دو۔ اس نے مجھے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتے ہوئے کہا۔ انڈین سکھ یا ہندوز یادہ تر ہمارے نبی کو محمد صاحب کہتے ہیں۔ پنجابی میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم جسے عزت دینا چاہتے ہیں اس کے نام کے ساتھ صاحب لگاتے ہیں۔ اسی طرح ان کو عربی میں صلی اللہ علیہ وسلم تو کہنا نہیں آتا اس لیے وہ محمد صاحب بولتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی ان کے گرو کو گرو نانک صاحب کہتے ہیں۔ پنجابی سکھ کبھی بھی ہمارے نبی کو خالی نام سے نہیں یاد کرتے۔ وہ ہمیشہ نام کے ساتھ عظمت کے طور پر صاحب لگاتے ہیں۔ یہ میرے نبی کی عزت ہے جو غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔ کنو تمہارے ماں باپ محفوظ ہیں انہیں صومالیہ سے باحفاظت بازیاب کروالیا گیا ہے۔ تمہیں اب چانسلر کو مارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابجیت کو بھی پکڑ لیا گیا ہے میں نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ راضی۔۔ کیا کیا تم سچ کہہ رہے ہو اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔ ہاں کنو یہ سچ ہے۔ لیکن ایک وعدہ کرو اس بات کو ہمیشہ راز رکھنا ہے۔ تم چانسلر کو مارنے کے سازش میں بہر حال شریک ہوئی تھیں۔ اگر یہ بات باہر پولیس کو پتہ چلتی ہے تو تمہیں کبھی بھی جرمنی سے پھر آزادی نہیں ملے گی۔ بو تمہاری کسی بھی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ تمہیں کم از کم بھی بیس سال کی سزا ہوگی۔ خود میں بھی اس معاملے میں پھنس جاؤں گا میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ آپ۔۔۔ اپ کون ہو اور یہ سب کچھ آپ کو کیسے معلوم ہے۔ اس نے مجھ سے سوال کیا۔ کنو کچھ چیزوں کو نہ جاننا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ مجھے تم خدائی خدمتگار سمجھ سکتی ہوں۔ ابجیت کو مار دیا جائے گا جبکہ تمہارے گھر والوں کو بھی واپس انڈیا بھیج دیا جائے گا۔ تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے میں نے اس سے پوچھا۔ جی میرے پاس ہی ہے اس نے پرس سے پاسپورٹ نکال کر مجھے دکھایا۔ آج چونکہ چانسلر آ رہی تھی اس لیے سارا رش شہر کے مرکزی سٹیٹ پارک میں تھا۔ جہاں چانسلر آ رہی تھی۔ جبکہ یہاں ریسٹورنٹ میں اس وقت صرف دو ہی گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ پولیس والا بھی اندر کچن میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کچن سے باہر کہیں نہیں جاتا تھا۔ چانسلر کے لیے کھانا بنانے کا سارا سامان پولیس والے خود لے کر آ رہے تھے۔ سکھے نے ان کو سامان کی لسٹ بنا کر دے دی تھی اور وہ اب سارا سامان لے کر آ رہے تھے۔ خفیہ پولیس والے تو برتن تک اپنے لے کر آ رہے تھے۔ ٹھیک ہے کنو میرا آدمی باہر کھڑا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ تم اس کے ساتھ چلی جاؤ وہ تمہیں درلخ لے کر جائے گا وہاں سے ٹرین پکڑ کر تم آسانی سے فرانس جا سکتی ہو۔ ایک بار جرمنی سے باہر نکل گئی تو کوئی بھی نہیں پوچھے گا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پھر تم آسانی سے انڈیا جا سکتی ہو۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ راضی میں انڈیا نہیں جانا چاہتی کیا میں یہاں رہ سکتی ہوں۔ اس نے میری طرف پر امید نظروں سے دیکھا۔ نہیں یار کارلسروہے نہیں ہاں البتہ کسی دوسرے شہر میں جا کر رہ سکتی ہو۔ تمہیں صرف ابھیجیت ہی جانتا تھا جبکہ باقی لوگ صرف تمہارا نام جانتے ہیں اور وہ بھی کنو جو کہ کاغذات پر سرے سے ہے ہی نہیں۔ تم اس شہر سے باہر جا کر کہیں بھی رہ سکتی ہو۔ ہاں البتہ تمہیں صوبہ چینج کرنا ہوگا۔ تم اس صوبے کی بجائے جرمنی کے کسی دوسرے صوبے میں جا کر رہ سکتی ہو۔ پیکٹ کدھر ہے۔ میں نے اسکی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اپنے بلاؤز میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا پیکٹ نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ راضی میں تم پر اعتماد کر سکتی ہوں اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔ عورت مرد کی نظروں کو سمجھ سکتی ہے کنو بھی شاید میری نظروں میں چھپی محبت کو پہچان چکی تھی۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ لیکن پھر بھی میں اسے اپنا نہیں سکتا تھا۔ میں جرمنی میں ڈیوٹی پر تھا۔ میرا فرض مجھے محبت کرنے سے روکتا تھا۔ کنو کیا اپنے ماں باپ سے بات کرو گی میں نے اس سے پوچھا۔ کیا۔۔۔۔ کیا تم میری بات کروا سکتے ہو اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ میں بے اختیار مسکرا دیا۔ ہاں کیوں نہیں ابھی کروا دیتا ہوں۔ وہ صومالیہ سے آزاد ہو کر اس وقت ایک پاکستانی نیوی کے جہاز میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے ایجنسی کی طرف سے دیے گئے موبائل سے نمبر ملایا اور جہاز کے کیپٹن سے بات کرنے لگا۔ میں نے اسے کنو کے والدین سے بات کروانے کا کہا تو جہاز کے کپتان نے میری بات کنو کے والدین سے کروا دی۔ ست سری اکال جی میں نے ان کو سلام کیا۔ اور بلیوٹوتھ اپنے کان سے نکال کر کنو کے کان میں لگا دیا۔ پاپا۔۔۔۔ کیسے ہو کنو کی آواز شدت جذبات سے لڑکھڑا گئی۔ اس کی آواز گلے میں ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔ اس سے مزید بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اچانک مجھے ریسٹورنٹ کی باہری کھڑکی کھٹکھٹانے کی آواز آئی میں نے باہر کی طرف دیکھا۔ وہاں میرا آدمی کھڑا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے کنو کو درلخ لے کر جانا تھا تاکہ اسے وہاں سے آگے فرانس کی طرف بھیجا جا سکے۔ درلخ کارلسروہے شہر کے باہر ایک ٹاؤن تھا۔

یہ کارلسروہے شہر کا ہی حصہ تھا۔ مین اسٹیشن پر چونکہ اس وقت کافی سختی تھی اس لئے میں کنو کو اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آدمی کے ساتھ درلخ کی طرف بھیج رہا تھا۔ وہ وہاں سے آسانی سے آگے جا سکتی تھی۔ کنو نے فرانس جانے کی بجائے جرمنی میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں اسے درلخ تک پہنچا دیتا۔ آگے سے وہ جس طرف بھی جانا چاہتی جا سکتی تھی۔ میں نے کھڑکی پر دستک کی آواز سنی تو باہر آ گیا۔ سر کارلسروہے اور درلخ دونوں اسٹیشن بند کر دیے گئے ہیں۔ چانسلر شہر میں پہنچ چکی ہیں اب وہ ضلعی ہیڈ کوارٹر میں جائیں گی اور شہر کے میئر اور دوسرے بڑے افسران سے ملاقات کریں گی۔ اس کے بعد ان کا انسٹیٹیوٹ کا دورہ ہے۔ کارلسروہے میں انفارمیشن ٹیکنالوجی انسٹیٹیوٹ تھا۔ یہ جرمنی کا دوسرا بڑا آئی ٹی کا انسٹیٹیوٹ ہے۔ یہاں دنیا بھر سے آئی ٹی کے طالب علم کو سکالرشپ پر بلایا جاتا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کے بعد وہ آڈیٹوریم میں کارلسروہے کے کاروباری لوگوں سے ملاقات کریں گی۔ اس کے بعد کھانا کھائیں گی اور پھر شہر کی مرکزی تقریب میں شرکت کریں گی۔ اور تقریب ختم ہونے کے فورا بعد وہ واپس چلی جائیں گی۔ اس نے مجھے چانسلر کے پورے پروگرام سے آگاہ کر دیا۔ ٹھیک ہے لیکن تم نے ٹرینیں بند ہونے والی بات درمیان میں ہی چھوڑ دیں میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ سوری سر جب تک چانسلر شہر میں موجود رہیں گی شہر کی طرف آنے والی اور جانے والی سبھی ٹرینیں بند رہیں گی۔ ٹرینیں اب چانسلر کے جانے کے بعد شام کو 8 بجے کے بعد ہی چلنا شروع کریں گی۔ جب تک چانسلر شہر میں ہیں شہر میں کوئی بس کوئی ٹرالی اور کوئی ٹرین نہیں چلے گی۔ اس نے اس بار وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ سر اگر آپ کہتے ہو تو میں انہیں سٹٹگارٹ لے جاتا ہوں اور وہاں سے پھر یہ آگے چلی جائیں گی اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ نہیں تمہاری ادھر ضرورت ہے۔ شہر کے حالات کافی خراب ہے اور مجھے ابھی تک صرف ایک ہی ٹارگٹ کلر ملا ہے۔ جبکہ دوسرے کا ابھی تک کوئی نام ونشان ہی نہیں مل رہا ہے۔ تم لوگ ادھر ہی رہو۔ کنو زیادہ اہم نہیں ہے چانسلر اہم ہیں۔ میں نے کہا۔ سر بات کنو کی نہیں ہے بات آپ کی ہے اگر کنو نے کسی سے بھی آپ کا ذکر کر دیا تو آپ یہاں مشکوک ہو جائیں گے۔ سیکریٹ ایجنسی نے بڑی مشکل سے آپکو یہاں پلانٹ کیا ہے۔ ان کو نیا سیٹ اپ بنانے میں بہت ٹائم لگ جائے گا۔ کنو کا ایسا شہر میں رہنا بہت خطرناک ہے۔ اس نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ یار بات تو تمہاری ٹھیک ہے لیکن ہم مزید

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور کیا کر سکتے ہیں میں اس سے پوچھنے لگا۔سر کنو کو آپ میرے ساتھ بھیج دیں ہم اسے ہیڈ کوارٹر میں ہی رکھ لیتے ہیں۔ جیسے ہی یہ سارے ہنگامے ختم ہوں گئے اس کے بعد اسے کارلسروہے سے باہر بھیج دیا جائے گا۔لیکن وہاں تو ابھیجیت بھی موجود ہے تم اس سے پوچھ گچھ کر رہے ہو میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔سر کنو کو بے ہوش کر کے رکھا جائے گا آپ کو اس پر اعتماد ہے لیکن ایجنسی کو نہیں ہے۔ہم کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتے اسکی آنکھیں سکڑ گئی تھیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں اس کا افسر نہیں بلکہ وہ مجھ سے سینئر میرا افسر ہو۔آرمی نے عہدے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔جونیئر افسر کبھی سینئر کے سامنے آنکھ نہیں اٹھاتا۔ لیکن یہ سکرپٹ ایجنسی تھی۔آئی ایس آئی دنیا کی ایک طاقتور ترین ایجنسی جس میں ایک افسر دوسرے افسر کو بھی نہیں پہچانتا تھا۔ مجھے اس آدمی کا نام تک نہیں معلوم نہیں تھا رینک تو بہت بعد کی بات ہے۔میں خاموشی سے اندر چلا گیا کنو ابھی تک اپنے ماں باپ سے بات کر رہی تھی۔میں نے کال کاٹ کر اس سے بلیوٹوتھ لے لیا اور اسے باہر لے گیا۔میں نے اسے بتا دیا تھا کہ شہر میں ٹرینیں اور ٹرام وغیرہ سب بند ہو گئی ہیں۔اس لیے اسے اب ایک گھر میں بیٹھنا پڑے گا۔شام تک جب چانسلر چلی جاتی تو ٹرین چل پڑتی اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے کہیں بھی جا سکتی تھی۔کنو سے فارغ ہونے کے بعد میں نے مالک کو بتا دیا کہ کنو اچانک اپنے ایک دوست کے ساتھ چلی گئی ہے۔وہ بھی اب رات کو ہی آئے گی۔ مالک کو تھوڑی پریشانی ہوئی انہوں نے خود چانسلر سے ملاقات کے لئے جانا تھا۔ چانسلر نے کارلسروہے کے بزنس مینوں سے ملاقات کرنی تھی۔ بھاٹیا صاحب نے ظفر بھائی کو کام پر بلا لیا۔ان کو آج فیکٹری سے چھوٹی تھیں بلکہ آج پورے کارلسروہے میں ہی چھٹی تھی۔ساڑھے نو بجے کے قریب ظفر بھائی آ گئے تو میں نے ریسٹورنٹ کا چارج ان کے حوالے کیا اور وہاں سے چھٹی کر کے ہیڈ کوارٹر آ گیا۔ ہیڈ کوارٹر دریائے رائن کے کنارے بنا ہوا تھا۔ یہ ایک بہت خوبصورت ہٹ تھا جس میں چار کمرے تھے۔ایک کمرے میں کنو بے ہوش پڑی ہوئی تھی جبکہ دوسرے کمرے میں ابھیجیت ایک کرسی پر بندھا پڑا ہوا تھا۔اس کی دونوں گالیں پھٹی ہوئی تھیں جبکہ ناخن بھی اکھاڑ دیے گئے تھے۔اس کی حالت انتہائی دردناک تھی۔ نیچے فرش پر ایک پلاسٹک کی شیٹ بچھائی ہوئی تھی۔جس کے اوپر ابھیجیت کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رکھا گیا تھا۔ وہ شیٹ خون سے سرخ ہو چکی تھی۔ اس کا آدھے سے زیادہ خون نکل چکا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی ہوش میں تھا۔

وہ ابھی بے ہوش نہیں ہوا تھا اسے بے ہوش ہونے ہی نہیں دیا جا رہا تھا۔ اسے طاقت کے انجیکشن لگائے گئے تھے جن کے اثر کی وجہ سے وہ بے ہوش نہیں ہو رہا تھا۔ انتہائی مختصر عرصے میں پوری معلومات چاہیے تھی۔ ہم آرام سے تشدد نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی اسکی بے ہوشی برداشت کر سکتے تھے۔ ہمارے پاس اتنا ٹائم ہی نہیں تھا۔ اسے اسی لیے طاقت کے انجکشن دیئے گئے تھے تا کہ وہ درد برداشت کرے اور ہمیں ہماری مطلوبہ معلومات فراہم کرے۔ کمرہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف تھا اس لیے ابھیجیت کے چیخنے کی آواز باہر نہیں جا سکتی تھی۔ جمیل کچھ پتہ چلا اس سے میں نے جمیل سے پوچھا۔ نہیں سر کچھ خاص نہیں ہے اسے صرف کنو کے بارے میں ہی معلوم تھا۔ اس کے علاوہ یہ کچھ نہیں جانتا ہے۔ اسے ایک آدمی نے ہائیر کیا تھا۔ یہ جرمن شہری ہے لیکن مکمل طور پر کنگال ہو چکا ہے جوا کھیلنے کی بہت پرانی عادت ہے اور اسی عادت کی وجہ سے اپنا سب کچھ گنوا بیٹھا ہے۔ اس نے بینک سے بھی کافی سارا قرضہ لیا ہوا ہے۔ اب گورنمنٹ کی طرف سے جتنی بھی امداد ملتی ہے وہ ساری قرضے کی مد میں چلی جاتی ہے اسے صرف ماہانہ سو یورو ملتے ہیں۔ جس میں اس کا خرچہ پورا نہیں ہوتا تھا۔ ایسے لوگ ہی دہشت گردوں کے لئے پرفیکٹ ہوتے ہیں۔ یہ بھی ان کے ہتھے چڑھ گیا ہے پیسے کے لالچ میں یہ چانسلر کو ہی مارنے کی منصوبہ بندی میں شامل ہو گیا تھا۔ آج اگر کنوز ہر کھانے میں ملا دیتی تو یہ جرمنی سے پیسہ لے کر انڈیا بھاگ جاتا اور پھر انڈیا ہی رہتا۔ دو ملین کی ڈیل ہوئی تھی۔ یہ انڈین سولہ کروڑ روپے کے برابر ہے۔ سر دو لاکھ یورو اس کے اکاؤنٹ میں ایڈوانس بھی جمع کروائے گئے ہیں۔ اور سر سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ وہی اکاؤنٹ ہے جس سے کچھ دن پہلے سردار مہلاب کے اکاؤنٹ میں بھی پیسے ٹرانسفر کیے گئے تھے۔ ممکنہ طور پر سردار مہلاب نے شہباز خان کا جعلی سوئس پاسپورٹ بنایا ہے اور یہ رقم اسی سلسلے میں سردار مہلاب کو دی گئی ہو گی۔ اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ شہباز خان بھی انہی لوگوں نے خریدا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو شہباز خان بھی آج ادھر ہی دھما کا کرنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

والا ہے۔ میری پیشانی پر شکنوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ جی سر یہ ممکن ہے شہباز خان کو بھی آج کے دھماکے کے لیے ہی تیار کیا گیا ہوگا۔ وہ بھی آج تقریب میں شریک ہوگا اور اسے بھی جرمن چانسلر کو مارنے کا ہی ٹارگٹ دیا گیا ہوگا۔ سر ہم کنو کے پیچھے لگے ہوئے تھے جبکہ یہاں تو شہباز خان مارنے آرہا ہے۔ اگر وہ دھماکہ کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو دنیا کو پاکستان پر انگلی اٹھانے کا موقع مل جائے گا۔ سر جرمنی کے ساتھ پاکستان کے بہت سے مفادات جڑے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی حادثہ ہوجاتا ہے تو جرمنی کو تو نقصان ہونا ہی ہے لیکن پاکستان بھی اس سے بہت متاثر ہوگا۔ جمیل نے پریشانی سے کہا اس کے چہرے پر بھی پریشانی کی لکیریں صاف نظر آرہی تھیں۔ واقعی اگر شہباز خان چانسلر کو مارنے میں کامیاب ہوجاتا تو جرمنی میں مہاجرین اور مسلمانوں کے لیے زمین تنگ ہوتی ہی ہوتی پاکستان کو بھی نفرت کا نشانہ بنایا جاتا۔ سر یہ بہت خطرناک ہے۔ ہماری ادھر موجودگی کے باوجود بھی ہم شہباز خان کو نہیں پکڑ سکے۔ وہ ہماری ناک کے نیچے سے گزر کر دھماکہ کرنے والا ہے۔ ہم سب کے لئے یہ مرجانے کا مقام ہوگا۔ اس بار یہ وہی آدمی تھا جس نے مجھ سے ریسٹورنٹ سے باہر بات کی تھی اور کنو کو لے کر آیا تھا۔ اس کا نام بلال تھا رینک اس نے نہیں بتایا تھا۔ کوئی بات نہیں بلال ہم سب نے شہباز خان کو دیکھا ہوا ہے ہمارے پاس اس کی تصویریں بھی موجود ہیں۔ ہم سب ادھر جلسہ گاہ میں موجود ہوں گے شہباز خان اتنی جلدی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ بلال صاحب جس چانسلر کے لیے پورا جرمنی اور سارے مسلمان مہاجرین دل سے دعائیں کررہے ہوں اسے یہ شہباز خان جیسے دہشتگرد کبھی نہیں مار سکتے۔ پہلے یہ ایک عام مشن تھا اب یہ مشن ہمارے ملک کے لیے چیلنج ہے۔ ہماری سکرٹ ایجنسی میں انسان نہیں ہوتے۔ ایجنسی کا ایک ایک ایجنٹ پوری کی پوری آرمی یونٹ پر بھاری ہوتا ہے۔ آج ہماری ایجنسی کو موقع ملا ہے اور ہم اسے ثابت کر کے رہیں گے کہ جب آئی ایس آئی مقابلے پر آتی ہے تو پھر جیت ہوتی ہے یا پھر موت۔ ہار کا لفظ ہی ہماری ایجنسی میں نہیں ہے۔ ہم سب اپنی جان سے گزر جائیں گے لیکن شہباز خان کو چانسلر کے نزدیک بھی نہیں پہنچنے دیں گے۔ جمیل نے بھاری لہجے میں کہا اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ٹھیک ہے جمیل ہم سب اب جلسہ گاہ کی طرف جارہے ہیں۔ تم اسے مار کر اس کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لاش ٹھکانے لگاؤ اسکی جگہ کو اچھی طرح صاف کر دینا اور پھر تم بھی جلسہ گاہ آجانا ابھی دو گھنٹے پڑے ہوئے ہیں۔اتنی دیر تک ہم پارک کا مکمل جائزہ لے لیں گے۔اور پارک کے اندر سکیورٹی کی صورتحال بھی دیکھ لیں گے۔ میں نے جمیل کو ابھیجیت کو مار کر اس کی لاش ٹھکانے لگانے کا کہا۔ بلال اسلحہ وغیرہ تو تم نے صحیح طریقے سے چیک کر لیا تھا۔میں نے بلال سے پوچھا۔

جی سر اسلحہ بلکل ریڈی حالت میں ٹیکسی ڈرائیور کے گھر میں پڑا ہے اور ٹیکسی ڈرائیور بے ہوش پڑا ہوا ہے۔اسے کل صبح سے پہلے ہوش نہیں آئے گا۔ چابیاں ہمارے پاس موجود ہے ہم دو منٹ میں اسلحہ نکال کر جلسہ گاہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ٹیکسی ڈرائیور فیاض چیمہ تھا یہ وہی فیاض چیمہ ہے جس کے ہاں ہم لوگ تاش کھیلتے تھے۔ان کا گھر سینٹرل پارک سے متصل گلی میں تھا۔ یہ چھوٹی سی دو منزلہ بلڈنگ تھی جس کے اوپری فلور پر چیمہ صاحب رہتے تھے۔زیادہ اونچی عمارتوں سے سنٹرل پارک کا قدرتی حسن متاثر ہوتا تھا۔اس لئے پارک کے ساتھ ساتھ سبھی عمارتوں کی بلندی دو منزلہ ہی رکھی گئی تھی۔اس سے اونچی عمارتیں بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ چونکہ ٹیکسی ڈرائیور کا گھر بالکل نزدیک پڑتا تھا اس لئے میں نے اسے ہی استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔راضی بھائی چیمہ صاحب آپ کے علاقے کے بی ہیں اور بہت اچھے دوست بھی لیکن پھر بھی آپ اسے استعمال کرنے لگے ہیں۔ یہ بہت خطرناک کام ہے اس کے گھر سے اگر اتنی بڑی تعداد میں اسلحہ نکلا تو اسکے ساری زندگی جیل میں ہی کٹ جائے گی۔جمیل نے اس وقت مجھے سمجھایا تھا۔لیکن مجھے ملک کے آگے کوئی بھی عزیز نہیں تھا۔جمیل بھائی مجھے سکرٹ ایجنسی نے یہاں کروڑوں روپیہ لگا کر دوستیاں لگانے کے لئے نہیں بھیجا۔ چیمہ صاحب کا گھر ہمارے بہت کام آئے گا۔ مجھے صرف ملک کا سوچنا ہے۔ میں نے اس وقت جمیل کو جواب دیا تھا۔رات کو میں چوری چھپے ان کے گھر میں داخل ہوا تھا اور انہیں سوتے میں ہی بے ہوش کر دیا تھا۔اس کے بعد وہ لوگ اسلحہ لے کر آ گئے تھے۔ میں نے ان کے موبائل فون کو بند کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی ٹیکسی خود چلاتے تھے اس لئے وہ کسی بھی وقت چھوٹی کر سکتے تھے۔اب وہ اپنے گھر میں بے ہوش پڑے تھے جبکہ ہمارا اسلحہ ان کے گھر میں موجود تھا۔ہم کسی بھی ایمرجنسی کے وقت وہاں سے اسلحہ لے سکتے تھے۔ ہیڈ کوارٹر سے ہم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نکلے اور سیدھے سینٹرل پارک آ گئے۔سنٹرل پارک اس وقت لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ پارک کو چاروں طرف سے تار لگا کر مکمل بند کر دیا گیا تھا۔صرف دو دروازے بنائے گئے تھے جہاں سے اندر داخل ہوا جاسکتا تھا۔ نارملی اس پارک کے بیس سے اوپر دروازے ہیں جہاں سے لوگ پارک میں آ جا سکتے تھے۔ چانسلر کے آنے کی وجہ سے سکیورٹی بڑھائی گئی تھی اور سبھی دروازوں کو بند کر کے صرف دو دروازے ہیں کھلے رکھے گئے تھے۔ میں اور دوسرے ایجنٹ پارک میں پھیل کر سکیورٹی پوزیشن چیک کرنے لگے۔ پارک میں انتہائی سخت سیکورٹی لگی ہوئی تھی۔ دونوں دروازوں پر واک تھرو گیٹ بنے ہوئے تھے۔ جدھر سے آدمی کی پوری باڈی سکین ہوتی تھی۔اس کے علاوہ میٹل ڈیٹیکٹر بھی لگے ہوئے تھے اور کتے بھی موجود تھے۔ یہ بارود کی بو سونگھنے والے کتے تھے۔سکیورٹی اہلکاروں کے پاس انتہائی جدید ترین اسلحہ تھا۔سکیورٹی گارڈ سامنے چھتوں پر بھی پوزیشن لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے وہاں گھومتے گھومتے ڈیڑھ گھنٹے سے اوپر ہو گیا لیکن مجھے کہیں بھی کوئی مشکوک سرگرمی نظر نہ آئیں چانسلر کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔لیکن ابھی تک ہم شہباز خان کو تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے۔جمیل بھی ابھیجیت کی لاش کو ٹھکانے لگا کر واپس آ گیا تھا۔سر کچھ معلوم ہوا اس نے مجھ سے سوال کیا۔نہیں یار ابھی تک مکمل اندھیرے میں ہیں۔ کہیں بھی کوئی رخنہ موجود نہیں ہے۔ مجھ پر مایوسی طاری ہو رہی تھی۔ چانسلر پارک کے اندر پہنچ چکی تھی۔ وہ سٹیج کے ساتھ ہی بنے ہوئی بلڈنگ کے اندر تھیں۔ یہ عجائب گھر تھا جس میں کارلسروہے شہر کے نوادرات اور تاریخی سامان موجود تھا۔ چانسلر اندر عجائب گھر میں نوادرات دیکھ رہی تھی۔ عام آدمی کا داخلہ اس وقت اندر عجائب گھر میں منا تھا۔ وہاں صرف شہری انتظامیہ اور پولیس کے لوگ ہی موجود تھے۔عجائب گھر کی عمارت ایک پرانا قلعہ تھا۔اس کے اندر جانا ناممکن تھا اس لئے ہم اس طرف سے مطمئن تھے۔ جو کچھ بھی ہونا تھا وہ سٹیج پر ہی ہونا تھا۔ اگلے پانچ سات منٹ تک چانسلر سٹیج پر آنے والی تھیں۔ میرے دل کے دھڑکنے بالکل مدھم ہو گئی تھیں۔ چانسلر اب کسی بھی وقت سٹیج پر آ سکتی تھیں۔ جب کہ ہم ابھی تک اندھیرے میں ہی تھے۔ چانسلر کی جان کو حقیقی خطرہ تھا لیکن وہ خطرہ کہا تھا ہم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا پا رہے تھے۔ سر یہاں تو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ ہر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طرف لوگ ہی لوگ گھوم رہے ہیں۔ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں ہم قاتل کو کیسے ڈھونڈیں گے۔ بلال نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔ پھر آگے کیا پلان ہے کیا ہم بھگدڑ پیدا کریں۔ ایک دو آدمیوں کو دھکے دیتے ہیں تو یہاں بھگدڑ بن جائے گی۔ اس کے بعد شاید چانسلر سٹیج پر نہ آئے جمیل نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ ہاں جمیل اب یہی ایک چانس رہ جاتا ہے۔ لیکن بہرحال ایسا ممکن نہیں ہوگا یہاں سکیورٹی بہت سخت ہے۔ یہ لوگ آسانی سے بھگدڑ پر قابو پالیں گے۔ دس پندرہ منٹ لیٹ ضرور ہوگی لیکن یہ دیر پا نہیں ہوگا۔ چانسلر تقریر کے بغیر واپس نہیں جائیں گی۔ میں نے مایوسی سے کہا۔ سر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے۔

بلال نے کہا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر کرنل برسو سادہ کپڑوں میں ملبوس کھڑا سٹیج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دو اور پولیس والے بھی سادہ کپڑوں میں تھے۔ وہ کرنل پرسو سے ایک قدم پیچھے کھڑے تھے۔ بظاہر وہ سیاح ہی لگ رہے تھے لیکن میری نظروں نے اس فرق کو پہچان لیا تھا۔ میں نے کرنل کی تصاویر دیکھیں ہوئی تھی لیکن اتنے رش پہچان کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے چہرے پر تھوڑا میک اپ کر کے اسے تبدیل بھی کیا ہوا تھا۔ اس کے ایک ساتھی نے اسے کچھ کہا تھا جسے میں سن نہیں سکا لیکن میں ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے دونوں کو وہیں چھوڑا اور خود کرنل کی طرف بڑھنے لگا۔ میں ان کے پیچھے کھڑا ہو کر ان کی باتیں سننے لگا۔ کرنل پرسو ان سے سامنے والے مینار کی سکیورٹی کا پوچھ رہا تھا۔ سر اس طرف ہمارے پانچ آدمی لگے ہوئے ہیں وہ سیف ہے۔ ایک پولیس والا اسے بتا رہا تھا۔ ٹھیک ہے مینار کی طرف والی سکیورٹی کے انچارج سے میری بات کرواؤ۔ کرنل پرسو نے اس سے کہا تو پہلے پولیس والے نے جیب سے وائرلس نکالی اور اسے آن کر کے مینار کے سکیورٹی انچارج سے رابطہ کرنے لگا۔ دوسری طرف سے رابطہ ہونے پر اس نے وائرلس کرنل کو پکڑا دی۔ کرنل نے دو منٹ اس سے بات کر کے کال کاٹ دی وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ لیکن میں غیر مطمئن ہو گیا۔ دوسری طرف بات کرنے والا بے شک پولیس میں ہی تھا لیکن وہ بہرحال اصل آدمی نہیں تھا۔ اس کے بولنے کے انداز سے ہی مجھے گھبراہٹ کا عنصر مل گیا تھا۔ دوسری طرف والے جھوٹ بول رہا تھا۔ میں جلدی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے ادھر سے ہٹ کر دوبارہ جمیل اور بلال کی طرف آ گیا۔جمیل تم یہاں تھوڑی بھگدڑ پیدا کرو میں چاہتا ہوں کے چانسلر پانچ دس منٹ دیر سے سٹیج پر آئیں۔ مجھے مینار کی طرف ایک کلیو ملا ہے میرے خیال میں ایک سنائپر اس طرف ہو سکتا ہے۔ میں اس طرف جا رہا ہو جبکہ تم بلال دو آدمیوں کو دونوں گیٹ پر الرٹ رکھو۔انہوں نے شہباز خان کو دیکھا ہوا ہے۔دونوں آدمیوں کو اسلحہ بھی دے دوں اب اختیار کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ہمیں اب تیزی دکھانی ہو گی اگر احتیاط کرتے رہے تو وہ چانسلر کو مار سکتے ہیں میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ٹھیک ہے سر میں ان کو دروازے پر اسلحے کے ساتھ لگا دیتا ہوں۔ چیمہ صاحب کی ٹیکسی بھی باھر ہی کھڑی ہوئی ہے اس میں رائفلیں موجود ہیں جبکہ بڑا اسلحہ گھر میں ہے۔کیا میں بھی آپ کے ساتھ چلو اس نے کہا۔نہیں تم میرے ساتھ چلنے کی بجائے مجھ سے تھوڑا فاصلہ رکھ کر آ جاؤ۔ اس سے مجھے بیک اپ بھی مل جائے گا اور اگر مجھے گولی لگ جاتی ہے تو تم پیچھے سے آ کر حملہ کر کے انہیں مار سکتے ہو۔ بلال میں مر بھی جاوں تو تب بھی مشن پورا کرنا ہے۔ مینار کے اندر لازمی طور پر سنائپر موجود ہو گا۔ میں نے اسے مزید کچھ تفصیل سے آگاہ کیا اور کار سے اسلحہ نکالنے لگا۔ہم باتیں کرتے کرتے باہر آ چکے تھے۔ بلال نے 2 لڑکوں کو اشارہ کر دیا تھا وہ بھی ہمارے پاس پہنچ چکے تھے۔جبکہ دوسری طرف جمیل نے رش کا فائدہ اٹھا کر دو تین لوگوں کو دھکا دے کر آگے عورتوں سے ٹکرا یا تھا۔آدمی آگے عورت سے ٹکراتے تو عورت اور اس کے ساتھ والا مرد ٹکرانے والے سے الجھنے لگتا۔ نے چار لوگوں کو دھکا دیا تھا۔اس کی زیادہ یہی کوشش تھی کہ بندہ کوئی ایشین یا افریقن ہوتا کہ لڑائی کے زیادہ سے زیادہ چانس پیدا ہوں۔اس کی تدبیر کام کر گئی۔ چار میں سے دو جگہ پر لڑائی شروع ہو گئی تھی۔ ایشین یا افریقن زیادہ تر گروپوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ایک لڑتا ہے تو اس کے ساتھ باقی بھی لڑنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پیچھے جلسہ گاہ میں بھگدڑ پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے کار سے ایک جدید ترین رائفل نکالی۔ یہ چھوٹی سی رائفلز تھی جسکی میگزین میں 70 سے اوپر گولیاں ہوتی ہیں۔ میں نے اس رائفل کو اٹھایا اور ساتھ میں اضافی 4 میگزین بھی اٹھا لی۔ میں نے گولیوں کی بجائے میگزین یہی منگوائی تھی۔لڑائی کے وقت اتنا ٹائم نہیں ہوتا کہ آدمی میگزین میں گولیاں بھرتا رہے۔ وہ پرانے زمانے کی لڑائیاں ہوتی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھیں۔ آج کے جدید دور میں اتنا ٹائم ہی نہیں ہوتا تھا۔لڑائی بہت تیز رفتار ہوگئی تھی۔جتنی دیر میں میگزین میں گولیاں بھری جاتی اتنی دیر میں لڑائی ہی ختم ہوجاتی ہے۔ میں نے میں گزینوں کو جیب میں ڈالا اور ہیلمٹ پہن کر بائیک پر بیٹھ کر اسے سٹارٹ کیا۔کار کے لیے راستہ موجود نہیں تھا۔اس طرف رکاوٹیں لگا کر گاڑی کے لیے راستہ بلاک کیا ہوا تھا۔صرف بائیک ہی جاسکتی تھی۔پچھلے کچھ عرصے سے ہیوی گاڑیوں کے ساتھ دہشت گردی کی کافی وارداتیں ہوچکی تھی اس لیے اب سکیورٹی کے دوران گاڑیوں پر بھی توجہ دی جاتی تھی۔ میں نے بائیک کو سیدھا کیا اور مینار کی طرف بڑھنے لگا۔ پہلے چھ سو میٹر تک تو آبادی تھی اس کے بعد سڑک خالی ہوجاتی تھی۔میں نے انتہائی تیز رفتاری سے بائیک چلائیں اور ایک منٹ کے قلیل وقت میں ہی مینار تک پہنچ گیا۔ مینار آبادی سے صرف ایک کلومیٹر ہی دور تھا۔ وہاں کھڑے حملہ آوروں کے سنبھلنے سے پہلے ہی میں مینار تک پہنچ چکا تھا۔

میں نے جلدی سے ایک زوردار بریک لگائی اور بائیک سڑک پر ہی پھینک کر مینار کی بیرونی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔گولیوں کا ایک برسٹ آیا اور میرے سر سے صرف چار انچ اوپر دیوار میں پیوست ہوگیا۔گولیوں سے مینار کی اینٹیں ٹوٹ ٹوٹ کر میرے سر پر آرہی تھی۔ میں بروقت نیچے بیٹھ گیا تھا اگر مجھے تھوڑی مزید دیر ہوجاتی تو وہی گولیاں میرے سر میں لگنی تھی۔ میں نے بیٹھے بیٹھے ایک جست ماری اور دوسری طرف چلا گیا۔ یہ جگہ پہلی جگہ کی نسبت تھوڑی محفوظ تھی۔ میں نے ہلکا سا اوپر اٹھ کر دیکھا تو مجھے ایک آدمی نظر آگیا۔ جو رائفل کی میگزین تبدیل کررہا تھا۔اس نے پہلے ہی برسٹ میں ساری گولیاں چلادی تھی۔ یہ میرے لیے بہترین موقع تھا۔ میں نے رائفل سیدھی کی اور اس پر ایک گولی چلا دی۔میری چلائی گئی گولی سیدھی اسکے سر میں لگی اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ یہی فرق ایک عام دہشت گرد اور سکریٹ ایجنٹ میں ہوتا ہے۔ دہشت گرد صرف گولیاں چلاتا ہے۔ وہ اندھادھند فائرنگ کرتا ہے جس کی زد میں جو بھی آتا ہے چھلنی ہوجاتا ہے۔لیکن اس کا نقصان بھی ہوتا ہے۔گولیاں ایک ہی برسٹ میں ختم ہوجائیں تو میگزین تبدیل کرنے میں زیادہ ٹائم تو نہیں لگتا لیکن سامنے والا اگر بچ جائے تو اس کے لئے اتنا ٹائم ہی کافی ہوتا ہے۔ وہ اس وقفے میں ھی واپسی فائر کر کے مخالف کو مار سکتا ہے۔ یہ بات

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمیں ٹریننگ کے دوران سکھائی جاتی ہے۔ سنگل اور برسٹ فائرنگ ایک انگوٹھے کی ہلکی سی جنبش سے تبدیل ہوجاتی ہے۔ ہم کبھی بھی بلاضرورت برسٹ فائر نہیں کرتے یہ صرف اسی وقت کیا جاتا ہے جب مخالف کو ڈرانا ہو یا پھر مخالف واضح نہ ہو تو برسٹ فائر کیا جاتا ہے تاکہ کوئی نہ کوئی گولی اسے لگ جائے۔ اس وقت چونکہ مجھے وہ نظر آرہا تھا اس لیے میں نے راؤنڈ فائر کیا اور گولی اس کے سر کو پھاڑتی ہوئی گزر گئی۔ اسی وقت مزید گولیوں کی بوچھاڑ آئی جو میرے سر کے اوپر دیوار میں لگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ مزید اور بھی ساتھی موجود تھے جواب واپسی فائرنگ کر رہے تھے۔ اوپر احمد کے پاس سنائپر رائفل کے علاوہ اور کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ سنائپر رائفل بہت بڑی اور بھاری ہوتی ہے۔ یہاں آمنے سامنے کی لڑائی میں کبھی کارآمد نہیں ہوتی۔ اس سے فائر کرنے کے لیے مکمل پرسکون اور دوربین کی ضرورت ہوتی ہے۔ احمد کے پاس رائفل اور گولیاں موجود تھیں لیکن وہ اسے میرے خلاف استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ میں مینار کی دیوار سے بالکل الگ کر کھڑا تھا۔ اس نے جب نیچے فائرنگ کی آواز سنی تو بھاگ کر دیوار کے پاس آیا اور اس نے نیچے جھک کر مجھے دیکھ لیا۔ میں چونکہ سامنے والوں سے لڑ رہا تھا اس لیئے اوپر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے مجھے اوپر سے دیکھ لیا تو وہ بھاگ کر واپس گیا اور وہ رائفل کو کاک کرنے لگا۔ مجھے سامنے کی طرف سے شدید فائرنگ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ میں ایک بڑے پتھر کی اوٹ لئے لیٹا ہوا تھا۔ جب کہ وہ سامنے سے فائرنگ کر رہے تھے۔ یہاں جنگلی جھاڑیوں کی مدد سے دیوار بنائی گئی تھی۔ جب کہ اس کے پیچھے بڑے بڑے پتھر رکھے ہوئے تھے۔ یہ لوگوں کے بیٹھنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ میں ان کے پیچھے لیٹ کر پناہ لیے ہوئے تھا۔ فائرنگ کرنے والے جھاڑیوں کی دیوار کے دوسری طرف موجود تھے۔ وہ تعداد میں دو تھے میں نے فائرنگ کی آواز اور پوزیشن سے ہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ کتنے ہیں اور کس کس طرف موجود ہیں۔ میں نے اب تک صرف ایک ہی گولی چلائی تھی جو کارگر ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے میں نے کوئی گولی نہیں چلائی تھی اور نہ ہی کوئی حرکت کی تھی۔ اس لیے وہ اندازہ ہی نہیں لگا پا رہے تھے کہ میں زندہ ہوں یا ان کی گولیوں کا شکار ہوکر مر چکا ہوں۔ وہ مسلسل فائرنگ کرتے کرتے جھنجلا چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک رائفل خاموش ہوئی جبکہ دوسری رائفل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے فائرنگ شدت اختیار کر گئی۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایک آدمی کور دے رہا تھا جبکہ دوسرا آدمی اب آگے آنے لگا تھا۔ یہ لڑائی کا بہت پرانا طریقہ ہے۔ ایک آدمی کور فائرنگ کرتا ہے جبکہ دوسرا آگے ایڈوانس کرتا ہے۔ ہمیں سیکرٹ سروس میں یہ سب سکھایا جاتا ہے۔ دس رائفلیں بھی مسلسل چل رہی ہو تو پھر بھی ہم گنتی کر کے بتا سکتے ہیں کہ کتنی رائفلوں سے گولیاں چل رہی ہے۔ بلکہ ہمیں اتنی تربیت ہوتی ہے کہ ہم گولی کی آواز سن کر ہی رائفل کی قسم بتا دیتے ہیں۔ وہ مجھے عام پولیس اہلکار سمجھ رہے تھے۔ اسی لئے غلطی کر رہے تھے۔ میں زمین پر کرالنگ کرتے ہوئے تھوڑا دور ہوا اور اچانک ایک طرف سے سر نکال کر دیکھا۔ مجھے ایک آدمی اپنی طرف بڑھتا نظر آ گیا۔ میں نے فوراً ایک اور راؤنڈ فائر کیا اور وہ آدمی بھی میری گولی کی زد میں آ گیا۔ اس بار گولی اس کے گلے میں لگی تھی جو کارگر ثابت ہوئی۔ وہ زمین پر آ گرا اور تڑپنے لگا۔ کور فائرنگ کرنے والے نے اسے زمین پر گرتے ہوئے دیکھا تو ایک پل کے لیے وہ لڑکھڑایا۔ اس کی رائفل رکتے ہی میں نے ایک بڑا فیصلہ کیا۔ میں نے ایک قلابازی کھائی اور پتھر کی اور سے باہر آ گیا۔ مجھے وہ سامنے ہی کھڑا نظر آ گیا۔

اس نے مجھے دیکھا تو جلدی سے رائفل میری طرف کی لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ آج کے دور میں ایک سیکنڈ کی دیر بھی موت کا پیغام لے آتی ہے۔ میری رائفل سے اس بار ایک چھوٹا برسٹ نکلا اور اس کا سر کٹ کر کئی حصوں میں بٹ گیا۔ اتنی دیر میں اوپر احمد بھی رائفل لے کر آ چکا تھا۔ وہ بالکل میرے سر کے اوپر مینار کے اندر کھڑا تھا۔ اس نے رائفل کا منہ میری طرف کیا اور نشانہ باندھنے لگا۔ سنائپر رائفل کی پانچ انچ لمبی گولی تھی۔ جو مجھے لگ جاتی تو میرے پرخچے اڑ جانے تھے۔ اس نے ٹریگر پر ہاتھ رکھا۔ میں اس کی طرف سے بے خبر تھا۔ اس نے جیسے ہی ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھایا اسے وقت ایک گولی اس کے کندھے کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اور وہ میرے سامنے رائفل سمیت گر گیا۔ یہ گولی بلال نے چلائی تھی وہ بھی میرے پیچھے پہنچ چکا تھا اور اس نے احمد کو نشانہ لگاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لیکن اس کے گولی چلانے سے پہلے ہی بلال کی گولی اس کا کندھا ادھیڑتے ہوئے نکل گئی۔ کیونکہ مجھ پر گولی چلانے کے لیے احمد مینار کے کنارے پر جھکا ہوا تھا اس لئے گولی کے جھٹکے سے نیچے گر گیا۔ اونچائی سے گرنے کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

باوجود وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ نیچے زمین کچی تھی اس لیے وہ بچ گیا۔ میں نے رائفل کی نال اس کی طرف کی۔ لا الہ الا اللہ وہ کلمہ پڑھنے لگا۔ مسلمان ہو میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ الحمد للہ میں مسلمان ہوں اور اسلام کی راہ میں شہید ہو رہا ہوں۔ بچے میں بھی مسلمان ہو۔ یہاں سے بہت دور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ایک مسلمان سپاہی۔ دہشت گردوں پر کلمہ بھی اثر نہیں کرتا۔ تم سیدھے دوزخ کی آگ میں جلو گے۔ یہ جہاد نہیں تھا جو تم کر رہے تھے۔ تمہارے چلائی ہوئی ایک گولی سے صرف ایک چانسلر نے مرنا تھا۔ لیکن اس کی پاداش میں لاکھوں مسلمانوں کی زندگیاں تباہ ہو جانی تھیں۔ تمہاری چلائی ہوئی ایک گولی نے صرف ایک چانسلر کو مارنا تھا۔ لیکن اس کی دھمک نے کروڑوں مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کر دینا تھا۔ جیسے تم مارنے لگے تھے اس عورت نے بیس لاکھ مسلمانوں کو پناہ دی ہے۔ اور ایک کروڑ سے اوپر مسلمانوں کو پناہ دلوائی ہے۔ تمہاری اس گولی نے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچانا تھا۔ بلکہ ان لاکھوں مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دینی تھی۔ ایک کلمہ پڑھنے سے تمہارے گناہ معاف نہیں ہوں گے۔ تم جنت کی بات کرتے ہو تم تو دوزخ کے قابل بھی نہیں ہو۔ اسلام کے لیے جان دینے سے پہلے اسلام کا مطالعہ تو کر لیتے۔ اگر تم نے اسلام کو دل سے پڑھا ہوتا تو آج اس ملک میں دہشت گرد بن کر نہ آتے۔ میں نے رائفل کی نال اس کے ماتھے پر لگا دی۔ مجھے معاف کر دو میں غلطی پر تھا اس نے معافی مانگی۔ نہیں بچے معافی کا وقت گزر چکا ہے۔ سیکرٹ سروس والے کبھی کسی کو معاف نہیں کرتے۔ میں نے ٹریگر پر دباؤ بڑھایا تو رائفل کی گولی اس کے ماتھے میں سوراخ کرتی ہوئی زمین میں پیوست ہو گئی۔ سر جلدی کریں جرمن پولیس اس طرف آ رہی ہے بلال نے چیختے ہوئے کہا۔ میں جلدی سے واپس مڑا اور باہر کی طرف بھاگنے لگا۔ جھاڑیوں کی دیوار کے پاس پہنچ کر میں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور انہیں عبور کر کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ یہاں بلال پہلے ہی موٹر بائیک لے کر تیار کھڑا تھا۔ میں اس کے پیچھے بیٹھا تو وہ انتہائی تیز رفتاری سے آگے کی طرف بڑھ گیا۔ ہمارے پیچھے گولیاں چل رہی تھیں۔ اب کی بار جرمن پولیس گولیاں چلا رہی تھی۔ لیکن ہم ان کی پہنچ سے دور نکل چکے تھے آگے جنگل تھا۔ بلال نے موٹر سائیکل جنگل کی طرف موڑا اور جنگل سے ہوتے ہوتے ہم ایک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسری سڑک پر آ گئے۔اس سڑک پر پہنچ کر ہم نے اپنا رخ دوبارہ شہر کی طرف موڑا اور واپس شہر میں داخل ہو گئے۔جمیل وہاں کی کیا پوزیشن ہے میں نے موبائل سے جمیل کو کال کی۔سر بھگدڑ پر کنٹرول ہو چکا ہے چانسلر ابھی تک میوزیم کے اندر ہی ہیں۔انہوں نے تقریر کی کینسل نہیں کی ہے۔تھوڑی دیر ہوگئی ہیں لیکن بہرحال وہ اگلے پانچ منٹ میں اسٹیج پر آ رہی ہیں۔میں نے کرنل کی وایئرلیس کی فریکونسی معلوم کر لی ہے اور اب اس کے تمام احکامات کو سن رہا ہوں۔انہیں مینار کی طرف والے حملے کی خبر مل چکی ہے۔سنائپر رائفل اور شوٹر دونوں مرے ہوئے مل چکے ہیں جبکہ ان کے دو ساتھی بھی اس کے علاوہ ان کے اپنے پانچ پولیس والوں کی لاشیں بھی مل چکی ہیں۔یہ مینار کی سکیورٹی پر مامور تھے۔دہشت گردوں نے ان سب کو مار کر مینار کے احاطے میں ہی رکھا ہوا تھا۔کرنل پرسو چانسلر کو منع کر رہے ہیں لیکن وہ نہیں مان رہی۔چانسلر ہر حالت میں تقریر کریں گی۔سر وہ بہت مضبوط اعصاب کے مالک ہیں۔خوف کا ہلکا سا شائبہ تک مجھے ان کی آواز نے محسوس نہیں ہوا۔جرمنی بہت خوش قسمت ملک ہے جسے چانسلر جیسی لیڈر ملی ہیں۔جمیل چانسلر کی شخصیت سے متاثر ہو گیا تھا۔شہباز خان کا کچھ پتہ چلا میں نے اس سے پوچھا۔نہیں سر ابھی تک کچھ پتہ نہیں ہے۔ہم سب اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔لیکن وہ کہیں بھی نہیں مل رہا۔جمیل نے کہا۔ہم نے موٹر بائیک ایک گلی پیچھے ہی چھوڑ دی تھی۔

اور اب پیدل چلتے ہوئے گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔ہمارے پاس اسلحہ موجود تھا۔اسلحہ کے ساتھ ہم گیٹ کے اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے۔یار میٹل ڈیٹیکٹر اور سکینر کو کمپیوٹر کی مدد سے تو نہیں کنٹرول کیا جا رہا ہے۔میں نے بلال کی طرف دیکھا۔جی سر یورپ میں سارے کام اب کمپیوٹر کی مدد سے ہی ہو رہے ہیں۔اصل کام تو سکینر کا ہے لیکن ان لوگوں نے میٹل ڈٹیکٹر کو بھی کمپیوٹر سے جوڑ دیا ہے۔بلال نے نارمل انداز میں کہا۔اوہ اگر یہ کمپیوٹر ہے تو اسے لازمی ہیک کیا جا سکتا ہو گا۔میں نے فوراً جمیل کو باہر آنے کا کہا وہ گیٹ کے قریب ہی کھڑا تھا۔ایک منٹ میں ہی باہر پہنچ گیا۔جمیل کیا اس گیٹ کے سسٹم کو ہیک کیا جا سکتا ہے۔کیا تم اس سسٹم کو ہیک کر سکتے ہو ہمیں اسلحہ سمیت اندر جانا ہے میں نے جمیل سے کہا۔کتے مینار کی طرف چلے گئے تھے اس طرف حملہ ہوا تھا اس لیے کتوں کو بھی ادھر لے جایا گیا تھا۔اوہ سر جی یہ تو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہت آسان ہے مجھے پہلے اس کا خیال ہی نہیں آیا۔شاید اب بھی میں ایک اچھا ایجنٹ نہیں بن پایا ہوں اس نے اپنی جیب سے ایک ٹیبلٹ نکالا اور اسے آن کر کے انٹرنیٹ سے کنکٹ کرنے لگا۔وہ اپنے آس پاس موجود کسی بھی نیٹ ورک سے رابطہ کر کے اس کا انٹرنیٹ استعمال کر سکتا تھا۔یہاں اس وقت بے شمار موبائل فون لوگوں کے پاس تھے جن میں انٹرنیٹ موجود تھا۔اس نے صرف پانچ منٹ لگائے اور گیٹ کے پورے سکیورٹی سسٹم کو ہیک کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ہو گیا سر اب آپ آسانی سے گیٹ کراس کر کے جا سکتے ہیں۔جمیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔اچھی طرح چیک کر لینا کہیں مروا نہ دینا۔تیس پینتیس پولیس والے کھڑے ہیں اگر پکڑا گیا تو ان کی ایک ایک گولی ہی کافی ہو گی اور میرا جسم مکھیوں کا چھتہ بن جائے گا۔وہ بھی بڑے والا چھتا میں نے مذاقا کہا اور گیٹ کی طرف جانے لگا۔سر رک جائیں پہلے میں جاتا ہوں آپ کی بہت ضرورت ہے یہ مشن اپ کے بغیر ممکن نہیں ہو گا بلال نے مجھے روک دیا۔نہیں بلال ہم سب ایک جیسے ہیں اور سبھی تربیت یافتہ ہیں کسی ایک کے چلے جانے سے مشن نہیں رک سکتا میں لیڈر ہو اس لئے پہلے میں ہی جاؤں گا میں نے اسے منع کیا۔سر سیکرٹ سروس میں صرف اہمیت دیکھی جاتی ہے بڑے نقصان کی بجائے چھوٹا نقصان برداشت کرنا ہی ہماری پالیسی ہوتا ہے۔زندگی سب کی ایک جیسی ہے لیکن ایجنسی کو ابھی آپ کی ضرورت ہے میرے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا وہ آگے بڑھا اور تیزی سے چلتا ہوا گیٹ کے پاس پہنچ گیا۔میں نے جیکیٹ میں ہاتھ ڈال کر ایک پسٹل پکڑ لیا تھا۔کچھ مزید اسلحہ بھی ہم نے گاڑی سے نکال لیا تھا۔میں مکمل چوکنا تھا اگر کوئی پولیس والا اسے روکتا اور مقابلے کی کیفیت ہوتی تو میں بلا جھجک فائر کر دیتا۔میں اتنی آسانی سے بلال کو مرنے نہیں دے سکتا تھا۔میرے لئے بلال کی جان کی قیمت تھی اور میں اس کے لئے کسی کو بھی بلا جھجک مار سکتا تھا۔بلال انتہائی پر اعتماد انداز میں چلتا ہوا گیٹ کراس کر گیا۔وہ دوسری طرف پہنچ چکا تھا کسی نے بھی اس پر توجہ نہیں دی۔سر جی آپ نے میرے ٹیلنٹ پر شق کر کے اچھا نہیں کیا۔پاکستانی ٹیلنٹ ہے اگر کرنے پر آ جاؤں نہ تو پوری کی پوری گوگل کمپنی ہیک کر کے دکھا سکتا ہوں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔اچھا گوگل کے سپیلنگ بھی آتے ہیں تمہیں۔میں نے مذاق میں کہا اور گیٹ کی طرف بڑھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گیا۔ اس بار میں نے بھی آرام سے گیٹ پار کر لیا تھا۔ بلال باقی سب کو بھی اسلحے کے ساتھ اندر بلا لو میں نے بلال کو کہا اور خود ایک چکر لگانے کے لئے سینٹرل پارک کی بیک کی طرف آ گیا۔ چانسلر کسی بھی وقت اب آنے والی تھیں۔ پورا سینٹرل پارک لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ پچھلی جانب ایک چھوٹا سا جنگل تھا۔ یہاں بھی اکا دکا لوگ آ جا رہے تھے۔ لیکن زیادہ رش نہیں تھا۔ پولیس کی بھی کافی تعداد اس طرف موجود تھی لیکن وہ آرام سے ٹہل رہے تھے۔ اس طرف دیوار کافی اونچی تھی اور اس کے اوپر خاردار تار بھی لگی ہوئی تھی۔ جس میں اس وقت انتہائی طاقتور کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ دیوار کے اوپر دونوں اطراف میں ٹاور بھی بنے ہوئے تھے۔ جن کے اوپر مستعد پولیس اہلکار پہرہ دے رہے تھے۔ اس طرف سے اندر گھسنا نہ ممکن تھا۔ میں مطمئن ہو کر واپس مڑنے لگا جب میری نظر درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف بڑھی۔ اس طرف قدموں کے نشانات موجود تھے جو جھنڈ سے اس طرف آ رہے تھے۔ کیونکہ یہاں کچی زمین تھی۔ اور درختوں کو پانی بھی لگایا گیا تھا اس لیے زمین تھوڑی گیلی تھی اور اسی وجہ سے مجھے قدموں کے نشانات نظر آ گئے۔ میں چلتا ہوا جھنڈ میں داخل ہو گیا یہاں کافی گھاس اگی ہوئی تھی۔ میں نے جلدی جلدی چاروں طرف نظر دوڑائی اور جلد ہی ایک ڈھکن تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ کافی بڑا ڈھکن تھا جس کے اوپر بھی گھاس اگی ہوئی تھی۔ پہلی نظر میں یہ زمین کا حصہ ہی معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن میری قسمت اچھی تھی جو میں ڈھکن تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے اسے اوپر اٹھایا تو مجھے نیچے ایک سرنگ نظر آ گئ۔ اوہ مائی گاڈ ایک اور دہشت گرد بھی یہاں پہنچ چکا ہے میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

میں بھاگتا ہوا واپس جلسہ گاہ میں آ گیا۔ جمیل بلال ایک دہشت گرد زمین کے نیچے موجود سرنگ سے یہاں سنٹرل پارک کے اندر پہنچ چکا ہے۔ جلدی سے اسے تلاش کرو اس کے پاس ہر قسم کا اسلحہ اور بارود ہو سکتا ہے۔ میں نے جلدی جلدی دونوں سے کہا۔ اس کے پیروں پر مٹی لگی ہوگی لال رنگ کی چکنی مٹی ہے شکل سے تو ہم نہیں پہچان سکتے لیکن اس کے جوتوں سے پہچان لیں گے۔ میں پارک میں گھوم پھر کر حملہ آور کو ڈھونڈنے لگا۔ یہ شہباز خان ہی تھا جو سرنگ کے نیچے سے پارک میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خودکش جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ وہ سب سے زیادہ خطرناک تھا اگر وہ سٹیج کے قریب پہنچ کر دھماکہ کرتا تو چانسلر کے ساتھ ساتھ درجنوں اور بھی بے گناہ لوگ مرجاتے۔ چانسلر کسی بھی وقت اسٹیج پر پہنچنے والی تھیں۔ میں جلسہ گاہ میں تیزی سے اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ اس وقت یہاں 50 ہزار سے اوپر لوگ موجود تھے۔ لوگوں کی اتنی بڑی تعداد میں ایک آدمی کو ڈھونڈنا بہت مشکل تھا۔ میرے دماغ میں دھماکے ہورہے تھے۔ میں لوگوں کی بھیڑ کو کاٹتا اور چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں اپنا پورا زور لگارہا تھا لیکن پھر بھی شہباز خان کو ڈھونڈنے میں ناکام ہورہا تھا۔ کارلسروہے کہ رہنے والے خواتین وحضرات پیارے پیارے بچوں اور باہر سے آئے ہوئے ہمارے معزز مہمانوں آپ کو جو تھوڑی دیر کے لیے انتظار کرنا پڑا اس کے لیئے ہماری شہری انتظامیہ معذرت خواہ ہے۔ چانسلر ادھر ہی ہمارے ساتھ ہیں اور وہ اب آپ کے سامنے آنا چاہتی ہے۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں آئے اور مل کر اپنی محبوب چانسلر کا استقبال کرتے ہیں۔ اسٹیج پر شہر کا میئر چانسلر کے آنے کا اعلان کر رہا تھا۔ جمیل کرنل پرسو کی وایرلس فریکوئنسی لگا کر اسے بتاؤ ایک خودکش حملہ آور پچھلی طرف سے ایک سرنگ کے ذریعے سٹیڈیم میں پہنچ چکا ہے۔ اسے بولو چانسلر کو سٹیج پر آنے سے روکے میں نے چیختے ہوئے کہا۔ جمیل میرے سامنے ہی شہباز خان کی تلاش میں بھاگ رہا تھا۔ میری آواز سنتے ہی رک گیا اس نے جیب سے موبائل نکالا اور کرنل کو کال کرنے لگا۔ اسکا موبائل وایرلس کی طرح بھی کام کرتا تھا۔ میں اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا جمیل نے کرنل کو کال کر دی تھی لیکن ہمیں دیر ہو چکی تھی۔ میوزیم کا دروازہ کھلا اور چانسلر باہر آ گئیں۔ ان کی کے ساتھ سکیورٹی کے بھی کچھ اہلکار تھے۔ سٹیج اور میوزیم کے درمیان تھوڑا سا کھلا علاقہ تھا۔ یہاں ایک رسی لگی ہوئی تھی عوام کو رسی کی ایک جانب رکھا گیا تھا۔ دوسری طرف جانے کی اجازت نہیں تھی پولیس کے کچھ اہلکار دوسری طرف کھڑے تھے۔ چانسلر چلتی ہوئی سٹیج تک آ گئی۔ اسی وقت مجھے شہباز خان بھی نظر آ گیا۔ اس نے رسی کراس کر لی تھی اور دوسری طرف جا رہا تھا۔ شہباز خان میں زور سے چلایا۔ اچانک شہباز خان کے پیچھے مجھے بلال کی صورت دکھائی دی۔ اس نے شہباز خان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ لیکن خان نے ایک جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑوالیا۔ وہ آگے کی طرف بڑھنے لگا۔ بلال نے گن نکال

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لی۔عوام گن دیکھتے ہی پیچھے ہٹنے لگی۔پولیس والوں نے بھی پوزیشنیں سنبھال لیں وہ شہباز خان کی بجائے بلال کو مجرم سمجھ رہے تھے۔اس سے پہلے کہ وہ بلال پر فائر کرتے میں نے چھلانگ لگا کر رسی کراس کی اور میں بھی وہاں پہنچ گیا۔شہباز خان نے چَچ بٹن والی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔اس نے جھٹکے سے شرٹ کے بٹن کھول دیئے۔اور اسکی خودکش جیکٹ نظر آنے لگی۔عوام کی جیکٹ دیکھ کر چیخیں نکل گئیں۔چانسلر سٹیج پر پہنچ چکی تھیں۔سکیورٹی اہلکاروں نے انہیں ادھر ہی اپنے حصار میں لے لیا۔شہباز خان کوئی حرکت مت کرنا چانسلر کی طرف جانے کی کوشش کی تو میں گولی ماردوں گا میں نے رائفل نکال کر اسے سیدھا کر لیا۔شہباز خان کا ایک ہاتھ جیکٹ کی رسی کے ساتھ لگے ہوئے کڑے میں تھا۔اس نے مضبوطی سے کڑے کو پکڑا ہوا تھا۔وہ چانسلر کی طرف جانا چاہتا تھا لیکن اس کے آگے بلال کھڑا تھا۔ وہ شہباز خان کے بالکل نزدیک کھڑا تھا۔اگر وہ دھماکے سے خود کو اڑاتا تو اس کے ساتھ ساتھ بلال بھی شھید ھو جاتا۔جبکہ جیکٹ کی ساخت سے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت بڑا دھماکہ کرے گی۔ان کے قریب کھڑے بہت سے پولیس اہلکار اور عوام بھی مارے جاتے۔پولیس اہلکار اسے گولی مارنا چاہتے تھے لیکن میں نے چیخ کر انہیں منع کر دیا۔کرنل پر سو فائرنگ کی غلطی مت کرنا بارودی جیکٹ پھٹی تو بہت بڑی تباہی ہو گی۔میں سیکرٹ سروس سے ہو چانسلر کی سکیورٹی کے لیے۔میں نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اسے فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔یہ دو نمبر کارڈ تھا لیکن اتنے نازک لمحات میں کسے دیکھنے کی فرصت تھی۔ہم ہینڈل کر رہے ہیں اسے صرف سٹیج سے دور رکھنا ہے۔میں نے جرمن زبان میں چیختے ہوئے کہا۔میری زبان بالکل جرمن لوگوں کی طرح تھی۔میرے لہجے کی سختی اور اعتماد نے پولیس والوں کو ادھر ہی روک دیا۔شہباز خان اونچی آواز میں قرآنی آیات کا ورد کرنے لگا۔بچے میری طرف دیکھو میں بھی مسلمان ہوں۔یہ بلال بھی مسلمان ہے۔پلیز میرے بچے یہ جہاد نہیں ہے۔

اس بار میں نے پشتو زبان میں کہاں۔نہیں تم مسلمان نہیں منافق ہو جو ایک ظالم کو بچا رہے ہو۔ سارے یورپ والے ظالم اور قاتل ہیں انہوں نے ہمارے ملک کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے شہباز خان نے تیز سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔شہباز خان میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میں بہت غریب گھر سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوں مجھے مار کر میرے بچوں کو یتیم مت کرو۔ بلال نے پستول زمین پر رکھتے ہوئے کہا۔ وہ خالی پستول تھا جبکہ بلال کے جیب میں مزید اسلحہ بھی موجود تھا۔ اس نے صرف شہباز خان کا اعتماد جیتنے کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا۔ میں بھی آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگا۔ اوے ادھر ہی رک جاؤ اگر آگے بڑھے تو میں جیکٹ کو دھماکے سے اڑا دوں گا۔ اس نے کڑے والے ہاتھ کو حرکت دی۔ میرا اندر کی طرف جاتا ہوا سانس حلق میں ہی اٹک گیا۔ نہیں خان پلیز رک جاؤ دیکھو میں بھی مسلمان ہوں۔ اس پارک میں آنے والے زیادہ تر لوگ مسلمان ہیں یہ سارے مسلمان مہاجرین ہیں۔ شام اور عراق کے مہاجرین جنھوں نے اپنے ملکوں میں صرف تباہی دیکھی ہے یہاں وہ محفوظ تھے تم ان کو ادھر بھی مارنے آ گئے ہو۔ یہ سارے تمہارے مسلمان بھائی ہیں۔ پلیز میرے بھائی یہ دہشت گردی مت کرو۔ میں وقتی طور پر رکا ضرور تھا لیکن پھر میں نے آگے تھرکنا شروع کر دیا تھا۔ میں اس کے زیادہ سے زیادہ نزدیک جانا چاہتا تھا۔ نہیں دہشتگرد میں نہیں ہو تم سب دہشت گرد ہوں۔ اس کا ہاتھ ابھی تک کڑے میں اٹکا ہوا تھا۔ رک جاؤ اس بار بلال اس کی طرف بڑھنے لگا۔ چونکہ بلال اس کے بالکل نزدیک تھا اس لئے وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پیچھے میں کھڑا تھا میں نے بھی دو قدم آگے بڑھائے تو میں اس کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ اب اگر وہ جیکٹ کو پھاڑتا تو دھماکے کے ساتھ ہم دونوں بھی اڑ جاتے۔ میں اب اس کے زیادہ نزدیک پہنچ چکا تھا۔ چانسلر ابھی تک سٹیج کے اوپر ہی تھیں۔ وہ ہم کو دیکھ رہی تھیں۔ جرمن پولیس کا حوصلہ اب کم ہو رہا تھا وہ اب کسی بھی وقت فائر مار سکتے تھے۔ جبکہ فائر کی صورت میں وہ نیچے گرتا تو کڑے میں ہاتھ ہونے کی وجہ سے اسے جھٹکا لگتا اور جیکٹ پھٹ جاتی۔ مجھے اب کچھ کرنا تھا ورنہ میں اور بلال دونوں ہی مر سکتے تھے۔ بلال بالکل سیدھی اس کے سر میں گولی مار سکتے ہو میں نے بلال سے جرمن زبان میں پوچھا۔ جی میں کر سکتا ہوں بلال نے جواب دیا۔ بلکل سیدھی اس کے سر میں لگنی چاہیے اگر اسے ایک سیکنڈ کا بھی موقع مل گیا تو جھٹکے سے جیکٹ پھٹ جائے گی میں نے مزید کہا۔ کیا۔۔۔۔۔ تم کیا کہہ رہے ہو میں۔۔۔۔۔ تار کھینچنے لگا ہوں اس نے چیختے ہوئے کہا۔ ایک منٹ صرف ایک منٹ خان مجھے صرف ایک منٹ دے دو میں نے جلدی سے کہا۔ ٹھیک ہے لیکن پیچھے ہٹ جاؤ اس نے غصے سے کہا۔ جی جی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں پستول نیچے رکھ رہا ہوں میں نے آہستگی سے پستول زمین پر رکھا اور کھڑا ہو گیا۔ بلال بلکل تیار کھڑا تھا میں نے اپنے ایک ہاتھ کی چٹکی بجائی اور جیسے ہی میری چٹکی بجی بلال نے بجلی کی سی تیزی سے گولی چلائی جو سیدھی شہباز خان کے سر میں گھس گئی۔ میں اس سے بھی تیزی سے حرکت میں آیا اور میں نے نیچے گرتے ہوئے شہباز کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ ہی زمین پر گر گیا۔ وہ میرے اوپر گرا تھا میں نے اس کے مردہ ہاتھ کو تھام رکھا تھا اور اسے بالکل ساکت حالت میں نیچے لے کر آیا تھا۔ پولیس اور عوام دونوں کی سانسیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ بلا حرکت پوری کاروائی دیکھ رہے تھے۔ اس کے نیچے گرنے کے بعد بھی کوئی ہمارے پاس نہیں آ رہا تھا۔ صرف ایک بلال ہی تھا جو گولی مارنے کے بعد میرے پاس آیا تھا۔ بلال پستول ادھر رکھو اور عوام کے اندر چلے جاؤ ابھی یہاں مزید اور بھی حملہ آور ہو سکتے ہیں میں نے بلال سے کہا تو اس نے پستول ادھر میرے پاس ہی چھوڑا اور بھیڑ میں چلا گیا۔ میں نے آہستگی سے شہباز خان کو زمین پر لٹایا اور اس کے نیچے سے نکل کر کھڑا ہو گیا۔ اتنی دیر میں بم سکواڈ والے آ گئے تھے۔ میں آہستہ آہستہ کرنل پرسو کی طرف بڑھنے لگا۔ کونسی سیکرٹ سروس سے آپ کا تعلق ہے کرنل نے مجھ سے سوال کیا۔ کرنل صاحب سیکرٹ سروس بعد میں پوچھ لینا پہلے ہمیں سیکورٹی فراہم کرنی ہے۔ تو پہلے وہ دیکھ لیں۔ میں نے غصّے سے کرنل کی طرف دیکھا تو وہ مرعوب ہو گیا۔ جی سر مجھے اطلاع ملی تھی ایک خودکش حملہ آور سٹیڈیم میں داخل ہوا ہے اس نے مجھے سر کہنا شروع کر دیا۔ وہ اطلاع میں نے ہی دی تھی ادھر سرنگ کے پاس صرف ایک ہی آدمی کے قدموں کے نشان تھے۔ لیکن بہرحال کوئی اور بھی ہو گا ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا جب مجھے ہیلی کوپٹر کی آواز سنائی دی۔ ہیلی کاپٹر کس نے منگوایا ہے مجھے کرنل کی بڑبڑاہٹ سنائی دی تو میں فوراً الرٹ ہو گیا۔ کیا ہیلی کاپٹر سیکورٹی کا حصہ نہیں ہے میں نے تشویش سے کہا۔ نہ جانے کیوں میرے چھٹی حس خطرے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ نہیں سر میں انچارج ہوں میری اجازت کے بغیر کوئی گاڑی یا ہیلی کوپٹر نہیں آ سکتا اس نے جلدی سے کہا۔ ہیلی کاپٹر نزدیک آ رہا تھا۔ بلال جمیل ہیلی کاپٹر کو روکو فائرنگ کرو اس پر یہ خطرہ ہو سکتا ہے میں نے چیختے ہوئے کہا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنل ہیلی کاپٹر کو ہائی جیک کیا جا سکتا ہے میں نے کرنل سے کہا اور جلدی سے گن نکالی اور ہیلی کاپٹر کی طرف بھاگنے لگا۔ ہسپتال کا ہیلی کاپٹر اسے ہائی جیک کرنا انتہائی آسان ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنے پیچھے آتے کرنل سے کہا۔ ہیلی کاپٹر اب نزدیک آ گیا تھا میں نے نشانہ باندھا اور گولیوں کا ایک برسٹ مارا جو کہ ہیلی کاپٹر کے نیچے پیروں میں لگا۔ اتنی دیر میں بلال اور دوسرے لڑکے بھی پوزیشن لے چکے تھے ان کی چلائی گئی گولیاں بھی ہیلی کوپٹر کی طرف لپکیں۔ پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کو تیزی سے اوپر اٹھایا اور اسے دائیں طرف موڑ دیا۔ وہ جلسہ گاہ سے دور ہو رہا تھا۔ یہ تو ہسپتال کا ہیلی کوپٹر ہے اس میں میڈیکل کا عملہ ہوگا۔ کرنل میرے پاس آ کر کہنے لگا۔ ایک پل کے لیے مجھے لگا جیسے وہ سچ کہہ رہے ہوں لیکن اگلے ہی پل مجھے اپنی بات سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ ہیلی کوپٹر واپس آ رہا تھا۔ میں نے رائفل سیدھی کی اس بار دوسری طرف سے پہلے فائرنگ شروع ہوئی۔ میں نے کرنل کا بازو پکڑا اور ایک درخت کی آڑ لی۔ ہیلی کاپٹر میرے نزدیک آ رہا تھا اور اس سے مسلسل نیچے فائرنگ ہو رہی تھی۔ مجھے باہر نکل کر فائرنگ کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر لمحہ بالمحہ ہماری طرف بڑھ رہا تھا اور اس سے گولیوں کی بوچھاڑ نکل رہی تھی۔ میں اور کرنل پرسو دونوں یہاں غیر محفوظ تھے اگر ہم دونوں ہی بیٹھے رہتے تو لازمی طور پر ہٹ ہو جاتے۔ کرنل کو بھی اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ میرے پیچھے باقی بھی لڑکے تھے لیکن ہماری رائفلیں ہیلی کاپٹر کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ جبکہ ان کی گولیاں سیدھی نیچے آ رہی تھیں۔ میرے سارے لڑکے خطرے میں تھے۔ میں نے ایک بڑا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ کرنل صاحب ہم مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں۔ ہمارے کچھ بچے غلط راستے پر ضرور گئے ہیں لیکن اسلام وہ نہیں ہے۔ اسلام یہ ہے۔ اسلام کی عظمت کے لیے ایک مسلمان کیا کر سکتا ہے یہ آج میں آپ کو دیکھاتا ہوں۔ میں نے رائفل کی پرانی میگزین اتاری اور نئی میگزین لگا کر ساتھ والے درخت کی طرف چھلانگ لگا کر چلا گیا۔ یہ زیادہ بڑا اونچا درخت تھا۔ میں نے رائفل کو کندھے سے ٹکایا اور کسی بندر کی طرح درخت پر اوپر چڑھتا چلا گیا۔ ایک منٹ کے اندر اندر میں درخت کی سب سے اونچی شاخ تک پہنچ چکا تھا۔ ہیلی کاپٹر مجھ سے تھوڑے فاصلے پر موجود تھا۔ وہ مجھ سے اب صرف دس فٹ اونچا رہ گیا تھا۔ میں نے رائفل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو برسٹ پوزیشن پر رکھا اور جیسے ہی ہیلی کا پٹر نزدیک آیا میں نے ٹینکی کا نشانہ لے کر فائر کھول دیا۔ میری رائفل سے نکلنے والی گولیاں ہیلی کا پٹر کی ٹینکی کو پھاڑتے ہوئے گزر گئیں۔ اسے فوراً ہی آگ لگ گئی اور اگلے ہی لمحے ہیلی کا پٹر زمین پر گرا اور ایک زوردار دھماکے سے پھٹ گیا۔ یہاں درخت کافی تعداد میں موجود تھے اور سبھی لڑکوں نے درختوں کی آڑ لی ہوئی تھی اس لیے لڑکے محفوظ رہے۔ جب کہ عام عوام ویسے ہی کافی دور تھی وہ اس دھماکے سے مکمل محفوظ رہے تھے۔ میرا کام مکمل ہو چکا تھا میں جلدی جلدی واپس نیچے اترنے لگا۔ مشن مکمل ہو گیا تھا۔ سر آپ بہت بہادر ہو جرمنی کو آپ جیسے ہی بہادر مسلمان افسروں کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے خفیہ ایجنسی کا کوئی ایجنٹ سمجھ رہا تھا۔ جرمنی کی مقامی آبادی 80 فیصد کے قریب ہے جبکہ 20 فیصد دوسرے لوگ بھی جرمنی کی شہریت رکھتے ہیں۔ یہ ایشین لوگ ہیں جن کی اولادیں جرمنی میں ہی پیدا ہوتی ہیں اور یہیں سے تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں تک بھی جاتی ہیں۔ دانکے کرنل جرمنی میرا ملک ہے اور اسلام میرا مذہب کوئی بھی میرے ملک اور مذہب کی طرف غلط آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور واپس جلسہ گاہ کی طرف جانے لگا۔ بلال اور دوسرے لڑکے بھی ہمارے ساتھ چلنے لگے میں نے انہیں اشارہ کیا کہ وہ اب غائب ہو جائیں۔ ہم جرمنی کی سیکرٹ سروس کی بجائے پاکستانی سیکرٹ سروس سے تھے۔ ہم نے جتنا بڑا بھی کارنامہ انجام دیا ہو پھر بھی ہم یہاں جاسوس ہی تھے۔ اگر ہماری اصلیت یہاں کھل جاتی تو ہم فوراً ہیرو سے مجرم بن جاتے۔ چانسلر بچ گئی تھی ہمارا مشن مکمل ہو چکا تھا۔ جمیل اور دوسرے لڑکوں نے اسلحہ ادھر ہی چھوڑا اور لوگوں میں شامل ہو کر باہر نکل گئے۔ چانسلر محفوظ تھیں اور وہ سٹیج پر آ چکی تھیں۔ وہ ہماری بہادری کی تعریف کر رہی تھیں۔ سر چلیں سٹیج پر چلتے ہیں چانسلر آپ سے مل کر خوشی ہو گی کرنل نے سٹیج کی طرف جانے کا کہا۔ نہیں کرنل صاحب ہم سیکرٹ ایجنٹ ہیں ہمیں عوام کے سامنے آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ آپ جاؤ نام اور تعریف کے آپ حقدار ہوں میں نے منع کر دیا۔ سر یہ سارا منصوبہ کس کا بنایا ہو گا کون ہے جو چانسلر کو مارنا چاہتا ہے۔ کرنل مجھ سے پوچھنے لگا وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔ کرنل تمہارے علاوہ اور کون ہیلی کا پٹر کو آنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ یہاں سکیورٹی کے انچارج صرف تم ہی ہو یا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی اور بھی یہ کر سکتا ہے۔ ویسے تو میں بتا دیتا ہوں وہ نائب چانسلر ہے۔ اسی نے ہیلی کاپٹر کا حکم دیا تھا ۔ یہ ہیلی کاپٹر نائب چانسلر کے حکم سے آیا ہے تو مجرم بھی وہی ہے۔ چانسلر کے مرنے کا سب سے زیادہ فائدہ بھی اسی کو ہوگا۔ جاؤ اور اپنا فرض پورا کرو مجھے جمیل کا بھی میسج آ گیا تھا جس میں اس نے نائب چانسلر کے کال کرنے کا بتایا تھا۔ جمیل نے وایرلس پر نائب چانسلر کا آرڈر سن لیا تھا۔ کرنل صاحب چانسلر جرمنی کی ہی نہیں ہماری پوری قوم کی بھی محسن ہے اور مسلمان قوم کبھی اپنے محسنوں کو نہیں بھولتی۔ لانگ لیپے ڈوئچ لینڈ۔۔۔۔۔۔۔ جرمنی زندہ باد۔۔۔۔۔۔ میں نے اسے سلیوٹ کیا اور جلسہ گاہ سے باہر کی طرف جانے لگا۔ جب کہ کرنل آہستہ آہستہ سٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس پر چانسلر کھڑی تھیں۔ جرمنی کی عظیم ترین عورت ایک ایسی عورت جس نے پوری مسلمان قوم پر احسان کیا تھا۔ جس نے کہا تھا آنے والی تاریخ گواہی دے گی ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب مسلمانوں کو مدد کی ضرورت پڑی تھی تو وہ سعودی عرب کو چھوڑ کر ہمارے پاس پناہ کے لیے آئے تھے۔ اور ہم جرمنوں نے انھیں پناہ فراہم کی تھی۔ ہم اپنی بساط سے بڑھ کر ان کی مدد کریں گے۔ ہم مستقبل کے مورخ کو بتائیں گے کہ جرمن قوم کس قدر مہمان نواز ہوتی ہے۔ چانسلر کے جادوئی الفاظ میری سماعت میں گھس رہے تھے۔ وہ ایسی ہی کرشمہ ساز شخصیت کی مالک تھیں۔ میں وہاں سے نکل کر ہیڈ کوارٹر آ گیا۔ کنو ابھی تک بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ بلال اور اس کے ساتھ باقی آنے والے لڑکوں نے چیمہ صاحب کے گھر سے سارا اسلحہ نکال کر انہیں ہوش میں لانے کے لئے ٹیکہ لگا دیا تھا۔ وہ گھنٹے دو گھنٹے تک ہوش میں آ جاتے۔ بلال اور اس کے لڑکے اسی وقت اسلحہ کو ٹھکانے لگا کر واپس چلے گئے تھے۔ جبکہ یہاں صرف جمیل اور میں ہی رہ گئے تھے۔ یہ ہوش میں نہیں آ رہی ہے میں نے جمیل سے پوچھا جو تیزی سے سارا سامان کلوز کر رہا تھا۔ ہم نے یہاں سے فرانس کی طرف نکل جانا تھا۔ میں نے ٹیکا تو لگا دیا ہے ڈبل ڈوز دی ہے لیکن پھر بھی دس منٹ لگ جائیں گے۔ اس نے کہا۔ ٹھیک ہے اتنی دیر میں میں بھی سامان کلوز کر لیتا ہوں میں جلدی جلدی ضروری سامان اٹھانے لگا۔ ہم نے پانچ منٹ کے اندر اندر سارا ضروری سامان نیچے گاڑی میں رکھا اور کنو کو بھی گاڑی میں بٹھایا اور لوتر برگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ فرانس کا پہلا سرحدی گاؤں تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دس منٹ میں ہی ہماری گاڑی فرانس کی حدود میں داخل ہوگئی۔ جرمنی اور فرانس کے بارڈر پر کوئی چیک پوسٹ یا پولیس نہیں ہوتی ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جانا انتہائی آسان ہے۔ یہاں بارڈر پر کوئی موجود ہی نہیں ہوتا ہے۔لوتر برگ سے تھوڑا آگے جا کر جنگل میں ایک جگہ ہم نے سارا سامان جو ہم نے ہیڈکوارٹر سے اکٹھا کیا تھا باہر نکالا اور پیٹرول چھڑک کر اسے آگ لگا دی۔ سامان جل کر راکھ ہو گیا۔کنو کو بھی ہوش آ چکی تھی وہ ہمیں دیکھ رہی تھی۔ کنو چانسلر پر حملہ ہوا ہے جو کہ نا کام ہو گیا ہے۔ پولیس کی نظروں میں ہم سب آ گئے ہیں۔ اسی لیے ہمیں جرمنی سے بھاگنا پڑا۔آگے ایک چھوٹا سا شہر ہے،ہم یہ کار وہاں چھوڑیں گے اور ٹرین کے ذریعے پیرس چلے جائیں گے۔ جہاں سے پہلی دستیاب فلائٹ پکڑ کر واپس پاکستان چلے جائیں گے۔تم پیرس میں آزاد ہو کہیں بھی جا سکتی ہو۔لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم انڈیا چلی جاؤ۔ جرمنی کے تحقیقاتی ادارے تمہیں یورپ میں ڈھونڈ نکالیں گے۔تم یورپی یونین کے کسی بھی ملک میں محفوظ نہیں ہو میں نے اس سے کہا۔اس کی حسین آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔میرا من آنسو دیکھ کر ڈوبنے لگا۔ پانی اس کی آنکھوں میں آ رہا تھا لیکن وہ محسوس مجھے ہو رہے تھے۔دل میں ایک موہوم سی امید تھی وہ میرے ساتھ پاکستان چلی جائے گی۔اس کی موٹی موٹی کالی آنکھوں نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ رات گیارہ بجے کے قریب ہم پیرس پہنچ چکے تھے۔ چونکہ ہم نے ایجنسی کو پیرس جانے کی اطلاع کر دی تھی ہمیں اسلام آباد کی طرف سے ہی احکامات ملے تھے کہ ہم فوراً پیرس پہنچیں۔ جیسے ہی ہم پیرس تک پہنچے سفارتخانے کا ایک اہلکار اسٹیشن پر ہی ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں رسیو کیا اور وہاں سے کار میں بٹھا کر ایئرپورٹ کی طرف چل پڑا۔ سر یہ آپ دونوں کے نئے پاسپورٹ ہیں ان کے مطابق آپ تین مہینے کے سیر کے ویزے پر فرانس آئے تھے اور اب واپس جا رہے ہو۔نام اور ایڈریس وغیرہ پاسپورٹ پر لکھے ہوئے ہیں آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ٹھیک دو گھنٹے بعد آپ کی براستہ دبئی پاکستان کی فلائٹ ہے۔اس نے ہماری طرف دو پاسپورٹ بڑھائے جن پر ہم دونوں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔فرانس سے پاکستان جانے کے لیے کوئی امیگریشن نہیں ہوتی آپ کو کوئی بھی نہیں پوچھے گا۔اس نے ہمیں تسلی دی۔ میں نے اپنی تصویر والا پاسپورٹ لیا اور کار

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی اندرونی روشنی میں اس پر لکھا نام اور پتہ یاد کرنے لگا۔ یہ کنو ہیں۔ جرمن پولیس۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ بے فکر رہیں سر مجھے مکمل بریفنگ دی گئی ہے۔ یہ ہماری مہمان ہے ایک دو دن ہمارے پاس رہیں گی اور پھر جدھر بھی جانا چاہیں ہم انہیں پہنچا دیں گے۔ آپ اپنی فکر کریں سر۔

اسلام آباد ہیڈ کوارٹر والوں کو آپ نے بہت سے جوابات دینے ھیں۔ آپ کام تو پورا کرتے ہوں لیکن ایجنسی کا کوئی ایک بھی رول فالو نہیں کرتے۔ سارے اصول توڑ دیتے ہیں۔ وہ مسلسل سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔ کنو تم ٹھیک تو ہو ناں تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے میں نے کنو سے پوچھا۔ مجھے ایجنسی کے سینئر افسران سے نپٹنا آتا تھا۔ وہ ناراض ضرور ہوتے تھے کچھ سرزنش بھی کرتے تھے لیکن مان بھی جاتے تھے۔ انہیں ایجنسی سے زیادہ ملک سے غرض تھی۔ وہ ہمیشہ ملک کا بھلا سوچتے تھے۔ مجھے صرف کنو کی طرف سے فکر ہو رہی تھی۔ اس کی خوبصورتی نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اس سے محبت ہونے لگی تھی۔ راضی میں ضلع سنگھ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ راضی وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ شاید وہ میرے ساتھ انڈیا جانے کے لئے تیار ہو جائے۔ وہ ہم سب کو چھوڑ کر ضلع سنگھ کی طرف چلی گئی تھی۔ ضلع سنگھ اس خوبصورت دیوی کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ آپ جیسے کہو گی میم ہم ویسے ہی کریں گے۔ آپ ہماری مہمان بن کر رہو گی۔ ہم ضلع سنگھ سے آپ کی بات بھی کروا دیں گے اور اگر وہ آپ کے پاس آنا چاہتا ہے تو اسے آپ کے پاس بھی لے کر آجائیں گے۔ کوئی پریشانی نہیں ہماری ایجنسی آپ کو ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے مالی امداد بھی دے گی۔ کنو آپ کے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے۔ ہم اس کا ازالہ تو نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی جتنا ہو سکا ہم کریں گے۔ پاکستان آپ کا دشمن نہیں ہے۔ پاکستان انڈیا کا دشمن نہیں ہے۔ ہم آپ کے دوست ہیں۔ پاکستان ایک دوست ملک ہے۔ ہماری کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ وہ آدمی بالکل ایک روبوٹ کی طرح بول رہا تھا۔ لیکن اس کی باتیں بہت اثر رکھتی تھیں۔ ایئر پورٹ آیا تو ہم ایئر پورٹ کے اندر چلے گئے جبکہ وہ آدمی کنو کو لے کر واپس چلا گیا۔ ہم نے ایمیگریشن کروائی اور ویٹنگ روم میں چلے گئے۔ آدھے گھنٹے تک جہاز آیا تو ہم دونوں جہاز میں چلے گئے۔ ٹھیک وقت پر جہاز نے آہستہ آہستہ رن وے پر دوڑنا شروع کیا اور پھر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا۔ کچھ دیر تک ہم دونوں جہاز میں بیٹھے دوبئی کی طرف جا رہے تھے۔ راضی بھائی آپ کو کبھی کنو سے محبت نہیں ہوئی تھی۔ اتنی خوبصورت لڑکی سے تو ہر کسی کو محبت ہو جاتی ہے تو پھر آپ۔۔۔۔۔۔۔اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ میری طرف دیکھ رہا تھا شاید اپنی آنکھوں سے میرے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جمیل بھائی ایک لڑکی کی محبت کبھی بھی میرے ملک کی محبت سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ میرے ملک کی مٹی کنو سے زیادہ خوبصورت ہے۔ بہاولپور کے ریگستان میں کسی دور دراز ٹوبے سے پانی کے تین تین گھڑے اپنے سر پر رکھ کر چلنے والی رویلن بھی اس کنو سے زیادہ خوبصورت ہے۔ مجھے روہی سے محبت ہے۔ مجھے چولستان کی ریت سے محبت ہے۔ میری روہی میرا چولستان اس کنو سے زیادہ خوبصورت ہے۔ میرا فرض مجھے محبت کی اجازت ہی نہیں دیتا۔

لوگ کہتے ہیں ہم آرمی والے اس ملک کا سارا بجٹ کھا جاتے ہیں ارے یار ہم جیسے سر پھرے مجاہدوں کو بھی پیسوں سے تولا جاتا ہے۔ پاکستان اور اسلام سے محبت ہمارے خون میں ہوتی ہے۔ اسے کون پیسوں سے خرید سکتا ہے میں نے جہاز کی سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں اپنے ملک پاکستان جا رہا تھا۔ جرمنی کی دو لاکھ کی ہوٹل کی نوکری چھوڑ کر واپس بیس ہزار کی فوج کی نوکری کرنے جا رہا تھا۔

ختم شد

رضوان علی گھمن

Whatsapp# 0049-152-11229099

Facebook: *Rizwan Ali Ghuman*

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

چانسلر ناول مکمل طور پر فکشن ناول ہے۔ ناول کی مرکزی کہانی پلاٹ،، انڈین پاکستانی دونوں ایجنسیوں کے کردار واقعات اور مقامات مکمل فکشن اور مصنف کا ذاتی تخیل ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ناول میں استعمال ہونے والا ریسٹورنٹ اور اس میں کام کرنے والا انڈین عملہ کنو بھاٹیہ صاحب ظفر بھائی اور چیمہ صاحب ٹیکسی ڈرائیور البتہ اوریجنل ہیں۔ ناول کی کہانی کو حقیقت کے قریب تر دکھانے کے لیے ان کرداروں کو لیکر ایک فکشن کہانی بنائی گئی ہے۔

ناول میں انڈیا کا ذکر بھی بہت بار آیا ہے لیکن کسی بھی پیراگراف یا جگہ پر انڈیا کی تذلیل نہیں کی گئی ہے۔ ناول میں کسی بھی جگہ پر انڈیا یا کسی بھی دوسرے ملک کے خلاف جذبات کو نہیں بھڑکایا گیا ہے۔ میں ذاتی طور پر انڈیا سے دوستی اور محبت کا قائل ہوں۔ دونوں ملکوں میں محبت اور بھائی چارہ قائم ہوگا تو دونوں ملکوں سے ہی غربت اور بے روزگاری ختم ہوگی۔ امن کی آشا ہمیشہ زندہ رہنی چاہیے۔

ناول پسند آئے تو اپنے دوستوں اور پیاروں کو ضرور مینشن کیجیے۔ میں ایک عام سا مہاجر لکھاری ہوں۔ لکھنا آسان ہے لیکن اسے دوسروں تک پہنچانا میرے بس سے باہر ہے۔ میرے ناولز کو آپ دوست ہی آگے پہنچائیں گے۔ میری حوصلہ افزائی کیجئے۔ شکریہ!

رضوان علی گھمن

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اردو کو ترویج دینے میں اردو ادب میں رسائل اور ڈائجسٹ کے ساتھ ساتھ اردو ناولوں کا بہت اہم کردار ہے۔ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جس بڑی تعداد میں ناول اور ڈائجسٹ فروخت ہوتے ہیں، اتنی تعداد میں تمام ادبی رسائل شائع بھی نہیں ہوتے۔ آج پاکستان کے نامور ناول نگاروں میں ایک اور نام ''رضوان علی گھمن'' بھی شامل ہو گیا ہے۔

ناول نگار رضوان علی گھمن بہاولپور کے رہنے والے ہیں۔ تمام تر تعلیم بھی بہاولپور سے حاصل کی ہے۔ 2007ء میں پاکستان سے نکلے اور پچھلے گیارہ سال سے یونان، جرمنی اور اٹلی کے مہاجر کیمپوں میں رہ رہے ہیں۔ یہاں مہاجر کیمپوں میں رضوان علی گھمن کو زندگی کا نزدیک سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا اور انہوں نے غیر قانونی بارڈر کراس کرنے والے مہاجرین پر شہرہ آفاق ناول ''دوسرا خدا'' تحریر کیا جس کا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ ان کی تحریروں پر ملکی اور بین الاقوامی سیاست کا بھی گہرا اثر رہا۔ ان کی دیگر تصانیف میں انکے مشہور ناول ''مہاجر''، ''کالا چاند'' اور ''سرائیکی ٹرمپ'' وغیرہ شامل ہیں۔

رضوان علی گھمن کے ناولوں میں رومانیت اور حقیقت پسندی کا ایک لطیف امتزاج پایا جاتا ہے۔ زیرِ نظر ناول ''چانسلر'' انہوں نے جرمنی کے مہاجر کیمپ میں لکھا۔ ''چانسلر'' ناول میں رضوان علی گھمن نے دہشت گردی، معاشرتی بے حسی اور انسانی کمزوریوں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ آپ کو ان کی تحریر کیسی لگی ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com